بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلاح

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلاح

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	فلاح کا راز	3
2	شانِ کریمی	8
3	تقویٰ	13
4	صلہ رحمی	17
5	سخاوت وایثار	22
6	شکر وصبر	27
7	شکر گزار کون؟	32
8	اخوت فی اللہ یا محبت فی اللہ	35
9	محبت وشوق اور انس ورضا	39
10	خوف ورجا (خوف اور امید)	47
11	سخاوت، مروت اور مدارت (خرچ کرنا، لحاظ کرنا اور خاطر تواضع کرنا)	56
12	احسان، تحمل اور بردباری	59
13	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	63
14	تبلیغی جماعت اور اصلاح نفس	71
15	تعلیم وتبلیغ	76
16	دعوت وتبلیغ کے چھ (6) پوائنٹ	82
17	سیرت اور صورت	85
☆	مقام ابراہیم	89
18	مصیبت زدہ اور غم زدہ کا علاج نبوی خاتم النبیین ﷺ	90
19	توحید وتوکل	96
20	روح سے تعلق	101
21	روح کا علم	106

فلاح کاراز

ترقی کے اندر فلاح نہیں ہے، فلاح کے اندر ترقی ہے۔ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، اُس کی ہدایت کے مطابق، آپ کی پیروی کرتے ہوئے عبادت سے وابستہ تو ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے وابستہ نہیں ہو پاتے۔کیونکہ ہم قرآن پاک کو ترجمہ کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ہم جو کچھ بھی کرلیں۔ہم کہیں بھی چلے جائیں، ہم کتنی ہی عبادت کرلیں جب تک ہم اللہ تعالیٰ سے وابستہ نہیں ہوں گے فلاح نہیں پائیں گے۔کیونکہ اس کے لئے کلام الٰہی کو سمجھنا ضروری ہے۔گویا فلاح کے لیے اللہ تعالیٰ سے وابستگی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ سے وابستگی کے لیے قرآن پاک میں تفکر ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خوف کا ہر وقت، ہر لمحہ موجود ہونا ضرری ہے۔

فلاح کا مطلب ہے کامیابی۔مقصد کو پالینا۔یعنی بامراد ہونا، کامیاب ہونا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى-وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر 15،14)

ترجمہ:''بے شک بامراد ہوئے (کامیاب ہوئے) اور فلاح پائی جنہوں نے اپنے باطن کو پاک کیا اور اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے نماز پڑھی''۔

فلاح کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ ایک تو توفیق اطاعت کی بدولت 2۔من کی صفائی کی بدولت

توفیق اطاعت کی بدولت، انسان برکت اور سعادت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

من کی صفائی کی بدولت انسان نور الٰہی کو پالیتا ہے۔

ذکر سے نور الٰہی پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے باطن کی صفائی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْاَفْلَحَ الْمومِنُونَ-قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (سورہ المؤمنون آیت نمبر 1 -سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر 14)

ترجمہ:''فلاح پائی مومنین نے (کامیاب ہوئے ایمان والے)'' "فلاح پائی جس نے باطن کو صاف کیا''۔

یعنی جس کو ایمان اور تقویٰ کے باعث گناہوں سے پاک ہونے کی توفیق مل گئی۔

عبادات دو طرح کی ہیں۔ بدنی اور مالی۔انسان ان دونوں طرح کی عبادات کو بجالا کر من کو پاک کرتا ہے۔یعنی نماز، روزہ اور ذکر کے ساتھ زکوٰۃ وخیرات اور صدقات کر کے اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔اس کے ساتھ ہی اللہ فرماتا ہے۔(سورہ یونس، آیت نمبر 17)

لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ترجمہ:''گناہ گار کامیاب ہونے والے نہیں (فلاح پانے والے نہیں)''

''مَنْ تَزَكّٰى'' کے معنی مفسرین نے الگ الگ بیان کئے ہیں

1۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں ''جو ایمان کے ذریعے شرک سے پاک ہو گیا''۔

2۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا "فلاح اس نے پائی جس نے نیکی کی اور آگے بڑھنے والے اعمال کئے"۔

3۔ بعض مفسرین نے فرمایا "جس نے مال کی زکوٰۃ دی"۔

4۔ حضرت قتادہؓ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں "یہاں مراد صدقہ فطر ہے"۔

توفیق اطاعت سے انسان برکت وسعادت سے ہمکنار ہوتا ہے اور ذکر سے من کو پاک کرتا ہے۔یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ذکر کا مطلب صرف زبان سے اللہ اللہ کرنا نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر کام کو اللہ کی رضا کے مطابق انجام دینا ذکر ہے۔کیونکہ ذکر سے مراد ''یادِ الٰہی'' ہے۔یعنی ہر لمحہ ہر کام کرتے ہوئے ہمیں اللہ تعالیٰ یاد رہے (اس کی رضا کو سامنے رکھیں) اگر زندگی گزارتے ہوئے ہر وقت ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھیں گے تو زندگی آسان بھی ہو جائے گی، کام میں برکت بھی ہوگی اور سعادت خداوندی کا عطیہ بھی نصیب ہو جائے گا جس سے اندرونی طور پر ایک خاص قسم کی روح کو تسکین ملے گی۔اب ذکر میں سب سے بڑی چیز نماز ہے، ذکر سے مراد یاد کرنا ہے۔نماز میں ہم اللہ کو یاد کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے یعنی مجھے یاد کرنے کے لئے۔اب اگر ہم نماز ہی کو اچھی طرح سمجھ کر اس نیت سے پڑھیں کہ ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں تو اللہ کی رضا ضرور حاصل ہو جائے گی۔نماز میں ایک تو آداب نماز ہیں، دوسرے معرفت نماز ہے۔

حضرت یوسف بن عصامؒ خراساں کی کسی جامع مسجد میں پہنچے آپ نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا مجمع ہے۔انہوں نے آس پاس کے لوگوں سے دریافت کیا

"اندر مسجد میں کون لوگ ہیں"؟ کسی نے بتایا" شیخ حاتمؒ کا حلقہ ہے اور اس وقت زہد اور تقویٰ کے موضوع پر بات ہو رہی ہے"۔حضرت یوسفؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "چلو ان سے نماز کے موضوع پر بات کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا تو ہم بھی وہاں پر بیٹھ کر ان کا وعظ سنیں گے ورنہ اٹھ جائیں گے"۔ چنانچہ حضرت یوسفؒ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے پاس پہنچے، سلام عرض کیا اور کہا" اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے ہم آپ سے چند مسائل معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں"۔حضرت حاتمؒ نے پوچھا" کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں"؟ حضرت یوسفؒ نے جواب دیا" میں نماز کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں"۔حضرت حاتمؒ نے فرمایا "آداب نماز کے بارے میں جاننا چاہتے ہو یا معرفت نماز کے بارے میں"؟ حضرت یوسفؒ نے عرض کی" آدابِ نماز کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں"۔حاتمؒ نے فرمایا آدابِ نماز یہ ہیں" ثواب کی امید کے ساتھ مسجد کی طرف چلو، پھر نیت کر کے عظمت کے ساتھ تکبیر کہو، ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھو، خشوع کے ساتھ رکوع کرو اور سجدہ کرو، اخلاص کے ساتھ تشہد پڑھو اور پھر رحمت کی امید پر سلام پھیرو" - یہ سن کو یوسفؒ کے ساتھیوں نے کہا" حضور ان سے معرفت نماز کے بارے میں بھی دریافت کریں"۔ چنانچہ یوسفؒ نے حضرت حاتمؒ کو دیکھتے ہوئے کہا" اب آپ ہمیں معرفت نماز کے بارے میں بھی بتا دیجئے"۔انہوں نے فرمایا" معرفت نماز یہ ہے کہ جنت کو اپنی دائیں جانب، دوزخ کو اپنے پیچھے، پل صراط کو اپنے پیروں تلے اور میزان کو آنکھوں کے سامنے رکھو اور یقین رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو سمجھ لو کہ اللہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے"۔ یہ سن کر حضرت یوسفؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''اٹھو تا کہ اپنی پچاس برس کی نمازوں کو دوبارہ ادا کریں''۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

ترجمہ:''بامراد ہوا اور فلاح پائی جس نے اپنے باطن کو پاک کیا، اپنے رب کو یاد کیا اور نماز پڑھی''۔

تو کیا ہم آداب نماز اور معرفت نماز کے ساتھ اطاعت کرتے ہیں؟ اطاعت سے انسان برکت وسعادت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ذکر سے من کو پاک کر لیتا ہے۔یعنی فلاح ظاہری اور باطنی۔اب ذکر میں ہر طرح کی بدنی و مالی عبادت آجاتی ہے۔اور عبادت نام ہی ذکر الٰہی کا ہے(یعنی اللہ کو یاد کرنے کا)۔

روایت ہے کہ ایک عابدہ عورت حبان بن حلالؒ کے پاس کھڑی تھی۔حبان بن حلالؒ بڑے بزرگ تھے اور ان سے لوگ مسائل کا حل دریافت کیا کرتے تھے۔ اس عورت نے ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہا" تم میں کون ہے جس سے میں ایک مسئلہ دریافت کرسکوں"؟ لوگوں نے حبان بن حلالؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو پوچھنا ہے ان سے پوچھ لو۔عورت نے حبانؒ سے سوال کیا" سخاوت کیا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا" خرچ کرنا، دینا، ایثار کرنا"۔عورت نے کہا" یہ تو دنیا کی سخاوت ہے۔ دین کی سخاوت کیا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا" اللہ تعالیٰ کی عبادت سخی دل سے کریں اور ایسے کریں کہ طبیعت پر گراں نہ ہو"۔عورت نے سوال کیا" اس پر ثواب کی نیت کرنی ہے یا نہیں"؟ انہوں نے کہا" ہاں ثواب کی توقع تو کرنی چاہیے"۔عورت نے کہا" کیوں"؟ انہوں نے جواب دیا" اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں ہمیں دس نیکیاں دی جائیں گے"۔عورت نے کہا ''سبحان اللہ'' جب ایک دے کر دس لیں تو سخاوت کیا ہوئی"؟ حبان بن حلالؒ نے اس عورت سے پوچھا "پھر تیرے نزدیک سخاوت کیا ہے"؟ اس نے جواب دیا ''میرے نزدیک تو سخاوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی جائے کہ اطاعت میں لذت ملے، طبیعت گراں نہ گزرے اور اس پر اجر کی نیت بھی نہ ہو۔ یہاں تک کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوا اور وہ جو چاہے کرے۔ کیا اس بات کی ہمیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے دلوں کا حال معلوم ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز مانگ رہے ہیں۔اور کم دے کر زیادہ کی توقع کر رہے ہیں اور یہ کہ ان کا کم دینا زیادہ کی توقع کی وجہ سے ہے یعنی جب کسی شخص کو یہ معلوم ہے کہ فلاں مجھ سے یہ سلوک اس وجہ سے کر رہا ہے کہ میں اس کو اس کے بدلے میں زیادہ دوں گا تو بے شک وہ لینے سے خوش نہ ہوگا تو حبانؒ عبادت ایسی کی جائے کہ اس میں لذت بھی ہو، کرنے میں مزا بھی آرہا ہو اور اس عبادت کے کرنے میں اجر کی توقع بھی نہ ہو۔ مالک کی رضا مطلوب ہو۔بس سب کچھ اس کی رضا پر چھوڑ دیا جائے''۔

تو یہ مطلب ہوا ''بامراد ہوا وہ جو پاک ہوا'' یعنی جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا چاہی، محبت اور اخلاص سے اس کی طرف قدم بڑھایا اللہ تعالیٰ اس کو بامراد فرما دیتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے شروع میں فلاح پانے والوں کی ابتدائی خوبیاں اور صفات بتا دیں ہیں۔رب تعالیٰ قرآن پاک کی سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں فرماتا ہے:(سورہ البقرہ آیت نمبر 5-1)

ترجمہ:''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں'' پھر فرمایا'' اس میں ہدایت ہے متقین کے لئے (فلاح پانے والوں کے لئے) وہ لوگ جو (اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) غیب پر ایمان لائے، نماز قائم کی، اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ قیامت پر ایمان لائے یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جنہوں نے

فلاح پائی۔''

دنیا کی فلاح یہ کہ انہیں ہدایت کی راہ نصیب ہوگئی اور زندگی کا دستورِ حیات مل گیا۔اور آخرت کی فلاح یہ ہے کہ انہیں اپنے کاموں کا پورا پورا اجر مل جائے گا۔ یہ دنیا ہمارے لیے آخرت کا توشہ تیار کرنے اور فلاح پانے کے لئے بنائی گئی ہے۔ ورنہ اس دنیا کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عیسیٰؑ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت سفر کے لئے نکل رہے تھے انہوں نے اسے ساتھ لے لیا۔ایک ندی کے قریب کھانا کھایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تین روٹیاں تھیں دونوں نے ایک ایک روٹی کھالی ایک باقی بچ گئی۔ حضرت عیسیٰؑ ندی سے پانی پینے کے لئے گئے، واپس آئے تو روٹی نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا "روٹی کہاں گئی''؟۔ اس نے کہا ''مجھے تو معلوم نہیں''۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس شخص کو ساتھ لیا اور چل پڑے۔ راستے میں حضرت عیسیٰؑ کو ایک ہرنی ملی اس کے ساتھ دو بچے تھے حضرت عیسیٰؑ نے ایک بچے کو بلایا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آ گیا۔ آپؑ نے اسے ذبح کیا اور اس کا گوشت کاٹا۔ اسے بھونا اور اس شخص کے ساتھ مل کر تناول فرمایا۔ پھر اس ذبح کئے ہوئے بچے سے کہا ''قم باذن اللہ'' وہ صحیح سالم ہو گیا اور کھڑا ہو کر جنگل کی جانب چل دیا۔ اب حضرت عیسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں یہ معجزہ دکھلایا۔ یہ بتا کہ روٹی کس نے کھائی"؟ اس نے کہا" مجھے تو معلوم نہیں"۔ پھر حضرت حضرت عیسیٰؑ اس کو لے کر آگے بڑھے، آگے ایک جنگل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے وہاں پر مٹی کا ایک ڈھیر جمع کیا اور پھر کہا" اللہ کے حکم سے سونا ہو جا"۔ وہ سارا ڈھیر سونا بن گیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کے تین حصے کئے اور اس آدمی سے کہا ''ایک تیرا اور ایک میرا اور ایک اس کا جس نے وہ روٹی کھائی تھی''۔ وہ شخص فوراً بول اٹھا ''روٹی تو میں نے کھائی تھی''۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا" یہ سارا سونا تو ہی لے لے"۔ یہ کہہ کر حضرت عیسیٰؑ آگے نکل گئے۔ اس شخص نے سونا پانے کی خوشی میں ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ ابھی یہ شخص سونا سمیٹ ہی رہا تھا وہاں دو ڈاکو آ گئے۔ ان دونوں نے اس سے پوچھا" یہ تیرے پاس کیا ہے"؟ اس نے کہا " کچھ نہیں"۔ لیکن انہوں نے اس کے ہاتھ سے سونا لے لیا تو اس شخص نے کہا" چلیں ہم تینوں اس سونے کے تین حصے کر لیتے ہیں اور ایک ایک تینوں لے لیتے ہیں" وہ راضی ہو گئے ان میں سے ایک نے کہا" پہلے شہر سے کھانا لے آئیں، کھانا کھائیں پھر سونا تقسیم کریں گے اور شہر سے اس سونے کے رکھنے کے لئے بھی کچھ کپڑا وغیرہ لے آئیں گے"۔ اُن میں سے دو لوگ وہاں جنگل ہی میں رہے اور ایک شخص کھانا لینے گیا۔ کھانا لیتے وقت اسے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس کھانے میں زہر ملا دوں اس طرح سارا سونا مجھے ہی مل جائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ادھر جنگل والے دونوں ساتھیوں نے کہا" تین کے بجائے دو حصے کرتے ہیں وہ آدمی جیسے ہی کھانا لے کر آئے گا اس کو فوراً مار دیں گے"۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا جیسے ہی بازار والا شخص آیا انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً دونوں نے اس کا گلہ دبا دیا اور بڑے مزے سے کھانا کھانے بیٹھ گئے اور کھانا کھاتے ہی یہ دونوں بھی پہلے کے پاس پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت عیسیٰ وہاں پر پہنچ گئے انہوں نے سونے کا ڈھیر اور ان تینوں کو وہاں مردہ دیکھا تو کہا ''یہ ہے دنیا'' تو دنیا رہنے کی جگہ نہیں۔ نہ ہی دل میں رکھنے کی چیز ہے۔ یہ تو بس بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھنے کی چیز ہے۔ دل میں تو بس ہر وقت رضائے الٰہی کی تمنا رضائے الٰہی کی جستجو رہے۔

لالچ، حرص، اور حصول دنیا، فلاح کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں اور صحیح فرمایا اللہ تعالیٰ نے "لَا یُفلِحُ الْمُجرِمِیْنَ" ترجمہ:" گناہ گار فلاح نہ پائیں گے"۔

اطاعت الٰہی میں سختیوں کو برداشت کرنا اور ہر حالت میں مالک کی رضا کو تلاش کرنا، زیادہ آسان ہے اُس محشر کے دن کی سختی سے جس میں عذاب کی شدت اور حدت دونوں زیادہ ہوں گی۔ ہمیں غور کرتے رہنا چاہیے کہ اس چھوٹی سی دنیا میں اس بڑے دن کے لیے توشہ تیار کرنا ہے جو پچاس ہزار برس کا ہوگا۔

ترجمہ:" وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے"۔ (سورہ المعارج، آیت نمبر 4)

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ''جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے قیامت کے اس دن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ پچاس ہزار برس کا دن مومنین کو (فلاح پانے والوں کو) اتنا ہلکا تصور اور تھوڑا سا معلوم ہوگا جتنے وقت میں وہ دنیا میں اپنی فرض نماز ادا کرتے ہیں''۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 13080)

اے انسان اس دن کے لئے فلاح پکڑ جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ کیونکہ جب تک زندگی میں سانس باقی ہے صرف اس وقت تک معاملہ ہمارے اختیار میں ہے۔ یا عنان استعداد ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ان چھوٹے دنوں میں اس بڑے دن کے لئے کچھ کر لیں تو اس دن حسرت نہ رہے گی، ندامت نہ رہے گی۔ اے انسان اس دن کی تیاری کر لے جس کی شان بڑی ہے۔ زمانہ دراز، حکم زبردست، اور وعدہ قریب آ لگا ہے۔ اس روز ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی اپنے سامنے پائے گا۔

قرآن پاک سورۃ الحشر،آیت نمبر 18 میں ارشادِ خداوندی ہے:''جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لئے کیا بھیج رکھا ہے''۔
وہ کل جس میں ہر انسان کی زبان گونگی ہو جائے گی۔ ہاتھ پاؤں جسم کے اعضاء بولیں گے۔ وہ دن ایسا ہے جس کے غم نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو بوڑھا کر دیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک دن آپ خاتم النبیین ﷺ سے کہا'' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ بوڑھے ہو گئے ہیں''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''ہاں مجھ کو سورہ ھود اور اس جیسی (سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ شمس اور سورہ عم یتساءلون) نے بوڑھا کر دیا ہے''۔(مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 5354-5353)

قرآن پاک کے الفاظ زبان سے ادا کرتے وقت اگر ہم ان کے مطلب پر غور کرتے تو قریب تھا کہ ہمارے پتے پھٹ جاتے۔ لیکن ہم نے صرف اور صرف زبان کی حرکت ہی پر اکتفا کیا اور قرآن پاک کے ثمرات سے محروم ہو گئے۔ جو لوگ قرآن پاک کے معنوں پر غور کرتے ہیں انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاح کن امور میں پوشیدہ ہے؟۔ روایت ہے کہ:

حضرت ذوالقرنین کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے پاس دنیا کی چیزوں میں سے کچھ بھی نہ تھا ان کے رہنے کا طریقہ یہ تھا کہ انہوں نے قبریں کھود رکھیں تھیں۔ صبح کو ان میں جھاڑو دیتے ان کو صاف کرتے دن میں ان کے پاس نمازیں پڑھتے، ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہر قسم کا ساگ ان کے اردگرد اگا ہوا تھا۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ساگ کو کھاتے اور اپنی خوراک اسی کو جانتے۔ حضرت ذوالقرنین نے ان کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیجا اور ان کے سردار کو بلوایا۔ ان کے سردار نے جواب دیا''مجھے ان سے کوئی غرض نہیں جس کو مجھ سے غرض ہے وہ میرے پاس آجائے''۔ حضرت ذوالقرنین نے کہا" وہ سچ کہتا ہے"۔ خود اس کے پاس آئے اور کہا''میں جو تمہارا حال دیکھ رہا ہوں ایسا دنیا میں، میں نے کسی کا حال نہیں دیکھا۔ تمہارے پاس رہنے کے لئے مکان نہیں، پہننے کے لئے پوشاک نہیں، کھانے کے لئے غذائیں نہیں؟ تم نے یہ چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کی"؟ اس نے جواب دیا''ہم نے اسباب دنیا کو اس لئے برا جانا کہ جس کے پاس دنیا آتی ہے وہ اس میں اضافے کی فکر میں رہتا ہے اور وہ اس میں غرق رہتا ہے (دنیا سمیٹنے میں)'' آپ نے پوچھا" یہ قبریں کیوں کھود رکھی ہیں تم لوگ ہر صبح ان کو صاف کرتے ہو اور ان کے پاس نمازیں پڑھتے ہو''۔ اس نے کہا" اس لئے کہ اگر دنیا کی طمع پیدا ہو تو قبر دیکھ کر رک جائیں اور لمبی امیدیں دل سے اتر جائیں کہ اب قبر میں اترنے میں زیادہ دیر نہیں ہے"۔ حضرت ذوالقرنین نے کہا" یہ ساگ کیوں کھاتے ہو؟ چوپایوں کو کیوں نہیں پالتے؟ کہ ان کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے اور ان کو اپنی سواری کے لئے استعمال کرتے''۔ اس نے کہا''اے ذوالقرنین ہم اپنے پیٹوں کو جانوروں کی قبریں نہیں بنانا چاہتے۔ ساگ پات سے ہمارا گزارہ ہو جاتا ہے۔ آدمی کی اتنی مختصر زندگی کے لئے یہ ادنیٰ چیزیں کافی ہیں۔ ویسے بھی اے ذوالقرنین گلے سے اترتے ہی سب چیزیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں''۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت ذوالقرنین کے پیچھے سے ایک کھوپڑی اٹھائی اور حضرت ذوالقرنین کی طرف دیکھتے ہوئے ان سے سوال کیا" آپ کو معلوم ہے یہ کھوپڑی کس کی ہے"؟ حضرت ذوالقرنین نے جواب دیا" نہیں"۔ اس نے کہا" یہ زمین کا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حاکم بنایا اور اس نے سرکشی اور ظلم کو اپنا شعار بنایا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو اس پر مسلط کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام عمل معلوم ہیں۔ قیامت کو یہ اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا"۔ پھر ایک اور کھوپڑی اٹھا کر کہا" اس کو جانتے ہو"؟ آپ نے فرمایا" نہیں" اس نے کہا" یہ بھی ایک بادشاہ تھا یہ اس کے بعد ہوا۔ اس نے لوگوں کے ساتھ تواضع، عاجزی اور عدل وانصاف کا برتاؤ کیا۔ اللہ نے اس کے عمل بھی گن رکھے ہیں۔ یہ بھی قیامت میں اپنے اعمالوں کا پورا پورا بدلا پائے گا۔ کیونکہ بے شک اللہ انتظار میں ہے"۔ پھر حضرت ذوالقرنین کے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" اے ذوالقرنین یہ کھوپڑی بھی ان دونوں کھوپڑیوں کی طرح ہو جائے گی۔ تو جو کچھ کیا کرتا ہے تحمل سے کیا کر"۔ آپ نے فرمایا" اگر تو میرے ساتھ چلے تو میں تجھے اپنا نائب سلطنت اپنا وزیر اپنا مشیر بناؤں"۔ اس نے جواب دیا" میں اور آپ ایک جگہ پر نہیں رہ سکتے"۔ آپ نے پوچھا" کیوں"؟ اس لئے" تمام آدمی آپ کے دشمن ہیں اور میرے سارے دوست ہیں"۔ آپ نے پوچھا" وہ کیسے"؟ اس نے جواب دیا" آپ کے پاس ملک ہے، دینار و درہم ہیں میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان طمع اور حرص کا بندہ ہوتا ہے اس لئے سب آپ کے دشمن اور میرے دوست ہیں۔ میرا دشمن کوئی کیوں ہوگا"؟ یہ باتیں حضرت ذوالقرنین نے سنی اور علیک سلیک کے بعد وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ہمیشہ اس کی باتوں کو یاد کرتے اور ان سے عبرت پکڑتے تھے۔

تو سورۃ شمس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰهَا (سورہ الشمس آیت نمبر 9)

ترجمہ:"مراد کو پہنچا (فلاح پائی) جس نے اپنے نفس کو سنوارا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ جس نے ایسا نہ کیا"۔

وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا (سورہ الشمس آیت نمبر 10)

ترجمہ ":اورنامرادہوا(فلاح نہ پائی)جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملایا"۔

یہ ہے وہ بیش بہا نصیحت جو قرآن پاک نے نبی کی وساطت سے انسان کو دی۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ 60,50 سال کی زندگی ہے ہی کتنی؟ ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا" قریب کیا ہے"؟ آپؓ نے جواب دیا ''قیامت'' کہا" قریب تر کیا ہے"؟ آپؓ نے جواب دیا ''موت'' پوچھا" عجیب کیا ہے"؟ آپؓ نے کہا ''دنیا'' کہا" عجیب تر کیا ہے"؟ آپؓ نے کہا ''طالب دنیا'' پوچھا" واجب کیا ہے"؟ آپؓ نے فرمایا ''توبہ'' کہا" واجب تر کیا ہے"؟ آپؓ نے فرمایا ''گناہ کے فوراً بعد توبہ'' پوچھا" مشکل کیا ہے"؟ آپؓ نے فرمایا ''قبر میں اترنا'' پوچھا" مشکل تر کیا ہے"؟ فرمایا" بغیر اعمال کے قبر میں اترنا"۔

ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان کسی مشکل سے نہیں گھبرایا کرتا۔ اس لئے اس دنیا میں عمل کرنا ہی کمال ایمان ہے۔ یاد رکھیں ایمان بغیر اعمال کے کچھ نہیں اور اعمال بغیر عقیدے کے کچھ نہیں۔ فلاح اعمال کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے لئے ایمان ضروری ہے۔ لیکن کن کے اعمال کے ساتھ؟

(سورہ المؤمنون ، آیت نمبر 1) قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ترجمہ: ''فلاح پائی مومنین نے''۔

تو فلاح پائی ایمان والے نے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر 14) قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ترجمہ:" فلاح پائی جنہوں نے باطن کو پاک کیا۔ (یعنی نفس کو سنوارا)''۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر 15) وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ترجمہ: ''اور رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی''۔

تو پوری آیت دوبارہ دیکھیں: (سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر 14,15) قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

ترجمہ: ''بامراد ہوا وہ (فلاح پائی اس نے) جنہوں نے اپنے باطن کو پاک کیا۔ اپنے رب کو یاد رکھا اور نماز پڑھتے رہے"۔

یہ آیت گھڑی دو گھڑی کی نہیں ہے بلکہ مومنین کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ کیونکہ ایمان صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو اپنی زندگی بنا لینے کا نام ہے۔

یا اِتنا گر زمین کی تہہ میں اُتر کے سو
یا اُٹھ کمند اُوجِ ثریا پہ ڈال دے
یا اِتنا کھیل موج سے طوفان خود تجھے
کر دے غریقِ آب یا باہر اُچھال دے

****

شانِ کریمی

1۔　　سورہ یونس، آیت نمبر 32-31 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: ''وہ کون ہے جو آسمان سے اور زمین سے تمہیں روزی پہنچاتا ہے؟ وہ کون ہے کہ تمہارا سننا اور دیکھنا اس کے قبضے میں ہے؟ وہ کون ہے جو نکالتا ہے زندگی کو موت سے اور نکالتا ہے موت کو زندگی سے؟ وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟'' یقیناً وہ اعتراف کریں گے کہ وہ اللہ ہے۔ اے پیغمبر (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ ہاں بے شک یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور جب یہ حق ہے تو حق کے ظہور کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ تم کہاں جا رہے ہو؟۔

2۔ سورہ النمل، آیت نمبر 60 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سیرابی سے خوش نما باغ اگائے۔ حالانکہ یہ بات تمہارے بس کی نہیں تھی کہ باغوں میں درخت لہلہاتے کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ حجت اور کج روی ہے''۔

3۔ سورہ النمل، آیت نمبر 61 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: ''اچھا بتاؤ وہ کون ہے جس نے زمین کو زندگی کا مستقر بنا دیا؟ اس میں نہریں جاری کر دیں اور پہاڑ بلند کر دیئے۔ دو دریاؤں میں دیوار حائل کر دی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود بھی ہے؟ مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے''۔

4۔ سورہ النمل، آیت نمبر 62: ترجمہ: ''اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو بے قراروں کے دلوں کی پکار کو سنتا ہے؟ جب کہ وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اسے پکارتے ہیں اور ان کا دکھ ٹال دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس زمین کا جانشین بنایا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا بھی کوئی معبود ہے؟ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پکڑتے ہو''۔

5۔ سورہ النمل، آیت نمبر 63: ترجمہ: ''اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری راہ نمائی کرتا ہے اور وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات اس شرک سے پاک اور منزہ ہے کہ یہ جو لوگ اس معبودیت میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

6۔ سورہ النمل، آیت نمبر 64: ترجمہ: ''اچھا بتاؤ وہ کون ہے؟ جو مخلوق کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اسے دہراتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زمین اور آسمان سے تمہیں رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ اے پیغمبر (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو''۔

7۔ سورہ النحل، آیت نمبر 11: ترجمہ: ''وہی تمہارے فائدے کے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اُگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بے شک ان لوگوں کے لئے تو اس میں بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے لئے تابع کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لئے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں''۔

8۔ سورہ النحل، آیت نمبر 69-66 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: ''دیکھو چوپایوں میں تمہارے لیے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی کتنی عبرت ہے۔ (ہم) ان کے جسم میں خون اور کثافت سے دودھ پیدا کرتے ہیں۔ جو پینے والوں کے لیے بہترین مشروب ہے۔ کھجور، انگور جس سے سرور (فرحت بخش) اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ بلاشبہ اس بات میں باشعور لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پہاڑوں میں درختوں میں اور ان کی ٹہنیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں کہ اپنے لیے گھر بنائیں، پھر ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسیں پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقے سے کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہوں۔ اس کے جسم سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے۔ جس میں انسان کے لیے شفا ہے۔ بلاشبہ اس میں تم لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (ان لوگوں کے لیے) جو غور و فکر کرتے ہیں''۔

9۔ سورہ واقعہ، آیت نمبر 73-63 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو تم کاشت کاری کرتے ہو۔ اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کے لیے رہ جاؤ کہ ہمیں تو اس نقصان کا (صرف) تاوان ہی نہیں دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ بات بھی تمہارے سامنے ہے کہ جو پانی تم پیتے ہو اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا کر دیں، کیا اس نعمت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ یہ بات بھی تمہارے سامنے ہے کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔ اس کے لیے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم کر رہے

ہیں۔اور اسے (آگ کو) مسافر کے لیے فائدہ بخش بنادیا''۔

10۔سورہ النجم، آیت نمبر 23-19: ترجمہ: ''پس کیا دیکھا تم نے لات کو، عزیٰ کو اور منات کو (یہ تینوں بت ہیں) کیا تمہارے لیے نر ہے اور اس کے لیے مادہ (اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور فرشتوں کو بیٹیاں کہتے ہو اللہ کی) یہ کیسی بانٹ ہے۔ یہ سارے نام تم نے اور تمہارے آبا واجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اور اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری مگر یہ اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں''۔

11۔سورہ واقعہ، آیت نمبر 61-58: ترجمہ: ''کیا تم نے اس بات پر غور کیا (بھلا دیکھا تم نے) جو پانی تم ٹپکاتے ہو، کبھی خیال کیا کہ اس کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ اور ہم نے تمہارے لیے موت کو مقرر کر دیا ہے۔ اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جائیں اور تمہاری جگہ کوئی اور مخلوق جو تم ہی جیسی ہو بسا دیں''۔

12۔سورہ طلاق، آیت نمبر 12: ترجمہ: ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں اور سب کا انتظام باقاعدہ ہوتا رہتا ہے یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں ہر چیز ہے''۔

13۔سورہ النباء، آیت نمبر 16-6 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور تم کو ہم نے جوڑا جوڑا بنایا اور کیا ہم نے تمہاری نیند کو تمہاری تھکاوٹ دفع کرنے کا طریقہ نہیں بنایا اور بنایا ہم نے رات کو اوڑھنا (آرام کرنا) اور دن کو کمائی کا وقت اور تمہارے اوپر سات سخت آسمان بنائے (چھت بنائی) پھر سورج کو روشنی اور گرمی کے لیے پیدا کر دیا (اور پھر ہم نے تمہارے لیے) پانی بھرے بادلوں سے پانی کا ریلا اتارا۔ تاکہ ہم اس سے اناج اور سبزہ نکالیں اور باغ اگائیں (یہ سب کچھ تمہارے لیے کیا ہے)''

اگر ہم غور کریں تو ایک دانہ گندم سے انسانی غذا کے لیے 920 دانے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی اگر زمین میں ایک من یا سوا من بیج بویا جائے تو انسانی غذا کے لیے چالیس سے پچاس من گندم حاصل ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب کرنے والا کون ہے؟ جو ایک ماں کی طرح ہماری ہر ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ اس نے ہمارے لیے دنیا میں ہر طرح کی سہولت اور ہر طرح کا رزق فراہم کیا۔ اس نے اونٹ، گائے، بھیڑ بکری، مرغی، بٹیر کا گوشت ہم پر حلال کیا۔ ان میں سے جو ہمیں بھائے ہم اسے استعمال کریں۔ اس نے تمام جانوروں پر ہمیں قدرت دے دی کچھ کو ہم کھاتے ہیں اور کچھ پر ہم سواری کرتے ہیں۔ اس نے زمین سے طرح طرح کا رزق نکالا اور پھر طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ زمین میں جس قدر رزق اور پھل ہیں ہم ان کی گنتی نہیں کر سکتے۔

قرآن پاک کلام الٰہی ہے۔ قرآن پاک مخلوق نہیں ہے۔ قرآن پاک خالق کا کلام ہے۔ خالق کے اندر سے باطن سے نکل کر آنے والی چیز ہے۔ ہم جتنا اس پر غور کریں گے اس کے معنی اور مطالب ہم پر واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ ایک عام آدمی کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ مفسرین اور مجتہدین نے مل کر اس پر غور و خوض کر کے اس کے ترجمے اور تفاسیر لکھیں۔ لیکن کوئی مجتہد یا مفسر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے قرآن پاک کے مطالب پر مکمل آگہی نصیب ہو گئی ہے۔ یہ وہ سمندر ہے کہ اس میں غوطہ لگانے والے غوطہ لگا کر موتی نکالتے رہیں گے لیکن اس کی تہہ تک نہ تو پہنچ سکیں گے اور نہ ہی اس سمندر کے موتیوں میں کوئی کمی آئے گی۔ ہر آنے والے کو ایک حد تک پہنچتا ہے اور اس کے دوسرے کو اس سے اگلی حد تک اور تیسرے کو اس سے اگلی حد تک لوگوں کی زندگیاں ختم ہوتی رہیں گی لیکن اس کا علم ختم نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ خالق کا کلام ہے۔ ہم مخلوق ہیں مخلوق ختم ہوتی رہے گی لیکن کلام الٰہی کی تفسیر کبھی ختم نہیں ہوگی۔

ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم میں سے 99 فیصد لوگ بائی چانس مسلمان ہیں۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہمیں کلمہ کس نے پڑھایا تھا (یاد کروایا تھا) ماں نے، باپ نے دادا، دادی میں سے کسی نے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم اس مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں جس مسلمانی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان کے گھر پیدا کر دیا اور ہم مسلمان ہو گئے۔ ہم نے کلمہ کا اقرار کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہ اقرار بچپن میں ہی ہم نے کر لیا۔ یہ اقرار، اقرار بلسان ہے۔ یعنی زبان سے اقرار، جن کے ساتھ ہی نماز، روزہ، زکوٰۃ، ذکر وغیرہ ہم پر لازم ہو گیا گویا ہم اسلام لے آئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے ایک بہت بڑا اقرار کیا ہے۔ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) ''نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' اب اس اقرار کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس ہستی کو ہم نے اپنا معبود کہا ہے وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کیا کرنے کو کہتا ہے؟ کونسی چیزیں پسند فرماتا ہے؟ کن چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اور اس نے ہمارے لیے کیا احکام دیئے ہیں۔؟ کیا حلال اور کیا حرام کیا ہے؟۔

یہ تمام چیزیں کہاں سے معلوم ہوں گی؟ اس محبوب کی کتاب سے یعنی قرآن پاک سے تو کلمہ لا الہ الا اللہ کا زبانی اقرار تو کر لیا لیکن تصدیق بالقلب اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک ہم پورے قرآن پاک کو کم از کم ایک مرتبہ ترجمہ سے نہ پڑھ لیں۔ اور پوری سیرت مبارکہ کا ایک مرتبہ مطالعہ نہ کر لیں۔ اس کا مطلب کوئی یہ نہ نکال لے کہ پورے علوم کا جامع ہونا ضروری ہے۔ ہم نے لفظ استعمال کیا کہ کم از کم ایک مرتبہ مطالعہ جس سے مندرجہ بالا تمام سوالات کے آسان ترین جواب ہمارے سامنے آ جائیں۔ دین کا اتنا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ فرض عین ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ امت میں سے کچھ لوگ ادا کر لیں تو سب کی طرف ادا ہو جاتا ہے۔ علماء کا وجود فرض کفایہ ہے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اعتکاف فرض کفایہ ہے وغیرہ۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے دور میں منافقین بھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سامنے کلمہ پڑھتے تھے۔ نماز، روزہ کرتے تھے اور کہتے تھے ''اے محمد خاتم النبیین ﷺ ہم ایمان لے آئے ہیں''۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: (سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۱۴)

ترجمہ: ''اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) یہ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ان سے کہو کہ یہ ایمان نہیں لائے یہ صرف اسلام لائے ہیں۔ ایمان تو ابھی ان کے دلوں میں اترا ہی نہیں ہے''۔

گویا اسلام زبان سے اقرار اور ایمان دل سے یقین کا نام ہے۔ جو لوگ قرآن پاک کو ترجمہ سے پڑھتے ہیں ان کو جلد ہی علم ہو جاتا ہے کہ جو ہستی قرآن پاک میں یہ کہہ رہی ہے وہ کون ہے؟ جس نے ایسا اور ایسا کیا ہے۔ وہ خود ہی بتا بھی رہی ہے کہ وہ کون ہے؟۔

سورہ لقمان، آیت نمبر 10 ترجمہ: ''اور وہی تو ہے، جس نے آسمان سے پانی اتارا جس کے ذریعے ہر قسم کے اعلیٰ جوڑے پیدا کئے''۔

سورہ الاعراف، آیت نمبر 189 ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے تخلیق کیا تمہیں نفس واحد سے پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا''۔

سورہ یٰسین، آیت نمبر 36 ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے تخلیق کیا جوڑوں کی صورت میں۔ ان چیزوں میں جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں میں اور ان چیزوں میں جن کا وہ علم نہیں رکھتے''۔

سورہ روم، آیت نمبر 21 ترجمہ: '' اور ان نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہارے ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو تفکر کرتے ہیں''۔

سورہ انعام آیت نمبر 2 ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (پھر مرنے کا) ایک وقت مقرر کیا اور ہر کسی کی موت اس کے ہاں مقرر ہے۔ پھر بھی تم شک کرتے ہو''۔

سورہ کہف، آیت نمبر 49 ترجمہ: ''کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی بات ایسی نہیں ہے قرآن نے جس کی وضاحت نہ کی ہو''

اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ آیت نمبر 1 میں فرمایا: ترجمہ: ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالمین کا رب ہے''۔

سورہ انبیاء، آیت نمبر 107 میں فرمایا: ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا''۔

تو اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق کے رب العالمین ہے۔ یعنی ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں اور ہیں ان میں بسنے والی مخلوق جن، انس، حیوانات، نباتات، جمادیات کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے رزق اتارتا ہے۔ یہاں پر رزق سے مراد خالی روٹی ہی نہیں ہے بلکہ رزق سے مراد، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تقاضوں کے مطابق وسائل کا اتارنا ہے۔ یعنی ہر مخلوق کی مختلف طبیعتوں اور ضرورت کے مطابق وسائل کا پیدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ بحیثیت ذات ان تمام اوصاف سے ماورا ہے۔ جو مخلوق میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ یکتا ہے جبکہ مخلوق بے مثال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کی احتیاج نہیں (ضرورت نہیں، محتاج نہیں) جبکہ مخلوق محتاج ہے، اللہ تعالیٰ کسی کا باپ نہیں، کسی کی اولاد نہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی خاندان نہیں۔ اس نے پوری کی پوری تعریف خود سورہ اخلاص میں بیان کر دی ہے۔ وہ سب کچھ ہے۔ اس نے سب کچھ کیا ہے اور وہی سب کچھ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور اپنی مشیت کے تحت اپنے وسائل سے مخلوق کو فائدہ، پہنچانے کے لیے اپنے خاص محبوب بندے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو تخلیق فرمایا۔ اور سب سے پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ کے نور کی تخلیق فرمائی۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اول ما خلق اللہ نوری''۔ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کی تخلیق کی''۔ (مدارج النبوت، جلد 2، صفحہ 2)

ایسی تخلیق جو مخلوق کی ضروریات کا ادراک رکھتی ہے تاکہ وسائل کی تقسیم میں مخلوق محروم نہ رہ جائے۔ اور ذات اقدس اور اللہ تعالیٰ کا نور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ ہیں۔

سورہ الجمعہ آیت نمبر 2 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ؛ ''وہی تو ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان میں ہی سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات کھول کھول کر بتاتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کا علم سکھاتا ہے۔ ورنہ اس سے قبل تو یہ کھلی گمراہی میں تھے۔''۔

سورہ المائدہ، آیت نمبر 15 میں اللہ فرماتا ہے:　　　ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب تمہاری طرف آچکی ہے''

سورہ العنکبوت، آیت نمبر 69 میں فرمان الٰہی ہے:　　　ترجمہ: ''جو کوئی بھی اس کی راہ میں کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کو سیدھا راستہ دکھادے گا''۔

انسان کی سوچ میں مثبت اور منفی دونوں شانیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک حکایت ہے

''ایک مسافر چاندنی رات میں محوسفر تھا، چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ مسافر نے چاند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اے چاند تم کتنے عظیم ہو اور کتنے مہربان، تمہاری روشنی سے رات کی تاریکیاں اجالوں میں بدل گئیں۔ تمہارا وجود انسان پر ایک عظیم احسان ہے۔ تمہاری روشنی سے میرا یہ سفر کتنا آسان اور دلفریب ہو گیا ہے''۔ چاند کی تعریف کرتے ہوئے مسافر راستہ قطع کرتا رہا اور چاند کی تعریف کرتا رہا۔ اسی وقت شہر کے کسی گھر میں ایک چور، چوری کی غرض سے داخل ہوا۔ چاند کی روشنی میں اسے اپنے پکڑے جانے کا خوف لاحق ہوا۔ تو وہ اسی گھر کے کونے میں دبک گیا اور لگا چاند کو کوسنے۔ اس نے کہا ''اے چاند تیرا وجود میرے لیے بدبختی کی علامت ہے۔ تو نے میری آزادی اور میرے رزق میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔ کاش کوئی سیاہ بادل تجھے ڈھانپ لے۔ مجھے تیرا چہرہ کبھی بھی دلکش محسوس نہ ہوا۔ میرا بس چلے تو کبھی تیری صورت نہ دیکھوں۔ اگر تیرا یہ منحوس چہرہ نہ ہوتا تو سیاہ راتوں میں میرا کام کتنا آسان ہو جاتا''۔

قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ رزق حلال انسان کو سکون اور راحت پہنچاتا ہے۔ جبکہ رزق حرام انسان کے سکون اور راحت کے لیے ایک بہت بڑی دیوار ہے۔ جو انسان کو سکون کے اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔ رزق حرام سے بھی آٹا خرید کر روٹی پکائی جاتی ہے۔ پیٹ بھرتا ہے یعنی بھوک کا تقاضہ ایک علم ہے (کہ بھوک لگ رہی ہے) اب بھوک کس طرح رفع کی جائے یہ علم کے اندر معنی پہنانا ہے، اب اگر منفی معنی پہنا دیئے گئے باوجود اس کے کہ بھوک رفع کرنے کے لیے سارے کام کئے جارہے ہیں اور ایسی روٹی سے خون بھی بن رہا ہے۔ اس کی غذایت کی وجہ سے قدوکاٹھ بھی بڑھ رہا ہے اور عقل وشعور میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن ضمیر ملامت کر رہا ہے۔ یہ رزق کسی کا حق مار کر حاصل کیا ہے، سکون درہم برہم ہو رہا ہے''۔

جب آدمی حرام روٹی کا ٹکڑا کماتا ہے (حرام کمائی) تو اس کے اندر بےسکونی بدحالی پریشان حالی، ذہنی کشمکش کا ایک پیٹرن بن جاتا ہے اس کے برعکس اگر ہم اسی علم میں (کہ بھوک لگ رہی ہے) مثبت پہلو داخل کرتے ہیں کہ رزق حلال ہی کھانا ہے تو دماغ کے اندر وہ خلیے جو علم کے اندر مفہوم اور معنی پہناتے ہیں ہمیشہ سکون اور راحت کی اطلاع دیں گے۔ یعنی انسان اپنے ارادے اور اختیار سے علم میں معنی پہنا سکتا ہے۔ اور علم میں مثبت یا منفی معنی پہنانے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو بخش دیا ہے یہی وہ صورت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (سورہ الاحزاب، آیت نمبر 72)

ترجمہ: ''ہم نے اپنی امانت، سماوات، پہاڑ اور ارض پر پیش کی۔ سب نے انکار کر دیا اور انسان نے اسے اپنے کاندھوں پر اٹھالیا۔ بےشک یہ ظالم اور جاہل ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے علم کے اندر معنی پہنانے کا نہ صرف یہ کہ اختیار دیا بلکہ معنی پہنانے کی یہ مشین انسان کے اندر ہی فٹ کر دی اور یہ بھی بتادیا کہ علم کے اندر معنی اور مفہوم اگر مثبت ہوں گے۔ تو آدمی پرسکون زندگی گزارے گا اور اگر علم کے معنی اور مفہوم منفی ہوں گے تو آدمی ایسی زندگی گزارے گا۔ جو حیوانات، نباتات اور جمادیات سے بھی کمتر ہوگی۔ ہمیں معلوم ہے کہ سکون اور راحت آدمی کو وہاں ملتا ہے جہاں سکون کے وسائل موجود ہوں۔ راحت آدمی کو وہاں ملے گی۔ جہاں راحت کے وسائل موجود ہوں گے۔ روشنی آدمی کو وہاں ملتی ہے جہاں روشنی کا بندوبست ہو۔ خوشبو آدمی کو وہاں سے ملتی ہے جہاں خوشبو کے ذرائع ہوں۔ بدبو اور تعفن میں اگر انسان خوشبو تلاش کرتا ہے تو یہ بہت بڑی نادانی اور جہالت ہے۔

جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک ایسا پیٹرن بن جاتا ہے کہ جس کے اندر مخلوق سے احتیاج (محتاجی) ختم ہو جاتی ہے اور وہ دست بدستہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم اور تمام ضروریات کا پورا کرنے والا سمجھنے لگتا ہے۔ نتیجہ میں سکون اس کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ''مستغنی'' کہا ہے۔ اللہ کی طرف سے چار نعمتیں انسان کو عطا ہوئی ہیں: 1۔ ایمان　　2۔ درست عقیدہ　　3۔ اچھی صورت　　4۔ اچھی سیرت

پہلی تینوں نعمتوں پر انسان کا اختیار نہیں ہے۔ اچھی سیرت انسان کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو ایمان درست عقیدہ اور اچھی صورت عطا کی ہے تو اب انسان کو بھی چاہیے کہ وہ چوتھی نعمت کو حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو حسن سیرت مطلوب ہے۔ ''مرض دل'' کی دوا کتاب اللہ، قرآن پاک، میں تفکر اور تدبر ہے۔ ہمیں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو فرمایا تھا ''اے فرزند مریم ؑ پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو اگر اس نے نصیحت قبول کر لی ہے تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ شرمسار ہو جاؤ گے''۔

اگر ہماری نظر ٹھیک ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ نظر کے معنی ہیں کہ جس شے پر بھی نظر ڈالو اس شے کے اندر ''اللہ'' ہی نظر آئے۔ موجودات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جو شخص اس درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ ہدایت کی ابتداء سے ہدایت کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری، تحسین، آفرین اور ثواب کی نیت سے نہیں کرتے ان کی نظر میں صرف اور صرف اللہ اور اللہ کی رضا ہی رہتی ہے۔ بارگاہ ایزدی تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔

قوموں کے عروج وزوال اور عذاب وثواب میں یہ قانون کارفرما ہے کہ قومیں جب تک رب چاہی زندگی کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ اپنے اور دوسروں کے حقوق کی پاس داری کرتی ہیں۔ قدرت ان کی مدد کرتی رہتی ہے۔ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی پاسداری نہیں کرتی تو گویا وہ قانون الٰہی سے انحراف کرتی ہے۔ قدرت سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اتنا مغرور، خود پسند، خودسر ہو گیا ہے کہ وہ قدرت کا تعاون ہی نہیں چاہتا۔ آج کل یہی صورت حال ہے۔ خود غرضی عام ہوگئی ہے۔ واعظوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو کاروبار بنا لیا ہے (ہمارے ملک میں یہ کاروبار ربیع الاول میں خوب چمکتا ہے) ہر آدمی صالح بن گیا ہے، کسی کو نہ تو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے اور نہ ہی اپنی اصلاح کی فکر ہے، ہر آدمی چاہتا ہے کہ دوسروں کی اصلاح ہو جائے۔ کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنے سے ہمارا معاشرہ خطرناک بن گیا ہے۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ کوئی جادو کے نام پر لوٹ رہا ہے اور کوئی جادو کے نام پر لٹ رہا ہے۔ زندگی ٹوٹ رہی ہے۔ انسانیت کراہ رہی ہے۔ غریب پس رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں نہ کہیں اتفاق ہے نہ کہیں حادثہ اور نہ کہیں مجبوری ہے۔ جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جائے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو خود بخود آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کائنات کا حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔

ایک بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہر شے چاہے وہ ریت کا ذرہ ہی کیوں نہ ہو، شعور رکھتی ہے۔ جب کوئی قوم قانون الٰہی سے انحراف کرتی ہے تو دراصل وہ قدرت کے کاموں میں دخل اندازی کرتی ہے۔ قدرت اس کو اپنے سسٹم سے باہر پھینک دیتی ہے۔ انبیاء کی تعلیم سے اختلاف، تفرقے بازی، دہشت گردی، رب چاہی زندگی سے انحراف، یہ سب قدرت سے انحراف ہیں۔ جب قدرت ناراض ہو جاتی ہے تو اس کا نظام (قوم کو چلانے کا منظم سسٹم) ٹوٹ جاتا ہے۔ اس نظام کو توڑنے کے لیے قدرت کیا طریقہ اختیار کرتی ہے یہ اس کا اپنا انتخاب ہے۔ آندھی کے ذریعے، پانی کے طوفان کے ذریعے، زلزلے کے ذریعے یا پھر چنگھاڑ کے ذریعے۔

مکروفریب، ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنا بھی ایک کوشش ہے۔ جس میں ذاتی غرض اٹھانوے فی صد اور عوام الناس کا فائدہ 2 فیصد یا کبھی صفر فیصد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مذہب کی پیروی میں مذہب ان قدروں کو اجاگر کرتا ہے جو قدریں انبیاء سے نوع انسانی کو ورثے میں ملی ہیں۔ اصل راہنمائی انبیاء کی راہنمائی ہے اور وہ یہ کہ رب چاہی زندگی گزارنے والوں میں 2 فیصد (دو فی صد) ذاتی غرض اور اٹھانوے فی صد خلوص وایثار ہوتا ہے۔ جب ہم پیغمبرانہ طرز فکر کو قبول کر کے آگے بڑھیں گے تو انشاء اللہ راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش برسنے لگے گی اور ہم اس بارش میں شاداں اور فرحاں آگے بڑھتے چلے جائیں گے، ہمیں راستے ملتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہم صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پوری بنی نوع انسان کے لیے بہتر سوچ رکھیں۔ نوجوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ مخلوق میں اخلاق اور ایثار کے جذبے کو فروغ دیں اور پیغمبرانہ تعلیمات پر عمل کریں اور کروائیں۔

پیغمبرانہ تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ایک کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کنبہ کے تمام افراد مل جل کر خوشی خوشی رہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اس صورت میں حاصل کر سکتے ہیں جب ہم ایک روحانی انسان بن جائیں۔ روحانی وہ ہوتا ہے جو پیغمبرانہ طرز فکر رکھے۔ اور یہ طرز فکر ہی ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کتنا ہی بااختیار اور صاحب علم کیوں نہ ہو جائے۔ وہ مشیت کا پابند ہے زاویہ نظر میں اگر پیغمبرانہ طرز فکر ہے تو آدمی صراط مستقیم پر قائم رہتا ہے اور اگر انسان کے اندر شیطانی طرز فکر ہے تو وہ وسوسوں میں گھیرا رہتا ہے اور انسان جس قدر شک اور وسوسوں میں گرفتار رہتا ہے۔ اتنا ہی صراط مستقیم سے دور ہوتا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ فاتحہ میں جو سب سے بڑی دعا انسان کے لیے تجویز کی ہے اور بتائی ہے وہ صراط مستقیم کا حصول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس صراط مستقیم پر گامزن کرے۔ (آمین)

تقویٰ

قرآن پاک سورہ الحجرات، آیت نمبر 13 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ

ترجمہ: "اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تُم میں زیادہ متقی ہو "۔

رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مکمل تقویٰ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے ’’بے شک اللہ تعالیٰ تُم کو عدل وانصاف اور قرابت داروں کو مال دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور تمہیں بدکاری، بے حیائی اور نافرمانی سے منع کرتا ہے۔ وہ نصیحت کرتا ہے تا کہ تُم نصیحت قبول کرو"۔ (سورہ النحل، آیت نمبر 90)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں ایک خاص بات نافرمانی سے منع کرنا ہے، اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ یعنی رب کی ذات ہمیں اپنا فرمانبردار دیکھنا چاہتی ہے دوسرے لفظوں میں یا آسان لفظوں میں ہم تقویٰ کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں کہ:

رب چاہی زندگی گزارنے کا دوسرا نام تقویٰ ہے یا احکاماتِ الٰہی کو بجالانے کا نام تقویٰ ہے۔ یعنی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی مکمل پیروی کا نام تقویٰ ہے کیونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے تمام احکامات پر عمل کر کے دکھایا، ہم نے حقوق اللہ کو تقویٰ سمجھ لیا اور باقی احکاماتِ الٰہی کو نظر انداز کر دیا، جھوٹ، غیبت، رشوت، سود، کینہ، بغض، تکبر کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ یاد رہے کہ نری عبادت کرنے والا یعنی عابد، یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قرآن پاک پڑھنے والا اگر دوسرے احکامات کو نہیں بجالاتا۔ یعنی جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، بڑوں کا ادب نہیں کرتا یا گالی دیتا ہے یا ماں باپ کا ادب نہیں کرتا، ایک ہزار احکامات ہیں عبادت کے علاوہ معاملات اور حقوق العباد کے وہ ضعیف الایمان کہلاتا ہے۔ دوسری طرف ایسا شخص جو عبادت نہیں کرتا لیکن باقی احکامات بجالاتا ہے۔ ماں باپ کا ادب کرتا ہے، حلال وحرام کا خیال کرتا ہے، جائز و ناجائز کو مدِ نظر رکھتا ہے۔ ایسا شخص ناقص الایمان کہلائے گا۔ کامل ایمان والا وہ شخص ہوگا جو عبادات اور (معاملات میں) یعنی پورے احکاماتِ الٰہی کو بجالائے کوئی حکم اس سے نہ چھوٹے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے والا متقی ہے اور کامل ایمان والا ہے۔

آج کل لوگ عبادات میں پورے ہیں لیکن بڑے بڑے عابد جھوٹ بولتے ہیں، عبادات میں پورے ہیں لیکن غیبت کرتے ہیں۔ عبادات میں پورے ہیں لیکن زبردست منافق ہیں۔ یاد رکھیے حکم تو حکم ہے جس طرح نماز قائم کرو حکمِ الٰہی ہے اسی طرح جھوٹ نہ بولو غیبت نہ کرو، سود نہ کھاؤ، یہ تمام بھی تو حکمِ الٰہی ہیں۔ ہمیں تو قرآن پاک یہ تعلیم دیتا ہے کہ "اے مومنو! دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 208)

اور ہم عبادت کر کے اپنے آپ کو دین میں شامل سمجھ لیتے ہیں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ ہم نے اس کتاب کو جس میں یہ تمام احکامات ہیں ترجمہ سے پڑھا ہی نہیں، اگر ہم اس کتاب کو (یعنی قرآن پاک کو) ترجمہ کے ساتھ پڑھ لیتے تو تمام احکامات کی بجا آوری کے حکم سے بھی پوری طرح آگاہ ہو جاتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "دن میں روزہ رکھنا، رات بھر عبادت کرنا اور نمازیں پڑھنا اور ان کے درمیان گڑبڑ کرنا تقویٰ نہیں ہے"۔

تقویٰ تو یہ ہے کہ جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، اس سے بچے اور جس کو اللہ نے فرض کیا ہے اس پر عمل کرے اور تکبر کے نزدیک نہ جائے۔

محمد بن حنیفؒ نے فرمایا کہ " ہر وہ چیز جو تجھے اللہ تعالیٰ سے دُور کر دے اس سے کنارہ کش ہونے کا نام تقویٰ ہے"۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ "بندہ اس وقت تک متقیوں میں سے نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے دُشمن اس سے اس طرح امن وامان نہ پائیں جیسے اس کے دوست" حضرت سہیلؒ فرماتے ہیں کہ ’’متقی وہ ہے جو اپنے وجود کی طاقت اور قوت سے بے پرواہ ہو"۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ "ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کر دیجیے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ یہ ہر چیز کی بنیاد ہے"۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 8982)

حضرت اُنسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ کسی نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا؟" آلِ رسول خاتم النبیین ﷺ کون لوگ ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"متقی"(الفردوس 1، ص 418/1691)

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ "زندگی اس کی ہے جو ایسے مردانِ خُدا کے ساتھ ہو جن کے دل تقویٰ کے آرزومند ہوں اور وہ اللہ کے ذکر سے خوشحال ہوں"۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ " میں ایک رات سرائے (مسافر خانہ) بیت المقدس کے نیچے ٹھہر گیا، کچھ رات گئے دو فرشتے اُترے ایک نے

دوسرے سے کہا کہ "یہاں کون ہے"؟ دوسرے نے کہا" ابراہیم بن ادھم ؒ"۔ پہلے نے دوسرے سے کہا" یہ وہی ہیں نا جن کے مراتب میں سے ایک درجہ اللہ نے کم کر دیا ہے"۔ دوسرے نے پوچھا" اس کی کیا وجہ ہوئی"؟ پہلے نے جواب دیا" ابراہیم بن ادھمؒ نے بصرہ میں کچھ چھوارے خریدے تھے، میوہ فروش کے چھوواروں میں سے ایک چھوارا تول کے علاوہ ان کے چھواروں میں گر گیا تھا۔ وہ اُنہوں نے کھالیا"۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا بیان ہے کہ یہ سُنتے ہی میں بصرہ واپس آیا اور جس دوکان سے چھوارے خریدے تھے ایک چھوارہ دکان دار کے چھواروں میں ڈال دیا اور واپس بیت المقدس لوٹ آیا۔ اور صحرا کے نیچے آ کر سو گیا۔ کچھ رات گئے وہی فرشتے آئے ایک نے دوسرے سے پوچھا" یہاں کون ہے"؟ دوسرے نے جواب دیا" ابراہیم بن ادھمؒ ہیں"۔ پہلے نے کہا" یہ وہی شخص ہیں کہ جس نے چیز کو اس کی جگہ واپس کر دیا اور اس کا جو درجہ اللہ تعالیٰ نے کم کر دیا تھا وہ پھر بلند کر دیا گیا"۔

تقویٰ کی اقسام: تقویٰ کی دو اقسام ہیں:

1۔ فرض 2۔ جوڈر اور خوف سے ہو

فرض تقویٰ گناہوں سے بچنا ہے اور ڈر اور خوف کا تقویٰ حرام کے علاوہ شبہات سے بچنا ہے۔ اس مناسبت سے آگے چل کر تقویٰ کی چار قسمیں ہو جاتی ہیں۔

1۔ عوام کا تقویٰ 2۔ خواص کا تقویٰ 3۔ اولیاء اللہ کا تقویٰ 4۔ انبیاء کا تقویٰ

1۔ **عوام کا تقویٰ:**۔ (1) ترکِ شرک (2) ترکِ معاصی

2۔ **خواص کا تقویٰ:**۔ ترکِ معاصی کے بعد خواہش نفس کو ترک کر دینا اور نفس کی مخالفت کرنا۔

3۔ **اولیاء اللہ کا تقویٰ:**۔ ہر چیز میں اپنے ارادے کا ترک کر دینا، نفل عبادات کا خالص اللہ کے لیے بجالانا، اسباب سے دلچسپی کو ختم کر دینا۔ ماسوائے اللہ سے کنارہ کش ہونا، مال و مقام کی پابندی کو ترک کر کے تکمیل فرائض کے ساتھ تمام باتوں پر اللہ کے احکامات کی پابندی کرنا۔

4۔ **انبیاء علیہ السلام کا تقویٰ:**۔ وحی پر ہر دم نظر رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کو بجالانا،

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا" ہر چیز کی ایک خاص حد معین ہے اور اسلام کی حدود یہ ہیں، پرہیز گاری، عاجزی، انکساری، تواضع، خوش خلقی، صبرو شکر، قناعت و سخاوت اور یہی تقویٰ ہے"۔

ظاہر کا تقویٰ یہ ہے کہ تیرا ارادہ اور ہر حرکت اللہ کے لیے ہو اور باطن کا تقویٰ یہ ہے کہ تیرے دل میں اللہ کے سوا کسی کا دخل نہ ہو۔ کہا گیا کہ جس کی نظر تقویٰ میں باریک بین ہے، قیامت میں اس کا مرتبہ اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ ایک یہ قول ہے کہ گفتگو کا تقویٰ سونے چاندی کے تقویٰ سے زیادہ سخت ہے اور سرداری کا تقویٰ سونے چاندی سے زیادہ سخت ہے،" زبان کی دھار تیز رکھیں تو کہیں سکونِ قلب نہیں ملے گا، تقویٰ تو بہت بڑی چیز ہے"۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ" تقویٰ سے زیادہ آسان چیز میں نے نہیں دیکھی جو چیز دِل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو"۔

بشر بن حافیؒ کی بہنیں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "اے امام ہم چھت پر بیٹھ کر سوت کاتتی ہیں جب شاہی مشعلیں گزرتی ہیں تو ان کی روشنی ہم پر پڑتی ہے، کیا اس روشنی میں ہمیں سوت کاتنا جائز ہے"؟ حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ نے یہ سُن کر کہا" اللہ تمہیں معاف کرے تم کون ہو"؟ اُنہوں نے کہا" ہم بشر بن حافیؒ کی بہنیں ہیں"۔ یہ سُن کر امام احمد بن حنبلؒ رونے لگے اور فرمایا" تمہارے گھر سے تو پرہیز گاری اور تقویٰ کا دریا بہتا ہے، تم مشعلوں کی روشنی میں سوت نہیں کات سکتیں"۔ کیونکہ گناہ وہ ہے جس پر دل کھٹکے۔ جس شخص کا تقوی کا معیار جتنا زیادہ ہوگا اُتنا ہی اُس کا دل چھوٹی چھوٹی سی معصیت پر (گناہ پر) کھٹکے گا۔

حضرت علی عطارؒ نے فرمایا کہ بصرے کے ایک کوچے سے گزر رہا تھا، چند ضعیف لوگ بیٹھے تھے اور بچے کھیل رہے تھے، مَیں نے ان بچوں سے کہا" تم کو ان بزرگوں کے سامنے کھیلتے ہوئے شرم نہیں آتی"؟ یہ سُن کر ایک بچہ بولا!" ان بزرگوں میں تقویٰ کم ہو گیا ہے اس لیے ان کی ہیبت ہمارے قلوب سے جاتی رہی ہے"۔

کلمہ تقویٰ لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْ لُ اللہ ہے یہ نور ہے چمکانے والا۔ **تقویٰ ظاہر** یہ ہے کہ بُرا عمل نہ کرے ہر عمل جواز کی حد میں کرے، **تقویٰ باطن** تک اس وقت تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک کوئی اعلیٰ درجے کا متقی نہ ہو۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے" تقویٰ قلب کے اندر ہوتا ہے"۔ (مسند احمد) جب قلب کے اندر آئے گا تو پھر عمل کے اندر آ جائے گا۔ جب قلب ہی میں نہیں ہوگا تو عمل میں کیسے آئے گا؟۔ جب عمل ہی نہ کیا تو پھر متقی کیسا؟ تو بہر حال باطنی تقویٰ یہ ہے کہ خیالات پر بھی کنٹرول ہو کہ خیالات بھی ایسے نہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض

ہو۔لوگ بظاہر عبادت کو تقویٰ سمجھ لیتے ہیں اور اندر غرور سے بھرے ہوتے ہیں۔ حالانکہ غرور تو شیطان کی صفت ہے رحمان تو عاجزی کو پسند کرتا ہے۔ اگر تن اُجلے اور من کالے ہوں تو بات نہیں بنتی ، ہم بظاہر لوگوں کو اپنا ظاہر دکھا کر اگر متاثر کر بھی لیں گے تو باطن کی کالک مالک کو تو نظر آ رہی ہوتی ہے۔اس لیے خیالات بھی ایسے نہیں ہونے چاہیں کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ جیسے ہمارے ہاتھ پیروں کو دیکھتے ہیں ایسے ہی ہمارے دِلوں کو بھی دیکھتے ہیں۔

تقویٰ کی ابتدائی شرائط: 1۔ کلمہ تقویٰ لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ہے۔ 2۔ اس کے بعد غیب پر ایمان لانا ہے۔

3۔ نماز قائم کرنا ہے۔ 4۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ 5۔ قیامت کو برحق سمجھنا

تقویٰ کے تکمیل کی شرائط: انسان جب تک مندرجہ ذیل دس باتوں کو حاصل نہ کرے، مکمل تقویٰ حاصل نہیں کر سکتا۔

1۔ غیبت اور جھوٹ سے زبان کو روکنا۔ 2۔ بدگمانی سے بچنا اور پرہیز کرنا۔ 3۔ مزاح (ٹھٹھہ بازی) سے اجتناب کرنا۔

4۔ زبان کی حفاظت اور زبان کی سچائی اختیار کرنا۔ 5۔ نامحرم سے آنکھیں بند رکھنا۔ 6۔ اللہ کے احسان کو ماننا اور شکرگزار رہنا۔

7۔ راہِ حق میں مال کو خرچ کرنا۔ 8۔ دنیا میں جاہ و مرتبہ کا طالب نہ ہونا، ظاہر و باطن کا ایک جیسا ہونا۔

9۔ اپنی فرض عبادت کی حفاظت کرنا۔ 10۔ صحابہ کرامؓ کے طریقے پر چلنا۔

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ:-

(1) عوام کا تقویٰ ، ترکِ دنیا ہے۔ (2) خواص کا تقویٰ ، ترک جنت ہے۔ اور

(3) خواص الخواص کا تقویٰ، اللہ کے سوا ہر چیز کا ترک کر دینا ہے۔

تقویٰ ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔اور وہ کسی بھی مسلمان کو جہنم سے نجات دلانے کے لیے بفضلِ الٰہی کافی ہے۔قرآن مجید میں تقویٰ پر قائم رہنے والوں کے لیے رب کریم نے اپنی رضا کا اظہار مندرجہ ذیل سورتوں میں فرمایا ہے

"اللہ بلاشبہ تقویٰ والوں کا دوست ہے" (سورۃ توبہ، آیت نمبر 7)

"اور اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا دوست ہے" (سورۃ جاثیہ، آیت نمبر 19)

"تو اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے" (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 76)

ان کے علاوہ متقیوں کے انعامات کا جابجا قرآن پاک میں ذکر ہے مثلاً

"بلاشبہ تقویٰ والے باغوں اور نہروں میں ہوں گے" (سورۃ قمر، آیت نمبر 54)

"بے شک تقویٰ والے سایوں اور چشموں میں ہوں گے" (سورۃ الحجر، آیت نمبر 45)

"بے شک تقویٰ والے باغوں میں نعمت میں ہوں گے" (سورۃ طور، آیت نمبر 17)

جن اعمال پر تقویٰ کی بنیاد رکھی گئی ہے قرآن پاک اس کو بار بار بیان کرتا ہے اور مومن کو ترغیب اور احکامات کا حکم دیتا ہے۔

"انصاف کرنا تقویٰ سے قریب تر ہے" (سورۃ مائدہ، آیت نمبر 8)

"معاف کر دینا تقویٰ سے قریب تر ہے" (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 237)

"بے شک جو لوگ رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے سامنے نیچی آواز میں بولتے ہیں وہی ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے تقویٰ رکھ دیا ہے ان کو معافی ہے اور بڑا بدلہ ہے"۔ (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 3)

"اور جو اللہ کے شعائر (ارکانِ حج) کی عزت کرتے ہیں تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے" (سورۃ الحج، آیت نمبر 32)

"تقویٰ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح کراؤ" (سورۃ النور، آیت نمبر 224)

"اور اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے" (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 186)

"اور سفر میں زادِ راہ لیکر چلو، سب سے بڑا زادِ راہ تقویٰ ہے" (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 197)

"اور اچھے کام کرو اور تقویٰ اختیار کرو اللہ تمہارے کاموں سے خبر دار ہے" (سورۃ النساء، آیت نمبر 128)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں آئے اللہ نے ان کی سوجھ اور بڑھائی اور ان کو تقویٰ عنایت کیا" (سورۃ محمد، آیت نمبر 18)

"اللہ کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے" (سورۃ الحج، آیت نمبر 37)

احادیث: سیدنا انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ رسول خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اسلام (اعضاء سے متعلقہ) علانیہ چیز ہے اور ایمان دل سے متعلقہ مخفی چیز ہے''۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کیا اور پھر فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہوتا ہے''۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 59)

تقویٰ کی اصل خوف ہے- وہ خوف جو اللہ کی جلالی ذات، اس کی عظیم قدرت اور اس کے عذاب کی معرفت سے دل میں پیدا ہوتا ہے- اور معرفت کا محل دل ہے- اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے''۔

سیدہ دُرّہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پاس پہنچا، جب کہ آپ خاتم النبیین ﷺ منبر پر تھے اور اس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! کون سے لوگ بہتر ہیں''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے، سب سے زیادہ تقوی والے، سب سے زیادہ نیکی کا حکم دینے والے، سب سے زیادہ برائی سے منع کرنے والے اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں''- (مسند احمد، حدیث نمبر 9057)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کو لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے''- اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا''- (صحیح مسلم، حدیث نمبر 6542)

علامہ ابی مالکی ؒ کہتے ہیں علامہ نووی ؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ''اعمال ظاہرہ سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ دل میں اللہ عزوجل کی عظمت اور اس کے سمیع اور بصیر ہونے پر ایمان کی جو کیفیت ہے اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے''-

حضرت کمیل ؓ ایک مرتبہ حضرت علی ؓ کے ساتھ قبرستان سے گزر رہے تھے تو حضرت علی ؓ نے فرمایا "اے بوسیدگی والو! اے وحشت والو! اے تنہائی والو! تمہاری کیا خبر ہے؟ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے اموال تقسیم ہو گئے اور اولادیں یتیم ہو گئیں، عورتوں نے دوسری شادیاں کر لیں"۔ پھر خود ہی بولے "اے کمیل ؓ اگر یہ بولنے پر قادر ہوتے تو کہتے "تقویٰ بہترین توشہ آخرت ہے۔ اے کمیل ؓ قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن ہماری آنکھیں بھی کیا آنکھیں ہیں کہ جب تک بند نہیں ہوتیں کھلتی ہی نہیں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ والی زندگی گزارنے اور بہترین توشہ آخرت تیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں- (آمین)

****

صلہ رحمی

صلہ رحمی کا مطلب تعلقات کو جوڑنا، رشتہ داروں کو دینا اور قرابت داروں سے حسن سلوک کرنا ہے۔ قرآن پاک میں بہت سی جگہ اہل قرابت کی خیر خواہی کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

1- ترجمہ: ''والدین، اہل قرابت، یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرو''۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 83)

2- ترجمہ: ''کہہ دے کہ خرچ کرو والدین پر اہل قرابت پر''۔ (قریب والے، رشتہ دار اور پڑوسی) (سورہ بقرہ، آیت نمبر 215)

3- ترجمہ: ''اور والدین اور اہل قرابت سے اچھا سلوک کرو''۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 36)

4- ترجمہ: ''اور جو لوگ جوڑتے ہیں اسے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جوڑا جائے''۔ (سورہ رعد، آیت نمبر 21)

5- ترجمہ: ''یعنی رشتہ داروں کا جو حق (نیکی اور صلہ رحمی کا) ہے وہ ادا کرتے رہو''۔ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 26)

6- ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس سے اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو''۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 1)

7- ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان امور کی) نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔ (سورۃ نحل، آیت نمبر 90)

یہ چند آیات بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے: ترجمہ: ''اہل قرابت پر صدقہ کرنا دگنا ثواب رکھتا ہے''۔ (کنز)

حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں ''قسم ہے اس ذات کی جس نے سمندر کو حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے لیے دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ تورات میں لکھا ہے ''اللہ سے ڈرتا رہ اور صلہ رحمی کرتا رہ میں تیری عمر بڑھا دوں گا اور سہولت کی چیزوں میں تیرے لیے سہولت پیدا کر دوں گا اور (تیری تمام) مشکلات دور کر دوں گا''۔

حضرت محمد باقرؒ نے اپنے والد امام زین العابدینؒ سے روایت کیا ہے "مجھے میرے والد نے وصیت فرمائی تھی کہ پانچ قسم کے لوگوں کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ نہ ان سے بات کرنا، حتیٰ کہ راستے میں چلتے ہوئے بھی ان کے ساتھ نہ چلنا۔ اول ''فاسق'' شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلے میں تجھ کو بیچ دے گا بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی۔ میں نے پوچھا "ایک لقمہ سے کم میں کس طرح بیچے گا"؟ وہ فرمانے لگے "محض لقمہ کی امید پر تجھ کو بیچ دے گا اور وہ لقمہ اس کو میسر بھی نہ ہو گا"۔ دوسرا ''بخیل'' کہ تیری ضرورت کے وقت تجھ سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ تیسرا ''جھوٹا'' کہ وہ تجھے دھوکے میں رکھے گا جو چیز دور ہو گی۔ اس کو قریب بتائے گا اور جو قریب ہو گی اس کو دور ظاہر کرے گا۔ چوتھا ''بیوقوف'' کہ یہ تجھے نفع پہنچانے کی کوشش کرے گا تب بھی اپنی حماقت کی وجہ سے تجھے نقصان ہی پہنچائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ''دانا دشمن بیوقوف دوست سے بہتر ہوتا ہے''۔ پانچواں ''قطع رحمی'' کرنے والے کے پاس نہ جانا کہ میں نے قرآن پاک میں متعدد جگہ ان کے لیئے لعنت پائی ہے:

1- ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدے کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم فرمایا ہے ان کو توڑتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے اُس جہاں میں خرابی''۔ (سورۃ رعد، آیت نمبر 25)

2۔ ترجمہ: ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ (کوئی مرتبہ مل جائے) تو ملک میں خرابی ڈالو اور اپنی قرابتیں قطع کر دو رشتہ داریاں کاٹ ڈالو، ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ پس بہرا کر دیا اور اندھی کر دیں آنکھیں ان کی۔ کیا (یہ لوگ) قرآن میں دھیان نہیں کرتے (غور نہیں کرتے) یا دلوں پر ان لوگوں کے قفل پڑ گیا ہے''۔ (سورہ محمد آیت نمبر 24-22)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت و فراخی اور اس کی اجل میں تاخیر کی جائے (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو اس کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کرے"۔ (مشکوۃ)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا"۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا مرتکب زیادہ لائق ہے کہ اس کو اللہ کی جانب سے دنیا میں بھی جلد سزا دی جائے اور آخرت کے لیے بھی اسے باقی رکھا جائے"۔ (جامع ترمذی)

ایک حدیث میں ہے "صدقہ کرنا، بھلائی کا اختیار کرنا، والدین کے ساتھ احسان کرنا اور صلہ رحمی کرنا، آدمی کو بدبختی سے نیک بختی کی طرف پھیر دیتا ہے۔ عمر میں زیادتی کا سبب ہے اور بری موت سے حفاظت ہے"۔ (کنز)

ایک حدیث میں ہے ابن دینارؒ کہتے ہیں "حضرت ابن عمرؓ مکہ کے راستے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بدو جاتا ہوا نظر آیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو اپنی سواری دے دی اور اپنے سر مبارک سے عمامہ اتار کر اس کی نذر کر دیا۔ ابن دینارؒ نے عرض کیا" حضرت یہ شخص تو اس سے کم احسان میں بھی راضی ہو جاتا اور بہت خوش ہو جاتا (آپ نے عمامہ بھی دیا اور سواری بھی)"۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "اس کا باپ میرے باپ کے دوستوں میں سے تھا اور میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "بہترین صلہ رحمی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں سے سب سے بہتر سلوک اور سب سے اچھا برتاؤ کرنا ہے"۔ (جامع ترمذی)

حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''غریب پر صدقہ کرنا، صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی یہ دو چیزیں ہو گئیں"۔ (سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

ایک مرتبہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے عورتوں کو خاص طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی اور مشہور فقہی میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اہلیہ حضرت زینبؓ نے ان سے کہا " آج حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ تمہاری مالی حالت کمزور ہے اگر تم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس جا کر یہ دریافت کر لو کہ میں صدقہ کا مال تمہیں دے دوں تو یہ کافی ہے یا نہیں"؟ انہوں نے فرمایا "تم خود ہی جا کر دریافت کرو" (ان کو اپنی ذات کے لیے سوال کرنے میں غالباً حجاب اور خود غرضی کا خیال ہوگا)۔ حضرت زینبؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہاں دروازے پر دیکھا کہ ایک عورت بھی کھڑی ہے اور وہ بھی یہی مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہے۔ لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے رعب کی وجہ سے اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت بلالؓ آ گئے۔ ان دونوں نے ان سے درخواست کی کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے عرض کر دیں کہ دو عورتیں کھڑی ہیں اور یہ دریافت کر رہی ہیں " اگر وہ اپنے خاندوں پر اور ان بچوں پر جو پہلے خاوندوں کے ان عورتوں کے پاس ہیں۔ صدقہ کر دیں تو یہ کافی ہوگا"؟ حضرت بلالؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دریافت کیا" کون عورتیں ہیں"؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا "ایک تو فلاں انصاریہ ہیں اور ایک عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینبؓ ہیں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہاں ان کے لیے دگنا ثواب ہے ایک صدقہ کا اور ایک قرابت کا"۔ (مشکوۃ)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانے میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا۔ اس وقت میری والدہ (جو مسلمان نہیں ہوئی تھیں) مکہ سے مدینے آئیں۔ حضرت اسماءؓ کی یہ والدہ جن کا نام قیلہ یا قتلیہ بنت عبدالعزی ہے چونکہ مسلمان نہ ہوئیں۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ یہ کچھ گھی وغیرہ ہدیہ کے طور پر لے کر حضرات اسماءؓ کے گھر میں مدد کی طلب گار ہو کر آئیں تھیں۔ انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا اور اپنی علاتی بہن حضرت عائشہؓ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کر کے اطلاع دیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس کی بابت ہی قرآن پاک میں (سورۃ ممتحنہ، آیت نمبر 8) میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا۔ اور اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو برابر برابر کا معاملہ کرنے والا ہو، صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسروں کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے''۔ (مشکوۃ)

ایک صحابیؓ نے حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا'' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان پر احسان کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ میں ہر معاملہ میں تحمل سے کام لیتا ہوں وہ جہالت پر اترتے رہتے ہیں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا '' اے شخص اگر یہ سب کچھ ٹھیک ہے جو تو بیان کر رہا ہے تو تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے۔ (یعنی وہ خود ذلیل ہو جائیں گے) جب تک تم اس روش پر قائم رہو گے تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہے گی''۔ (مشکوۃ)

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی مدد مل جائے اس کو کب کسی اور کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے؟

ایک شخص نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا کہ ''افضل ترین صدقہ کیا ہے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا"۔(ترغیب

ایک حدیث میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ ''جو شخص یہ پسند کرے کہ قیامت میں اس کو بلند مکانات ملیں۔ اس کو اونچے اونچے درجات عطا ہوں، اسے چاہیے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس سے درگزر کرے اور جو اس کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس پر احسان کرے اور جو اس سے اپنے تعلقات کو توڑے اس سے تعلقات کو جوڑے"۔ (درمنثور)

سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "سب سے زیادہ فضیلت والا عمل یہ ہے کہ تو اس سے صلہ رحمی کر جو تجھ سے قطع رحمی کرے، اس کو دے جو تجھ کو محروم کرے اور اس سے درگزر کر جو تجھے گالیاں دے"۔

یک حدیث میں حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مجھے میرے رب نے 9 باتوں کا حکم دیا ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ظاہر میں ہو اور باطن میں بھی۔ 2۔ انصاف کی بات خوشی میں بھی اور غصہ میں بھی۔

3۔ میانہ روی فقر کی حالت میں بھی اور وسعت کی حالت میں بھی۔ 4۔ جو شخص مجھ سے تعلقات کو ختم کرے میں اس کے ساتھ بھی تعلقات کو استوار کروں۔

5۔ جو شخص مجھے اپنی عطا سے محروم کرے میں اس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ 6۔ جو شخص مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کروں۔

7۔ میرا سکوت (میری خاموشی) (آخرت یا اللہ کی یاد کا) فکر ہو۔ 8۔ میری گویائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو۔

9۔ میری نظر عبرت کی نظر ہو اور میں نیک کام کا حکم کرتا رہوں"۔ (مشکوۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو اچھے سلوک کے بدلے میں اچھا سلوک کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جس سے تعلق قطع کیا جائے تو بھی وہ صلہ رحمی اختیار کرے (یعنی تعلق کو جوڑنے والے ہو)"۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''رحم (قرابت) عرش کے ساتھ معلق ہے اور کہتی ہیں کہ جو مجھے جوڑے اللہ تعالیٰ اسے جوڑ دے اور جو مجھے قطع کرے اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے"۔ (بخاری و مسلم)

حضرت براء بن عازبؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''خالہ کا درجہ ماں جتنا ہے'' (ترمذی)

سورہ نور آیت نمبر 22 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: ''اور جو لوگ تم میں (دین کے اعتبار سے) بزرگی والے (اور دنیا کے اعتبار سے) وسعت والے ہیں۔ وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف کر دے؟ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس آیت شریفہ کا پس منظر یہ ہے کہ سن 6ھ میں غزوہ بنی المصطلق کے نام سے ایک جہاد ہوا جس میں حضرت عائشہؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ تھیں ان کی سواری کا اونٹ الگ تھا۔ اس پر ہودج تھا یہ اپنے ہودج میں رہتی تھیں جب چلنے کا وقت آیا تو چند آدمی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیا کرتے تھے۔ بہت ہلکا پھلکا وزن تھا اٹھانے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ حسب معمول ایک منزل پر قافلہ اترا۔ جب روانگی کا وقت ہوا تو لوگوں نے ہودج کو اونٹ پر باندھ دیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت استنجا کے لیے تشریف لے گئیں تھیں۔ جب یہ واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ ہار جو انہوں نے پہن رکھا تھا وہ نہیں ہے۔ یہ ہار تلاش کرنے واپس چلی گئیں واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ اب یہ جنگل میں اکیلی رہ گئیں۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو میرے نہ ہونے کا علم ہوگا تو تلاش کرنے کے لیے یہاں پر ہی کسی کو روانہ کریں گے۔ یہ خیال کر کے آپؓ وہاں پر ہی بیٹھ گئیں اور پھر نیند کا غلبہ آیا تو وہاں پر ہی آنکھ لگ گئی۔ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے طمانیت قلب تو حق تعالیٰ نے دی ہوئی تھی آج کل کی کوئی عورت ہوتی تو جنگل میں نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ حضرت صفوان بن معطلؓ ایک بزرگ صحابی تھے جو قافلے کے پیچھے اس لیے رہا کرتے تھے کہ راستہ میں گری پڑی چیز کی خبر رکھا کریں۔ یہ صبح کے وقت جب وہاں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو سوتے ہوئے پایا اور چونکہ پردہ کی آیت کے نازل ہونے سے پہلے یہ آپؓ کو پہچانتے تھے۔ اس لیے ایک دم پریشان ہو گئے اور اونچی آواز سے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کی آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور فوراً اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ ان کے نزدیک لا کر بٹھایا۔ یہ اس پر سوار ہو گئیں اور وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر لے گئے اور قافلے میں پہنچا دیا۔

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا اس کو تہمت لگانے کا موقع مل گیا اور خوب اس کی شہرت کی۔ اس کے ساتھ بعض بھولے مسلمان بھی اس تذکرہ

میں شامل ہو گئے۔اور ایک ماہ تک یہ ذکر اور تذکرے ہوتے رہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور مسلمانوں کو اس واقعہ کا بے حد افسوس تھا۔کوئی واقعہ کوئی وحی وغیرہ حضرت عائشہؓ کی براءت کی نازل نہ ہوئی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مردوں اور عورتوں سے اس بارے میں مشورہ فرماتے،احوال کی تحقیق فرماتے مگر یکسوئی کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ایک ماہ کے بعد سورہ نور کا ایک رکوع حضرت عائشہؓ کی براءت (بے گناہی) میں نازل ہوا۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں پر سخت عتاب ہوا۔جنہوں نے بے دلیل بے ثبوت اس تہمت کو شائع کیا تھا۔اس واقع کو شہرت دینے والوں میں مسطحؓ ایک صحابی بھی تھے۔جو حضرت ابو بکرؓ کے رشتہ دار تھے اور حضرت ابو بکرؓ ان کی خبر گیری اور اعانت (مدد) فرمایا کرتے تھے۔اس تہمت کے قصہ میں ان کی شرکت سے حضرت ابو بکرؓ کو بے حد رنج ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ انہوں نے اپنا ہونے کے باوجود اس قصہ کو شہرت دی۔اس رنج میں حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھالی تھی کہ آئندہ وہ مسطحؓ کی کسی قسم کی مدد نہیں کریں گے اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے ان کی مدد نہ کرنے کی قسم کھالی تھی جن لوگوں نے بغیر تحقیق کے حضرت عائشہؓ کے بارے میں بے بنیاد باتیں اڑائیں تھیں۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " مسطحؓ نے اس میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا۔جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی کفالت کا ذمہ اٹھایا ہوا تھا۔جب حضرت عائشہؓ کی براءت (بے گناہی) کی تصدیق اللہ نے فرمادی تو حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھالی کہ اب وہ مسطحؓ کی کسی قسم کی مدد نہ کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے نہ صرف ان کی مدد کی بلکہ دوبارہ ان کی پرورش کی ذمہ داری بھی اٹھالی اور اِس آیت شریفہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جتنا پہلے خرچ کرتے تھے اس کا دو چند کر دیا۔ایک حدیث میں ہے کہ یہ دو یتیم تھے جو حضرت ابو بکرؓ کی پرورش میں تھے جن میں سے ایک مسطحؓ تھے،حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان کی اشاعت میں حصہ لیا تھا ان پر خرچ نہ کریں گے اس پر یہ آیت سورۃ النور، آیت نمبر 22 نازل ہوئی ''بزرگی والے اور وسعت والے حضرات اس کی قسم نہ کھائیں کہ وہ صلہ رحمی نہیں کریں گے اور جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اسی طرح خرچ نہ کریں گے''۔(درمنشور)

کس قدر مجاہدہ عظیم ہے کہ اس شخص کا وظیفہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں دگنا کر دیا جس نے ان کی بیٹی پر بہتان لگایا تھا۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا" حضرت ابو طلحہؓ انصار مدینہ میں سے سب سے زیادہ کھجوروں کے مالک تھے۔ان کا سب سے پسندیدہ مال ''بیرحاء'' کا باغ تھا اور اس کا رخ مسجد نبوی کی طرف تھا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس میں تشریف لے جاتے اور ''بیرحاء'' کا عمدہ اور میٹھا پانی پیتے اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ترجمہ: ''تم کامل نیکی کو نہ پہنچ سکو گے جب تک اس مال میں سے خرچ نہ کرو جس کو تم خود عزیز رکھتے ہو''۔(سورہ آل عمران، آیت نمبر 92)

تو حضرت طلحہؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم ہرگز نہیں پا سکو گے کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک تم نہیں خرچ کرو گے اپنے اس مال میں سے جسے تم عزیز رکھتے ہو''۔اور میرا پسندیدہ مال تو ''بیرحاء'' کا باغ ہے میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتا ہوں۔اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" واہ یہ تو بڑا ہی نفع بخش مال ہے۔یہ تو بڑا منافع بخش مال ہے۔اور جو کچھ تو نے کہا ہے میں نے سن لیا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو"۔حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں ایسا ہی کروں گا" اور حضرت ابو طلحہؓ نے اسے اپنے قریبی عزیزوں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا"۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر لمبی کی جائے اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے''۔(بخاری و مسلم)

حضرت ابو محمد جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قطع تعلق کرنے والے جنت میں داخل نہ ہوں گا''- (بخاری و مسلم)

حضرت ابوسفیان صغر بن حربؓ کے متعلق اپنی طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا" وہ (یعنی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ) تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں"۔ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا ''وہ کہتے ہیں صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور جو کچھ تمہارے باپ دادا کہتے ہیں (بتوں کی عبادت وغیرہ) اسے چھوڑ دو۔اور (اُس کی عمر لمبی ہو) ہمیں حکم دیتے ہیں کہ نماز پڑھیں۔سچ بولیں، پاکدامنی اختیار کریں اور صلہ رحمی کو اپنائیں"- (بخاری و مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے- (مشکوٰۃ)(متفق علیہ)

نشانات قدم میں تاخیر کئے جانے سے عمر کی درازی مراد ہے۔اس لیے جس شخص کی جتنی عمر زیادہ ہو گی اتنے ہی زمانے تک اس کے چلنے سے نشانات قدم زمین

پر زیادہ پڑیں گے اور جو مر گیا اس کے پاؤں کا نشان زمین سے مٹ گیا''۔

اللہ تعالیٰ سورہ قصص، آیت نمبر 77 میں فرماتا ہے: ترجمہ: ''اور تجھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور اس دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں پر) احسان کر (اور اللہ کی نافرمانی اور حقوق کو ضائع کر کے) دنیا میں فساد نہ کر۔ بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

سعدیؒ کہتے ہیں "آخرت کی جستجو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کر، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر اور صلہ رحمی کر"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''دنیا سے اپنا حصہ لینا مت بھول''۔ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آخرت کے لیے عمل کرنا نہ چھوڑ۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ''دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا دنیا سے اپنا حصہ لینا ہے جس کا ثواب آخرت میں ملے گا۔ آدمی کا اپنی دنیا میں سے اپنی آخرت کا حصہ بھلا دینا اپنے نفس پر انتہائی ظلم ہے''۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص بے حد محبوب ہوتا ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

مختصر یہ کہ صلہ رحمی سے رزق بڑھتا ہے، عمر بڑھتی ہے، عزت بڑھتی ہے، آخرت میں درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ نور اس کے چہرے پر چمکنے لگتا ہے۔ پھر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے۔ یہ مرتبہ اسے صلہ رحمی پر دوام کی بدولت حاصل ہوتا ہے اور ایسا شخص بری موت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ سے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ''جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ لڑائی کے لیے مقابلے میں آتا ہے۔ میں اپنے دوستوں کی حمایت میں ایسا غصہ میں آتا ہوں کہ جیسے غضبناک شیر اور کوئی بندہ میرے ساتھ تقرب ان چیزوں سے زیادہ کسی چیز سے حاصل نہیں کر سکتا۔ جو میں نے ان پر فرض کی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں فرض کی ہیں ان کی بجا آوری سے جتنا تقرب حاصل ہوتا ہے کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد دوسرے درجے میں نوافل کے ذریعے سے تقریب حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعے سے بندہ میرے ساتھ قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور جتنا نوافل میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ، کان، ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو قبول کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کا سوال پورا کرتا ہوں اور مجھے کسی چیز میں جس کے کرنے کا میں ارادہ کرتا ہوں اتنا تردد نہیں ہوتا۔ جتنا اپنے مومن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ کہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا۔ (کہ طبع کو موت ناپسندیدہ ہوتی ہے) اور میں بھی اس کا جی برا کرنا نہیں چاہتا لیکن موت بھی ضروری چیز ہے۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص نوع کی عبادت کے خواہش مند ہوتے ہیں لیکن میں عبادت کی وہ نوع ان کو میسر نہیں کرتا کیونکہ اس سے ان میں عجب پیدا ہو جائے۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے ایمان کو ان کی تندرستی ہی درست رکھ سکتی ہے۔ اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو ان کی حالت خراب ہو جائے اور بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے ایمان کو ان کی بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو تندرستی دے دوں تو وہ بگڑ جائیں تو میں اپنے بندوں کے حال کے موافق عمل درآمد کرتا ہوں۔ اس لیے کہ میں ان کے دلوں کے احوال سے واقف اور باخبر ہوں"۔ (درمنثور) (سبحان تیری قدرت)

یہ حدیث شریف بڑی قابل غور ہے۔ اس کا تعلق تکوینی امور سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی غریب ہے تو اس کی امداد کی ہمیں ضرورت نہیں اور اگر کوئی ہم سے تعلق قطع کرتا ہے تو ہمیں جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی غصہ میں آتا ہے تو ہمیں نرمی برتنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر صدقہ، صلہ رحمی، اور عفو درگزر کی تمام روایات اور آیات بے محل ہو جائیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر تو یہ سلسلہ اسی طرح رہے گا کوئی ماہر ڈاکٹر یا محکمہ حفظان صحت یہ چاہے کہ کوئی بیمار نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ کوئی حکومت یہ کوشش کرے کہ کوئی غریب نہ رہے یہ نہیں ہو سکتا۔ یا کوئی مصلح جو یہ کوشش کرے کہ آپس میں کوئی قطع تعلق کرے ہی نہ تو یہ ممکن نہیں ہوتا۔ البتہ ہم لوگ اپنی وسعت کے مطابق لوگوں کی اعانت کی، ہمدردی کی، علاج کی، صلح کی کوشش کرنے پر مامور ہیں اور ہم ان معاملات میں جتنی کوشش کریں گے اس کا اجر اور اس کا ثواب دین اور دنیا میں ضرور ملے گا۔ لیکن اگر اپنی سعی کے باوجود کوئی بیمار اچھا نہ ہو، اپنی کوشش کے باوجود کسی کی مالی حالت درست نہ ہو اور بے حد کوشش پر بھی تعلق قطع میں رہیں تو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کوشش اور ہر دم کوشش اور اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھنی چاہیے۔

علما کا کہنا ہے "نیکی جتنی بھی اپنی نگاہ میں کم سمجھی جائے گی اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی سمجھی جائے گی" --- اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سخاوت و ایثار

سخاوت: وہ چیز دوسروں کو دینے کا نام ہے، جس کی اسے ضرورت نہیں، یعنی زائد از ضرورت مال دوسروں کو دے دینا سخاوت ہے۔

ایثار: باوجود اپنی حاجت کے مال دوسرے کو دے دینا ایثار ہے۔

حاجت کے ہوتے ہوئے مال دوسرے کو دینا مشکل کام ہے۔ سخاوت میں ایثار کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے۔ آدمی کے پاس اگر مال نہ ہو تو قانع اور کم حرص ہونا چاہیے اور اگر مال ہو تو ایثار، سخاوت اور سلوک کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بخل سے کوسوں دُور رہے۔ کیونکہ سخاوت انبیاء کرام علیہ السلام کے اخلاق میں سے ہے اور نجات کا اصل اصول یہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے، اِس کی ٹہنیاں زمین پر جھکی ہوئی ہیں، جو کوئی ان میں سے ایک ٹہنی پکڑ لیتا ہے وہ اس کو کھینچ کر جنت میں لے جاتی ہے"۔ (مشکوۃ المصابیح)

سخاوت اللہ تعالیٰ کے ایثار میں سے ایک نام ہے اور اس کے اعلیٰ درجے کا نام **ایثار** ہے جو کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے روز کا معمول تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے خُلق کو خلقِ عظیم فرمایا۔

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''سخاوت، جنت میں ایک درخت ہے، پس جو شخص سخی ہوگا تو وہ اس کی ایک شاخ کو پکڑ لے گا، پھر شاخ اسے نہیں چھوڑے گی حتیٰ کہ وہ اسے جنت میں لے جائے گی، جبکہ بخیلی وطمع جہنم کا ایک درخت ہے جو شخص بخیل ہوگا تو وہ اس کی ایک شاخ پکڑ لے گا، اور وہ شاخ اسے نہیں چھوڑے گی حتیٰ کہ اسے جہنم میں لے جائے گی''۔ (مشکوۃ المصابیح)

ایک ولیہ کا حال سُنیے، روایت ہے "ایک عابدہ عورت حبان بن حلالؒ کے پاس کھڑی ہوئی تھی، وہ اپنے دوستوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے کہا کہ تم میں کوئی ہے کہ جس سے میں ایک مسئلہ پوچھ سکوں؟ لوگوں نے حبانؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جو کچھ پوچھنا ہے ان سے پوچھ لے۔ عورت نے حبانؒ سے سوال کیا کہ سخاوت کسے کہتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ خرچ کرنا، ایثار کرنا۔ عورت نے کہا کہ یہ تو دنیا کی سخاوت ہوئی، دین کی سخاوت کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سخی دل سے کریں اور ایسے کریں کہ طبیعت پر گراں نہ گُزرے۔ عورت نے کہا کہ اس پر ثواب کی نیت کرنی ہے یا نہیں؟ کہا ہاں ثواب کی توقع کرنی ہے۔ عورت نے کہا کیوں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں 10 نیکیاں دی جائیں گی۔ عورت نے کہا! سبحان اللہ، جب ایک دے کر 10 لیے تو پھر سخاوت کیا ہوئی؟ حبانؒ بن حلالؒ نے اُس سے پوچھا کہ پھر تیرے نزدیک سخاوت کیا ہے؟ عورت نے کہا! "میرے نزدیک سخاوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس طرح کرو کہ اطاعت میں لذت ملے اور طبعیت پر بھی گراں نہ گزرے اور اس پر اجر کی نیت نہ کرو، یہاں تک کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو، وہ جو چاہے کرے کا حال ہو جائے۔ کیا اِس بات کی تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دِلوں کا حال معلوم ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز مانگ رہے ہیں اور کم دے کر زیادہ کی توقع میں ہیں اور کم دینا زیادہ توقع کی وجہ سے ہے"۔

یعنی جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص مجھ سے کوئی سلوک اِس واسطے کر رہا ہے کہ میں اس کو اِس کے بدلے میں زیادہ دوں، تو بے شک وہ اس لینے سے خوش نہ ہو گا۔ تو عبادت ایسی کی جائے کہ اس میں لذت بھی ہو اور اجر کی توقع نہ کی جائے۔ سب کچھ مالک کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت جابرؓ سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں افضل عمل کونسا ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ "سخاوت اور صبر"۔

حضرت سہیل تُستریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا مانگی "الٰہی مجھ کو محمد خاتم النبیین ﷺ کے بعض درجات دِکھا دے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی اُمت کے بعض درجات دکھا دے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا! "اے موسیٰ علیہ السلام، تجھ کو تاب نہ ہو سکے گی، مگر ایک بار مرتبہ عظیم تجھ کو دِکھا دیتا ہوں۔ یہ کہا اور عالمِ ملکوت کا پردہ اُٹھایا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ درجہ دیکھا تو قرب الٰہی اور انوارِ تجلی برداشت سے باہر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا! "الٰہی کس وجہ سے اور کونسی خصوصیت کی وجہ سے اِن کو یہ بزرگی عنایت کی گئی"۔ ارشاد ہوا کہ "ایک عادت کے سبب کہ جس کو میں نے ان میں رکھا، یعنی ایثار کی وجہ سے" پھر فرمایا "اے موسیٰ علیہ السلام اگر کسی شخص نے اپنی عمر میں کبھی ایثار پر عمل کیا ہوگا، جب وہ میرے پاس آئے گا تو مجھے اِس سے حساب لینے میں شرم

آئے گی، بے حساب ہی اُس کو جنت میں جہاں چاہے گا، جگہ دوں گا"۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنی کسی زمین کو دیکھنے کے لیے نکلے، راہ میں کسی باغ میں ٹھہرے وہاں ایک حبشی کام کر رہا تھا، وہ حبشی غلام تھا، اُس وقت ایک کُتا بھی اُسی احاطہ میں گھُس آیا۔ حبشی نے ایک روٹی اُسے دے دی، پھر دوسری اور پھر تیسری، حضرت عبداللہ بن جعفر دُور بیٹھے یہ دیکھتے رہے۔ پھر اُٹھ کر حبشی سے پوچھا" تیری روزانہ کی خوراک کتنی ہے"؟ اُس نے کہا" اتنی ہی جو آپؓ نے دیکھی ہے"۔ آپؓ نے پوچھا" یہ پھر سب کی سب کُتے کو کیوں کھلا دی"؟ اُس نے جواب دیا، "یہاں اردگرد کوئی کُتا نہیں رہتا ہے۔ یہ کُتا مُسافر ہے دُور سے آیا تھا اور بھوکا تھا اور مجھ کو اُس کا بھوکا رہنا اور اپنے شکم کا سیر ہونا بُرا معلوم ہو"ا۔ آپؓ نے پوچھا" پھر تُو دن بھر کیا کھائے گا"؟ اُس نے کہا" فاقہ کرلوں گا"۔ پھر آپؓ نے اپنے دل میں خیال کیا" میں اِس کو اِس کی سخاوت پر ملامت کر رہا ہوں، یہ تو مجھ سے زیادہ سخی ہے"۔

حضرت عمرِ فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابیؓ کے پاس کہیں سے ایک سِری آئی، اُس نے خیال کیا" میرے نسبت میرا فلاں بھائی زیادہ محتاج ہے، وہ سِری دوسرے کے پاس بھیج دوں"۔ اُنہوں نے یہ خیال کیا" فلاں زیادہ محتاج ہے" وہ اگلے صحابی کے پاس بھیج دی، اِسی طرح سات صحابہ کرامؓ کے پاس سے وہ سری گھوم کر پھر اوّل صحابیؓ کے پاس آئی۔ سبحان اللہ یہ تھا ایثار اُن لوگوں کا جن لوگوں نے کچھ درجات حاصل کر لیئے۔

روایت ہے کہ شبِ ہجرت حضرت علیؓ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے بستر پر سوئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ اور حضرت میکائیلؑ کو ارشاد فرمایا'' میں نے تُم دونوں میں بھائی چارہ کر دیا ہے، تم دونوں میں سے ایک کی عمر زیادہ کی ہے، اب بتاؤ کہ تُم دونوں میں سے کون کم زندگی چاہتا ہے؟ اور زیادہ حیات دوسرے کے واسطے پسند کرتا ہے"۔ دونوں نے یہی چاہا کہ میری عمر زیادہ ہو، یعنی ایثار کسی نے پسند نہ کیا، ارشاد ہوا کہ "تُم دونوں حضرت علیؓ کے موافق بھی نہ ہوئے، کہ میں نے اِن میں اور حبیب خاتم النبیین ﷺ میں بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ تو یہ آج رات اُس کے بچھونے پر اُن کی جان کے بدلے اپنی جان کو فدا کرتا ہے۔ اور اس کا جینا اپنے جینے پر مقدم کرتا ہے، اَب تُم زمین پر جاؤ اور علیؓ کے دُشمنوں سے اُن کی حفاظت کرو" بس ارشاد کے مطابق حضرت جبرائیلؑ اُن کے سرہانے اور حضرت میکائیلؑ اُن کے پیروں کی طرف کھڑے ہو گئے اور پھر حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا "واہ واہ اے فرزند ابو طالب، تجھ سا آج کوئی نہیں، کہ خُدا تعالیٰ تجھ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے"۔

حضرت ابوالحسن انکا کیؒ کے پاس ایک مرتبہ برابر والے گاؤں کے تین آدمی آ گئے، اُن کے پاس چند روٹیاں گنتی کی تھیں، پس اُنہوں نے اِن کے ٹکڑے کئے اور چراغ گُل کر دیا اور کھانے کو بیٹھ گئے، پھر تمام لوگوں نے کھانا کھایا چراغ جلایا گیا تو معلوم ہوا کہ تمام روٹیاں اس میں موجود تھیں۔ گویا کسی نے کچھ نہ کھایا تھا، ہر ایک نے دوسرے کا خیال کیا کہ دوسرا کھالے۔

حضرت حذیفہ عدویؓ کہتے ہیں کہ میں شام کے نواح میں یومِ یرموک میں گیا۔ مجھے اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش تھی کہ ان میں کچھ سانس ہو تو پانی پلا دوں کہ تھوڑا سا پانی لیتا گیا۔ جب معرکہ کی جگہ ڈھونڈی تو ان کو زندہ پایا۔ پوچھا" پانی پلاؤں" اُنہوں نے کہا" ہاں"، جب میں پانی پلانے لگا تو برابر سے آواز آئی "آہ" میرے چچا زاد بھائی نے اِشارہ کیا "پہلے اِسے پلاؤ"، جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ ہشام بن عاصؓ ہیں، میں نے اُن کو پانی پلانا چاہا تو برابر سے آواز آئی "آہ" اُنہوں نے اشارہ کیا کہ "پہلے وہاں جاؤ"، جب میں اُس شخص کے پاس گیا وہ مر چُکا تھا، پھر میں ہشام بن عاصؓ کے پاس آیا، وہ بھی انتقال کر چکے تھے، پھر میں اپنے چچا زاد بھائی کے پاس پہنچا تو اُن کو بھی زندہ نہ پایا۔ اللہ ان سب پر رحم فرمائے، درجات لوٹنے والے یہی لوگ تھے۔

عباس بن دہقانؒ کہتے ہیں کہ سوائے بشر بن حارثؒ کے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جیسا دنیا میں آیا ویسے ہی گیا ہو۔ بشر بن حارثؒ جیسے آئے تھے ویسے ہی گئے، اُن کے مرض الموت میں ایک شخص آیا اور سوال کیا، اُنہوں نے اپنا کرتا اُتارا اور اُسے دے دیا۔ ایک اَور شخص سے ایک کپڑا مانگ کر اپنا بدن اُس سے چھپایا اور اِسی حالت میں اِنتقال فرمایا۔

احادیث مبارکہ

(1) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور دو بُری۔ جو عادتیں اُس کو محبوب ہیں وہ" حسنِ خلق" اور" سخاوت" ہیں اور جو عادتیں اُس کو ناپسند ہیں وہ" خلق بد" اور" بخل" ہیں۔ (جامع ترمذی)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بہتری چاہتا ہے تو اِس سے لوگوں کی حاجتیں پوری کرواتا ہے۔

(2) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" بخیل (جو زکوٰۃ نہیں دیتا) اور زکوٰۃ دینے والے (سخی) کی مثال دو آدمیوں جیسی ہے، دونوں لوہے کے کرتے (زرہ

) پہنے ہوئے ہیں، دونوں کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں زکوٰۃ دینے والا (سخی) جب بھی زکوٰۃ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کرتہ اتنا کشادہ ہوجاتا ہے کہ زمین پر چلتے میں گھسٹتا جاتا ہے لیکن جب بخیل صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ کا ایک ایک حلقہ اس کے بدن پر تنگ ہوجاتا ہے اور اس طرح سکڑ جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے جڑ جاتے ہیں۔" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے سنا" پھر بخیل اسے ڈھیلا کرنا چاہتا ہے لیکن وہ ڈھیلا نہیں ہوتا۔" (صحیح بخاری)

(3) میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے پھر عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا آپ خاتم النبیین ﷺ نے پھر بھی عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" اے حکیم! یہ دولت بڑی سرسبز اور بہت ہی شیریں ہے۔ لیکن جو شخص اسے اپنے دل کو سخی رکھ کر لے تو اس کی دولت میں برکت ہوتی ہے۔ اور جو لالچ کے ساتھ لیتا ہے تو اس کی دولت میں کچھ بھی برکت نہیں ہوگی۔ اس کا حال اس شخص جیسا ہوگا جو کھاتا ہے لیکن آسودہ نہیں ہوتا (یاد رکھو) اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے"۔ (صحیح بخاری)

(4) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اسلام کے نام پر مانگنے والوں کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹایا اور جس نے جو مانگا وہ دیا۔ ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سوال کیا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے "دو پہاڑوں کے درمیان جتنی صدقہ کی بکریاں تھیں، وہ سب عنایت فرمادیں"۔ اُس شخص نے اپنی قوم میں جا کر کہا "لوگو مسلمان ہوجاؤ، محمد خاتم النبیین ﷺ اس طرح دیتے ہیں۔ جیسے کسی کو فاقہ کا خوف نہ ہو"۔ (مسند احمد)

(5) رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جب تمہارے حکمراں، تمہارے اچھے لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار لوگ، تمہارے سخی لوگ ہوں اور تمہارے کام باہمی مشورے سے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لیے اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکمراں تمہارے برے لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار تمہارے بخیل لوگ ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے"۔ (جامع ترمذی)

(6) حضرت ابو ہریرہؓ نبی خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''مومن بھولا بھالا سخی ہوتا ہے جبکہ فاجر دھوکہ باز، بخیل ہوتا ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

(7) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" سخی اللہ سے، جنت سے اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دُور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے، جنت سے اور لوگوں سے دُور ہوتا ہے اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم بخیل سے زیادہ محبوب ہے"۔ (جامع ترمذی)

صحابہ کرامؓ اور سخاوت:

(1) حضرت علیؓ فرماتے ہیں" جب آدمی کے پاس دنیا آتی ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے، کیونکہ خرچ کرنے سے یہ جاتی نہ رہے گی اور اگر دنیا جاتی ہے تب بھی خرچ کرے کیونکہ خرچ کرنے سے یہ نہ جائے گی"۔

(2) حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت امام حسینؓ سے پوچھا" مروت، رفعت اور اکرام کس کو کہتے ہیں"؟ آپؓ نے فرمایا:

1۔ **مروت** یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی حفاظت کرے اور اپنے آپ کو (اچھے اعمال سے) اچھی طرح سے پُر کرے۔ 2۔ **رفعت** یہ ہے کہ ہمسایہ کی مصیبت کو ٹالے اور صبر کی جگہ صبر کرے 3۔ **اکرام** یہ ہے کہ لوگوں کے مانگے بغیر لوگوں سے سلوک کرے، وقت پر کھانا کھلائے اور باوجود مال نہ ہونے کے سائل پر عنایت کرے"۔

(3) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں" بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ظاہر میں بدکار اور معصیت سے تنگ مگر اپنی سخاوت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے"۔

(4) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے سامنے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ "احسان جب ہی احسان ہوتا ہے جب اپنے موقعہ پر ہو، اِس لیے احسان کر رشتہ داروں پر اور قرابت داروں پر"۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے جواب دیا" اِس عمل سے تو آدمی بخیل ہوجاتا ہے، میں تو موسلا دھار مینہ کی طرح لوگوں کو دوں گا اور اگر وہ اچھے لوگوں کو پہنچے گا تو وہ اِس کے مستحق ہی تھے اور اگر بُرے لوگوں کو پہنچے گا تو میری شان کے لائق ہوگا"۔

(5) اصمعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے حضرت امام حسینؓ سے کہا" آپ شاعروں کو کیوں دیتے ہیں"؟ انہوں نے جواب دیا" مال وہی بہتر ہے جس سے آدمی اپنی عزت بچائے"۔

اولیاء کرامؒ اور سخاوت:

1۔ روایت ہے کہ احمد بن قیسؒ نے ایک آدمی کے ہاتھ سے روپیہ لیا اور پوچھا" یہ کس کا ہے"؟ اُس نے جواب دیا کہ "یہ میرا ہے"۔ آپؒ نے فرمایا کہ "یہ تیرا تو

جب ہوگا، جب تیرے ہاتھ سے چلا جائے گا، مال جب تک ہاتھ سے نہیں جاتا آدمی کے کام کا نہیں ہوتا" (یعنی جب تُو اِسے خیرات کر دے گا)۔

2- واصل بن عطاؒ کا نام غزال اِس وجہ سے ہوا کہ یہ (غزالوں) کاتنے والوں میں بیٹھا کرتے تھے اور جب کوئی ضعیف عورت دیکھتے تو اِس کو دیا کرتے تھے۔

3- حضرت سفیان عنیہؒ سے کسی نے سخاوت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں جواب دیا کہ "سخاوت اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنے کا نام ہے" پھر فرمایا "میرے باپ کو 50 ہزار درہم ترکہ میں ملے تھے، اُنھوں نے تھیلوں میں بھر بھر کے اپنے بھائیوں کو دیئے اور وہ کہا کرتے تھے "میں اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائیوں کے لیے جنت طلب کرتا ہوں، تو کیا مال سے اُن کے ساتھ بخل کروں، ایسا کبھی نہ ہوگا"۔

4- محاسبیؒ نے فرمایا،" سخاوت دین میں یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جان کا دینا اور خون کا بہادینا، اُسے بُرا معلوم نہ ہو"۔

سخی لوگوں کے واقعات:

(1) واقدؒ اپنے باپ محمد واقدیؒ کا حال بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک رقعہ خلیفہ مامون رشید کو لکھا کہ "مجھ پر قرض بہت ہے اور اَب مجھ سے اِس پر صبر نہیں کیا جاتا"۔خلیفہ نے اِس کی پشت پر لکھا "تُم ایسے آدمی ہو، جس میں دو عادتیں سخاوت اور حیا جمع ہیں، سخاوت کے باعث تمہارے پاس کچھ نہ رہا اور حیا کے باعث تُم نے کبھی اپنا حال ہم سے بیان نہ کیا۔اَب یہ ایک لاکھ درہم حاضر ہیں اگر میں تمہاری خاطر خواہ خدمت کے لائق ہوں تو خوب ہاتھ پھیلاؤ اور لوگوں کو دو، ہم حاضر ہیں۔ورنہ قصور تمہارا ہے، اور جس وقت تُم خلیفہ ہارون رشید کی طرف سے قاضی تھے، اُس وقت ایک حدیث تم نے مجھ سے بیان کی تھی کہ محمد بن اسحاق زہریؒ سے راوی ہے اور زہریؒ حضرت انسؓ سے اور حضرت انسؓ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے فرمایا کہ "اے زبیرؓ جان رکھ کہ بندوں کے لیے رزق کی کنجیاں عرش کے مقابل ہیں، جس قدر کوئی بندہ خرچ کرتا ہے تو اُسی قدر اللہ تعالیٰ اُس کو بھیج دیتا ہے، جو زیادہ کرتا ہے اُس کے لیے زیادہ اور جو کم کرتا ہے اُس کے لیے کم اور تم تو مجھ سے زیادہ جانتے ہو" واقدیؒ کہتے ہیں کہ "بخدا مجھ کو خلیفہ مامون رشید کے ایک لاکھ درہم اتنے محبوب نہ ہوئے جتنا اِس حدیث کا مفہوم یا دولانا اچھا معلوم ہو"۔

(2) ایک شخص نے حضرت امام حسنؓ سے کسی حاجت کا سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا،" اے شخص تُو نے جو سوال مجھ سے کہا ہے اِس کا حق بہت ہے، مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تجھے کیا دینا چاہیے، جس قدر کا تو لائق ہے اتنا میرے پاس نہیں ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت دینا بھی تھوڑا ہی ہے۔میرے پاس تیری حاجت کے موافق تو نہیں ہے۔مگر اگر تو تھوڑے پر قناعت کرے اور مجھ کو زیادہ دینے کی تکلیف اور حیلے کی حاجت نہ پڑنے دے تو البتہ جو موجود ہے، حاضر کئے دیتا ہوں"۔اُس شخص نے کہا "اے ابنِ رسول خاتم النبیین ﷺ جو آپ دیں گے مجھے قبول ہے، اگر دیں گے تو مشکور ہوں گا اور نہ دیں گے تو معذور جانوں گا"، آپؓ نے خادم کو بُلوایا، اُس سے اپنے خرچ کا حساب کیا اور سب حساب کر کے فرمایا" تین لاکھ درہم میں سے جتنا باقی ہے وہ لے آؤ"، اُس نے 50 ہزار درہم لا کے رکھ دیئے۔آپؓ نے اُس سے فرمایا" 500 دینار بھی تو تھے وہ کیا ہوئے"؟ اُس نے جواب دیا" وہ میرے پاس ہیں"،آپؓ نے فرمایا" وہ بھی لے آؤ" اور سب دینار درہم اُس سائل کے حوالے کر دیئے، آپؓ کے خادم نے عرض کیا" اَب ہمارے پاس نہ دینار ہیں اور نہ ہی درہم ہیں" آپؓ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ اس کا بہت بڑا ثواب عنایت فرمائے گا"۔

(3) ایک مرتبہ حضرت ابنِ عباسؓ بصرہ کے عامل تھے،آپ کے پاس وہاں کے قاری اکھٹے ہوئے اور عرض کیا" ہمارا ایک ہمسایہ ہے، دِن کو روزہ رکھتا ہے، رات کو جاگتا ہے،ہم میں ہر کوئی چاہتا ہے کہ اُس جیسا بن جائے، اُس نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کیا ہے، مگر وہ ایسا محتاج ہے کہ بیٹی رُخصت نہیں کر سکتا"۔آپؓ اُن کو لیے اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھول کر اُس میں چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا" چلو سب اِس کی لڑکی کو رخصت کروادیں۔ہر چند دنیا کی اتنی حقیقت نہیں کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک لے اور ہم میں بھی اتنا تکبر نہیں کہ اولیاء اللہ کی خدمت نہ کریں" یہ کہہ کر آپ سب کے ساتھ تشریف لے گئے اور اُس کا کام حسبِ دل خواہ سرانجام ہوا۔

(4) ابو مرثد ایک سخی تھا، ایک دن ایک شاعر نے اُس کی تعریف میں شعر کہا، اُنھوں نے کہا" بخُدا میں تنگ دست ہوں تجھے کچھ دے نہیں سکتا، ہاں ایک تدبیر ہے کہ قاضی کے ہاں تُو مجھ پر دس ہزار درہم کا دعوٰی دائر کر، میں اقبالِ دعویٰ کر لوں گا۔پھر تُو مجھ کو قید کروادینا، میرے گھر کے لوگ اتنا روپیہ دے کر مجھے چھڑوالیں گے"، شاعر نے ایسا ہی کیا،شام نہ ہوئی تھی کہ 10 ہزار درہم ابو مرثد کے خاندان والوں نے دے کر اُن کو قید سے چھڑوالیا۔

(5) ایک بار حضرت حسنؓ،حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لیے روانہ ہوئے،راستے میں بار برداری سے بچھڑ گئے،تو بھوک پیاس لگی،اثنائے راہ ایک

بڑھیا اپنی جھونپڑی میں بیٹھی تھی، تینوں صاحبزادوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے بڑھیا سے پوچھا " تیرے پاس کچھ پانی ہے "؟ بڑھیا نے کہا " ہے "۔ تینوں صاحبزادے اپنی سواریوں سے اُتر پڑے، اُس بڑھیا کے پاس ایک چھوٹی سی بکری الگ بندھی ہوئی تھی، اُس نے کہا "اِس کا دودھ نکال کر پی لو" جب دودھ پی کر فارغ ہوئے تو اُس سے پوچھا "تیرے پاس کھانے کو بھی ہے"، اُس نے کہا "میرے پاس اِس بکری کے سوا کچھ نہیں ہے، اگر کوئی اِس کو ذبح کر کے صاف کر دے تو اس کو پکا دوں"۔ صاحبزادوں میں سے ایک نے اس کی تعمیل کی، بڑھیا نے کھانا تیار کر دیا، کھا پی کر سیر ہو گئے، سہ پہر کے وقت تک ٹھہرے رہے، جب چلنے لگے تو بڑھیا سے کہا، "ہم قریشی لوگ ہیں اَب حج پر جا رہے ہیں، جب وہاں سے سلامتی سے واپس آئیں گے تو تُو ہمارے پاس آنا، ہم تیرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے"، یہ کہہ کر تشریف لے گئے، بڑھیا کا خاوند آیا تو بڑھیا نے اِس سے ان تینوں کا ذکر کیا اور سارا واقعہ کہہ سُنایا "وہ ناراض ہوا کہ میری بکری نا جانے کِس کو کھلا دی اور کہتی ہے کہ وہ قریشی تھے"۔ ایک مُدت کے بعد دونوں میاں بیوی کسی کام سے مدینے گئے، وہاں پہنچ کر اُونٹ کی مینگنیاں جمع کرتے اور اُنہیں بیچ کر گزارا کرتے۔ اِتفاقاً ایک روز بڑھیا اُس طرف جا نکلی جہاں حضرت حسنؓ اپنے گھر کے دروازے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؓ نے بڑھیا کو پہچانا اور اپنے خادم کو بھیج کر بڑھیا کو بلایا اور کہا "تُو مجھے پہچانتی ہے"؟ اُس نے کہا "مَیں نہیں پہچانتی"۔ آپؓ نے فرمایا "میں فلاں شخص ہوں جو فلاں وقت میں تیرے پاس مہمان ہوا تھا"۔ بڑھیا نے کہا "میرے ماں باپ آپؓ پر قربان ہوں آپؓ وہ ہیں"۔ پھر آپؓ نے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دے کر خادم کے ہمراہ اُسے حضرت اِمام حسینؓ کے ہاں بھیج دیا۔ حضرت اِمام حسینؓ نے بڑھیا سے پوچھا "تجھے میرے بھائی نے کیا دیا"؟ بڑھیا نے کہا "ایک ہزار دینار اور ایک ہزار بکریاں دی ہیں"۔ حضرت اِمام حسینؓ نے بھی اِسی قدر بڑھیا کو دے دیا اور اپنے خادم کے ہمراہ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفر نے پوچھا "حسنینؓ نے تجھے کیا دیا"؟ بڑھیا نے کہا "دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں دی ہیں"۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ نے بھی دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں دیں پھر فرمایا "اگر تُو پہلے میرے پاس آجاتی تو میں اِتنا دیتا کہ حضرات حسنینؓ کو دینا مشکل پڑ جاتا"۔ غرض یہ کہ وہ بڑھیا چار ہزار دینار اور اِتنی ہی بکریاں لے کر اپنے خاوند کے پاس گئی اور بتایا "یہ اُس بکری کا عوض ہے جو قریش کے سرداروں نے کھائی تھی"۔

(6) روایت ہے کہ عرب کا ایک قافلہ اپنی قوم کے سخی کی قبر کی زیارت کو گیا اور دُور سے چل کر وہاں پہنچا اور آرام کیا، اُس سخی کے پاس اپنی زندگی میں ایک بہترین گھوڑا تھا، جو اَب اُس کے بیٹے کے پاس تھا۔ جب یہ لوگ سو گئے تو ان میں سے ایک شخص نے اُس سخی کو خواب میں دیکھا، اُس سخی نے اُس شخص سے کہا کہ "اگر تُو اپنے اُونٹ کو گھوڑے کے عوض قبول کرے تو میں تیرے اونٹ سے ان تمام مہمانوں کی ضیافت کروں"۔ اُس شخص نے ہامی بھر لی، اُس شخص نے دیکھا کہ وہ سخی اُس کے اُونٹ کی طرف گیا اور اُس کو ذبح کر ڈالا، جبکہ یہ اُونٹ خوب فربہ تھا۔ اُس شخص کی آنکھ کھل گئی اور اُس نے دیکھا کہ اُس کا اُونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے اور اُس کی گردن سے خون بہہ رہا ہے۔ اُس شخص نے اُونٹ کو بنایا، پکایا اور تمام لوگوں کی ضیافت کر دی، سب نے کھایا، پیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے، دوسرے دن راستے میں اُن کو چند سوار ملے، اُنہوں نے ان قافلے والوں سے پوچھا "تم میں فلاں شخص کون ہے"؟ قافلے والوں نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہے وہ شخص"۔ اُن سواروں نے اُس شخص سے کہا کہ "خواب میں تم نے اپنا اُونٹ میرے باپ کے ہاتھ اِس گھوڑے کے عوض بیچا تھا"، اُس شخص نے جواب دیا کہ "ہاں"۔ اُنہوں نے کہا "اُس کا گھوڑا موجود ہے، پھر کہا "وہ میرا باپ تھا"، رات کو خواب میں آ کر اُس نے مجھ سے کہا "اگر تو میرا پیارا بیٹا ہے تو یہ میرا گھوڑا فلاں شخص کو جو کہ فلاں قافلے میں ہے دے دے، یہ گھوڑا میں نے اُس کے ہاتھ اُس کے اُونٹ کے عوض بیچ دیا ہے" اور سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اَب یہ گھوڑا میں آپ کو دینے آیا ہوں۔

7۔ خلیفہ ہارون رشید نے اِمام مالک بن انسؒ کی خدمت میں 500 دینار بھیجے، یہ خبر لیث بن سعدؒ کو پہنچی، اُنہوں نے ایک ہزار دینار اِمام مالکؒ بن انسؒ کے پاس بھیج دیئے، ہارون رشید نے لیثؒ کو بلا کر عتاب کیا کہ "تم ہماری رعیت ہو کیا وجہ ہے کہ ہم نے پانچ سو دینار بھیجے اور تم نے ایک ہزار دیئے" اُنہوں نے کہا کہ "امیر المومنین! میرے ہاں روزانہ ایک ہزار دینار کا غلہ آتا ہے، مجھے شرم آتی ہے کہ اِتنے بڑے شخص کو ایک دن کی آمدنی سے بھی کم دوں"۔ لیث بن سعدؒ کی سخاوت مشہور ہے، ایک ہزار دینار روزانہ کی آمدنی کے باوجود انہوں نے کبھی زکوٰۃ ادا نہ کی، روز کا، روز خیرات کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے اُن سے تھوڑا سا شہد مانگا، اُنہوں نے ایک مشک شہد اُسے بھجوایا۔ کسی نے کہا "اُس کا گزارا اِس سے بہت کم شہد سے بھی ہو جاتا"؟ اُنہوں نے جواب دیا "اُس نے اپنے ظرف کے مطابق مانگا تھا اور ہم نے اپنے ظرف کے مطابق دیا"۔ اُن کا دستور یہ تھا کہ ہر روز جب تک 360 آدمیوں کو کھانا نہ کھلا دیا کرتے، اپنے منہ میں ایک لقمہ ڈالنا پسند نہ فرماتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکر وصبر

شکر کیا ہے؟

کسی بھی نعمت کا اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نیاز مندی ظاہر کرنا شکر ہے۔

سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: "اگر تم شکر گزاری کرو گے تو اور زیادہ دوں گا، اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے"۔

سورۃ نحل، آیت نمبر 114 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: "پھر جو کچھ تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال طیب روزی دی ہے، کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر کرو اور تم صرف اس کی عبادت کرتے رہو"۔

سورۃ نمل، آیت نمبر 40 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: " اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رَب بے پرواہ اور عزت والا ہے"۔

جب تک نعمت کی موجودگی کا احساس نہ ہو تب تک شُکر کیسے ادا ہو؟ عام لوگوں کا خیال ہے کہ شُکرِ نعمت صرف زبان سے الحمدللہ کہہ دینے کا نام ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ **حالانکہ جو نعمت جس حکمت کے واسطے بھیجی ہے۔ اُس نعمت کو اُس حکمت کے جاننے میں خرچ کرنا شُکر ہے۔ اور وہ حکمت جو کسی بھی نعمت سے مطلوب ہے وہ اطاعت خُدائے عزوجل ہے۔** اَب دیکھنا یہ ہے کہ ہم لوگ نعمت کی معرفت سے غافل کیوں رہتے ہیں؟ اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ نعمتیں عام ہیں۔ سب کو ہر وقت حاصل ہیں۔ اس لیے کسی کو اپنے ساتھ ان کی خصوصیات معلوم ہی نہیں ہوتیں۔ اور سب سے بڑی جہالت یہی ہے۔ اِس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس صورت میں بندہ اُس وقت شکر کرے گا۔ جب یہ نعمت چھِن جائے گی، مثلاً بینا آدمی کو ہم نہیں دیکھتے، وہ آنکھوں کے ہونے پر اللہ کا شُکر کرے یا آنکھوں کی سلامتی کے لیے دُعا کرتا ہو یا شُکر کرتا ہے کہ آنکھیں سلامت ہیں۔ یہاں تک کہ اندھا نہ ہو جائے اور پھر اگر بینائی واپس آتی ہے تو اِس کو نعمت جان کر شُکر ادا کرتا ہے۔ یعنی چونکہ نعمت عام ہے اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ رحمتِ الٰہی ہر حال میں ہر ایک پر جاری ہے تو جاہل عام طور پر نعمت کو جان نہیں پاتے، دوسرے لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ شُکر صرف مال ہی پر کرتے ہیں، خواہ زیادہ ہو یا کم، اِس کے علاوہ باقی تمام نعمتیں نظر ہی نہیں آتیں، تو شُکر کیسے کریں؟ اگر انسان اپنے جسم پر ہی غور کرے تو اِس کارخانہِ قُدرت کی نعمتوں کا شُکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔

روایت ہے کہ بعض فقرا نے کسی اہلِ دل سے اپنی مفلسی کی شکایت کی انہوں نے کہا، " کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تُم اندھے ہو جاؤ اور دس ہزار درہم مجھ سے لے لو، فقرا نے انکار کیا"، پھر فرمایا" کیا چاہتے ہو کہ دس ہزار درہم لے لو اور گونگے ہو جاؤ"، فقرا نے عرض کیا" نہیں"، اُنہوں نے فرمایا" دس ہزار لے کر دیوانہ ہونا پسند کرو گے"؟ فقرا نے کہا" نہیں"۔ انہوں نے فرمایا" تمہیں شرم نہیں آتی کہ اپنے آقا کی شکایت کرتے ہو جبکہ ذرا سی دیر میں 50 ہزار درہم کی مالیت میں نے تمہارے پاس گنوا دی ہے، پھر اُس سے شکایت کرتے ہو کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے"۔

حضرت رابعہ بصریؒ ایک دن کہیں رُکیں تھیں کہ راستے میں ایک گدڑیا دیکھا کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپؒ نے گدڑیے سے پوچھا" یہ سر پر پٹی کیوں بندھی ہوئی ہے"؟ اُس نے جواب دیا" سر میں درد ہے"، آپؒ نے فرمایا" جب روزانہ سر میں درد نہیں ہوتا تو کیا شُکر کی پٹی سر پر باندھتا تھا کہ ایک دن کے درد پر شکایت کی پٹی باندھتا ہے"۔

حکایت ہے کہ ایک قاری حافظ مفلسی کے باعث تنگ دل ہوا، خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے" تم چاہو تو ایک ہزار دینار لے لو، ہم سورۃ انعام کو بھلائے دیتے ہیں"، اُس نے کہا" نہیں"، پھر منادی نے غیب سے کہا" سورہ ہود کو بھلا دیں"؟ اُس نے کہا" نہیں"، اِس طرح منادی نے دس سورتوں کے نام لیے اور یہ سب پر انکار کرتا رہا، تب اُس نے کہا" تیرے پاس تو 10 لاکھ کی چیزیں ہیں اور تو شکایت کرتا ہے صبح کو اُس کا غم افلاس جاتا رہا"۔

یہ نعمتیں عام تھیں، اب نعمتیں خاص کے بارے میں سُنیئے کوئی بشر ایسا نہیں ہے اگر اپنے احوال کو بغور دیکھے، تو اپنے آپ میں ایک یا چند نعمتیں ایسی نہ پائے جو اُسی میں خاص ہیں، اور باقی سب لوگ اِس میں اِس کے شریک نہیں۔ اور وہ یہ کہ تین باتوں میں ہر کوئی الگ الگ ہے۔

(1) عقل (2) خلق (3) حِلم

(1) عقل

اللہ کا کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جو اپنی عقل سے خوش نہ ہو اور اپنے آپ کو عقیل تر نہ سمجھتا ہو، اِس لیے یہ کبھی نہیں کہتا، یا اللہ مجھے عقلمند بنا دے، یعنی عقل کا سوال اللہ تعالیٰ سے کم کرتا ہے یا پھر کرتا ہی نہیں ہے اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ جو عقل سے خالی ہے وہ ہی اپنے آپ کو عقلمند کہتا ہے۔ پس جب ہر کوئی اپنے اعتقاد کے مطابق اپنے عقلمند ہونے پر راضی ہے اور اپنے تئیں اپنے آپ کو سب سے عقلمند سمجھتا ہے تو پھر شکر اس نعمت پر واجب ہوا۔ جب کہ اس شُکر کے واجب ہونے کو کوئی عقلمند نہیں جانتا۔

(2) خُلق

جہاں تک خلق کا تعلق ہے، کوئی بشر ایسا نہیں جو دوسرے میں کوئی عیب ناپسند نہ کرتا ہو اور بعض اخلاق دوسرے کے بُرے نہ جانتا ہو، پھر چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کرے کہ اُس نے مجھے اچھی عادات کا مالک بنایا اور بُری عادت کوئی بھی مجھ میں نہ رکھی۔

(3) حلم

جہاں تک حلم کا تعلق ہے تو کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو اپنے نفس کے امور باطن اور افکار خفیہ ایسے نہ رکھتا ہو جو خاص اِسی میں ہوں اور اگر ان پر کوئی ایک شخص بھی مطلع ہو جائے تو رسوا ہو جائے۔ پس اِس صورت میں شُکر کیوں نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے عیوب کو سب سے پوشیدہ رکھا ہے؟۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور دین کے بارے میں اپنے سے بہتر کو دیکھے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو صابر و شاکر لکھ لیتے ہیں اور جو شخص دنیا کے معاملے میں اپنے سے بہتر کو دیکھے اور آخرت کے معاملے میں اپنے سے کمتر کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ اِس کو نہ شاکر لکھتا ہے نہ صابر''۔ (جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابو عثمانؒ نے فرمایا "عوام کا شُکر کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں پر ہوتا ہے اور خواص کا شُکر نزول الہام اور معرفتِ دِل پر ہوتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "میرے شُکر گزار بندے کم ہیں"۔ (سورہ سبا، آیت نمبر 13)

نعمت کا شُکر ہوتا رہتا ہے تو وہ پاس رہتی ہے، جب شُکر نہیں ہوتا تو نعمت جاتی رہتی ہے، اِس لیے بعض اکابر کا قول ہے کہ "اپنی نعمتوں کو شُکر سے قید کرلو"۔

اِس بارے میں فرمانِ الٰہی ہے "اگر تُم شُکر کروگے تو میں تمہاری نعمت میں زیادتی کروں گا"۔ (سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 7)

پانچ باتیں ایسی ہیں کہ عقل مند کو اِن پر خوش ہو کر شُکر کرنا چاہیے:-

ا۔ اوّل یہ کہ جو مصیبت یا مرض آئے تو جان لے کہ اِس سے بڑھ کر بھی کوئی اور مصیبت یا مرض ہوسکتا تھا۔

2۔ دوئم یہ کہ شُکر ہے مصیبت دنیا کی ہوئی، دین کی نہ ہوئی۔ چنانچہ کسی شخص نے حضرت سہیل تستریؒ سے عرض کیا "میرے گھر میں ایک چور آیا اور تمام اسباب لے گیا"، آپؒ نے فرمایا کہ "شُکر الٰہی بجالا کہ شیطان تیرے (گھر میں) خانہ دل میں گھُس کر توحید کو نہیں لے گیا"۔

اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُعا کیا کرتے تھے "الٰہی مجھ پر دینی مصیبت نہ ڈالنا" حضرت بایزید بسطامیؒ کی بابت لکھا ہے "ایک مرتبہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ اوپر سے کسی نے راکھ سے بھرا ہوا ایک برتن اُن کے سر پر اُلٹ دیا"، آپؒ نے فرمایا "شُکر الحمدللہ" "لوگوں نے کہا" اِس میں شُکر کی کیا بات ہے "؟ آپؒ نے جواب دیا" جو سر آگ کے قابل ہو اُس پر صرف راکھ ڈالی جائے تو شکر نہ کیا جائے تو اور کیا کِیا جائے"؟

بعض اکابر سے کسی نے درخواست کی "آپؒ دُعائے استسقا کے لیے باہر نہیں نکلتے کہ مینہ مُدت سے بند ہے"۔ انہوں نے جواب دیا "تُم پانی کی بارش میں تاخیر جانتے ہو اور میں پتھر کی بارش میں تاخیر سمجھتا ہوں"۔ (یعنی اعمال خلق پتھر برسنے کے قابل ہیں، اعمال ٹھیک کرو)۔

ایک حدیث قُدسی میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جب میں اپنے بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں یعنی دو آنکھوں کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض اس کو جنت عطا کرتا ہوں"۔ (صحیح بخاری)

آپ خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ہوا کرتا ہے، جس پر وہ اپنے عمل کے باعث نہیں پہنچ سکتا، پس اللہ تعالیٰ اُس کے جسم پر کوئی مصیبت بھیج دیتا ہے کہ اس کے باعث وہ درجہ اُس کو مِل جاتا ہے"۔ (کسی بیماری میں مبتلا کردیا جاتا ہے) (مسند احمد)

حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں "تم موت کے لیے پیدا کیے گئے ہو(اِس دنیا میں) اُجڑ جانے کے لیے عمارتیں بناتے ہو، تعجب ہے کہ فانی چیز میں غرق ہو، اور باقی کی فکر نہیں کرتے، جان لو کہ یہ تینوں مکروہات (ناپسندیدہ چیزیں) بہت ہی عمدہ چیزیں ہیں (1) فقر (2) مرض (3) موت"۔

حضرت اَنس بن مالکؓ فرماتے ہیں "جب خدا تعالیٰ کو کسی بندے کی بہتری منظور ہوتی ہے یا اُس سے دوستی کرنا چاہتا ہے، تو اِس پر مصیبتوں کو ڈال دیتا ہے اور حوادثات کی بوچھاڑ کر دیتا ہے پھر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں "یہ آواز تو جانی پہچانی ہے"- پھر دوبارہ پکارتا ہے اور "یارب" کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے بندے مانگ، کیا مانگتا ہے؟ جو کچھ مانگے گا دوں گا، اگر یہاں کچھ ہٹا دوں گا تو اس سے بہتر اپنے پاس تیرے لیے رکھ چھوڑوں گا"، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو عمل سارے حاضر ہوں گے، اور اعمال نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سب ترازو میں تولے جائیں گے اور ثواب اِن پر ایسے ہی ڈالا جائے گا، اُس وقت وہ لوگ جو دنیا میں عنائیت میں رہے، یہ تمنا کریں گے کہ کیا خوب ہوتا کہ دنیا میں ہمارے بدنوں کو قینچیوں سے کُتر دیا جاتا اور پھر یہاں پر ایسا ہی ثواب ہم کو ملتا جیسا کہ اہلِ مصائب کو یہاں مِل رہا ہے"۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار کی ایک جماعت نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کو دیا یہاں تک کہ جو کچھ تھا آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس ختم ہوگیا۔ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا، میں تم سے بچا نہیں رکھوں گا اور جو شخص سوال سے بچنا چاہے تو اللہ اسے بچا لیتا ہے، جو شخص بے پروائی چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ بے پرواہ بنا دے گا اور جو شخص صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرے گا اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت نہیں ملی"۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے روز جب مصیبت زدہ لوگوں کو (ان کے صبر کے بدلے بے حساب) اجر وثواب دیا جائے گا تو اس وقت (دنیا میں) آرام وسکون (کی زندگی گزارنے) والے تمنا کریں گے " کاش! دنیا میں ان کی جلدیں قینچیوں سے کاٹ دی جاتیں (تو آج وہ بھی ان عنایات کے حقدار ٹھہرتے)۔'' (جامع ترمذی)

حضرت ابودرداؓ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے لڑکے نے وفات پائی، آپؑ کو نہایت قلق ہوا، آپؑ کے پاس دو فرشتے آئے اور سامنے آکر دو زانوں بیٹھ گئے، جیسے وہ مدعی اور مدعا علیہ ہوں، ایک نے اُن میں سے عرض کیا "میں نے ایک کھیت بویا تھا، جب وہ پک کر تیار ہوگیا تو اِس شخص نے پامال کر دیا"، آپؑ نے دوسرے سے پوچھا "اِس کا تُو کیا جواب دیتا ہے"؟ اُس نے عرض کیا "میں راہ میں چلا جا رہا تھا، ایک کھیت پر گزر ہوا، دائیں بائیں ہر طرف دیکھا، راہ کھیت ہی سے نکلتی تھی، اِس لیے وہاں ہی سے گزرنا پڑا"، آپؑ نے مدعی سے پوچھا "تُو نے راستے میں بیج کیوں ڈالا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں کے لیے راستہ بھی ضروری ہوتا ہے"؟ اُس نے عرض کیا "پھر آپؑ اپنے بیٹے کے فوت ہو جانے پر کیوں غم کھاتے ہیں؟ کیا آپؑ کو معلوم نہیں ہے کہ موت آخرت کی سڑک ہے"؟ اِس سوال کو سُن کر حضرت سلیمانؑ نے توبہ کی اور پھر کبھی اپنے بیٹے کی موت پر رنج نہ کیا"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے بیٹے کے پاس گئے اور کہا، "جان پدر اگر تُو میرے ترازو میں ہو تو میرے لیے اس سے اچھا ہے کہ مَیں تیری ترازو میں ہوں"۔ اُس نے عرض کیا "آپ کی مرضی کے موافق ہو تو میرے نزدیک اِس سے اچھا ہے کہ میری مرضی کے موافق ہو"۔ خلاصہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول کا یہ ہے "اگر تُو وفات پائے اور میں صبر کروں تو میں اِس کو اچھا سمجھتا ہوں کہ میں وفات پاؤں اور تُو صبر کرے، یعنی جزائے صبر میرے نامہ اعمال میں رہے"، اور لڑکے کا جواب دیکھیے کہ جو بات باپ کو محبوب تھی اُس کو محبوب جانا۔

حضرت ابنِ مبارک کا ایک لڑکا فوت ہوگیا، ایک مجوسی نے بطور تعزیت ایک جملہ اُس کی وفات پر عرض کیا "عاقل کو چاہیے کہ آج وہ کرے جو جاہل چند روز بعد کرتا ہے (صبر)" آپؒ نے لوگوں کو کہا "اِس کا جملہ لکھ لو"۔

بعض علماء کا قول ہے "اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مصیبت ڈالتا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور ایک گناہ بھی اُس پر نہیں رہتا"۔

حضرت حاتم اصمؒ سے مروی ہے "اللہ تعالیٰ دنیا کے چار طرح کے لوگوں پر قیامت کے دن چار چیزوں میں حجت فرمائے گا۔ تونگروں پر حضرت سلیمان علیہ السلام سے، فقیروں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام سے اور مریضوں پر حضرت ایوب علیہ السلام سے"۔

روایت ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل سے بھاگ کر درخت کے اندر چھُپ گئے اور شیطان مردود نے اُن کا حال بنی اسرائیل سے کہہ دیا، تو وہ

ایک آرا لے آئے اور درخت کو چیرنا شروع کردیا، جب آپ علیہ السلام کے سر مبارک پر آرا پہنچا تو آپ علیہ السلام نے ایک آہ سر درد سے نکالی، وحی نازل ہوئی "اے زکریا علیہ السلام یہ کیا"؟ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی زبان کو دانتوں کے درمیان لے لیا اور صبر کیا، یہاں تک کہ دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔

حضرت ابن مسعود بلخیؒ فرماتے ہیں "جب کسی کو مصیبت آئے اور وہ اس میں کپڑے پھاڑے یا چھاتی کوٹے تو ایسا ہے کہ نیزہ لے کر اللہ تعالیٰ سے لڑنے کو تیار ہوا"۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا "سونے کا امتحان آگ سے کیا جاتا ہے کہ ایماندار بندے کا امتحان مصیبت سے ہوتا ہے، اِس لیے ہر مصیبت میں صابر و شاکر رہنا چاہیے"۔

حضرت عزیر علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی "جب تجھ پر بلا نازل ہو تو میری شکایت میری مخلوق سے مت کر جو کہنا ہو مجھ سے کہہ کہ میں تیری شکایت اپنے فرشتوں سے نہیں کرتا، جب وہ تیرے عیوب اور تیری خطائیں میرے پاس لاتے ہیں"۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت دونوں سے پناہ مانگنے کے لیے کہا گیا ہے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک آدمی کا دعا کرتے ہوئے سنا "الٰہی میں تجھ سے صبر کی درخواست کرتا ہوں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تُم مصیبت کا سوال کررہے ہو اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا کرو"۔ (مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کر"۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت مطرفؒ فرمایا کرتے تھے "مجھے تندرستی ملے اور میں اس پر شُکر ادا کروں یہ اِس سے بہتر ہے کہ مجھے مصیبت آئے اور میں اُس پر صبر کروں، اِس لیے کہ آدمی کو چاہیے کہ خُداوند تعالیٰ سے اِس دنیا میں نعمت کاملہ کی درخواست کرے اور اپنے اوپر سے بلاؤں کے دُور ہونے کی دُعا کرتا رہے اور نعمت کی شکر گزاری پر آخرت کے ثواب کی اُمید کرے، کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ شکر ہی کے عوض وہ سب کچھ دے ڈالے جو صبر کے عوض دینا ہے"۔

عبدالرحمن ابن ابی لیلی حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے اس مومن آدمی کے کہ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی تو اسے نے شکر کیا تو اس کے لئے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لئے اس میں بھی ثواب ہے"۔ (صحیح مسلم)

انسان کے ہر عضو کا شکر کرنا یہ ہے جس دینی بات کے لیے وہ بنا ہے اُس کو اِس میں برتے، مثلاً آنکھ سے جائز دیکھے، کان سے جائز سُنے، زبان سے جائز بات کہے وغیرہ وغیرہ۔ آنکھوں کا ادائے شُکر دوسروں کے عیوب پر نظر نہ کرنا ہے، کان کا ادائے شُکر دوسروں کے عیب سُن کر نشر نہ کرنا ہے، اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پے در پے آنے سے بندے کا شرمانا اور اپنے آپ کو شُکر کرنے سے قاصر جاننا عمداً بات ہے، اِس بات کا اقرار کرنا کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود آتی ہیں اور یہ جاننا کہ شُکر کا ادا کرنا بھی ایک نعمت ہے یہ ایک اور اچھی عادت ہے۔

روایت ہے کہ بعض انبیاء کا گُزر ایک پتھر پر ہوا، جو رو رہا تھا تو اُن کو تعجب ہوا، اللہ تعالیٰ نے پتھر کو قوتِ گویائی عطا فرمائی، اُس نے عرض کیا کہ "جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سُنا ہے کہ آتش دوزخ کی چپٹیاں آدمی اور پتھر ہوں گے تو تب سے میں خوف کے مارے روتا ہوں"، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ "الٰہی اس پتھر کو دوزخ کی آگ سے بچا دینا"، تو اُن کی دُعا قبول ہوئی، پھر کچھ مدت کے بعد انہوں نے اس پتھر کا وہی حال دیکھا اور پوچھا کہ "اب کیوں روتا ہے"؟ اس نے جواب دیا "پہلے گریہ سابقہ خوف کا تھا اور موجودہ گریہ شُکر کا ہے"۔ بندے کا دل بھی مثلِ پتھر کے یا اِس سے بھی سخت تر ہے، اِس لیے اس کی سختی اس کے بغیر دُور نہیں ہوتی کہ حالتِ خوف اور شُکر دونوں میں رو یا جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ندا ہوگی کہ بہت حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں، چنانچہ ایک گروہ کھڑا ہوگا اُن کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا، لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بہت حمد کرنے والوں سے کون لوگ مُراد ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "ایسے لوگ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کرتے ہیں"۔ (مشکوۃ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، جس میں اور بھی بہت کچھ تھا اور یہ بھی ارشاد تھا کہ "میں اولیاء کے مکافات میں شُکر سے راضی ہوتا ہوں اور شُکر کرتے وقت اور زیادہ طلب کروں گا اور اپنی طرف نظر کرنے سے ان کو زیادتی رتبہ عنائیت کروں گا"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ذکر کرنے والی زبان اور شُکر کرنے والے دل کو بہترین مال قرار دیا ہے۔ (جامع ترمذی)

دل کاشُکر یہ ہے کہ ہروقت نیکی کا ارادہ کرے، زبان کاشُکر یہ ہے کہ ہروقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اعضاءِ بدن کاشُکر یہ ہے کہ انہیں عبادتِ الٰہی میں مصروف رکھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو اپنی نعمت عطاء فرمائی اور اس نے الحمدللہ کہا تو یہ حمد اس نعمت سے افضل ہوگی"۔(ابن ماجہ، طبرانی)

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا "الٰہی ہم تیری نعمت کا شُکر کیسے ادا کریں کیونکہ شُکر ادا کرنا بھی ایک نعمت ہے، یعنی ہمارا شُکر ادا کرنا ایک اور نعمت ہو جاتی ہے۔ اِس پر شُکر ایک اور نعمت ہے اور اسی طرح ہم تیرا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا "جب تُم نے یہ جان لیا کہ تُم میرا شکر ادا کرنے سے قاصر ہو تو اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا"۔

ایک شخص نے دعا کی "الٰہی میں تجھ سے کمال نعمت کی دعا کرتا ہوں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا جانتے ہو" کمالِ نعمت کیا ہے"؟ اُس نے جواب دیا "نہیں جانتا"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کمال نعمت جنت میں داخل ہونا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا "باری تعالیٰ میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ میرے ایک بال میں تیری دو نعمتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کی جڑ تُو نے ملائم بنائی، دوسرے یہ کہ اس کا سرا تُو نے اونچا بنایا"۔

حدیث شریف میں ہے "'' بیشک اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے خوش ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا (یعنی شکر) بیان کرے اور ایک گھونٹ پانی پیئے تو اللہ کی حمد وثنا بیان کرے"۔(مسلم)

نعمت کی دو قسمیں ہیں:

(1) **مطلق** کہ ہر وجہ سے نعمت ہو خواہ آخرت میں، جیسے سعادتِ قُربِ الٰہی سے مُشرف ہونا، خواہ دنیا میں جیسے ایمان اور حُسنِ خُلق۔

(2) **مقید** کہ ایک طرف کی نعمت ہو اور دوسری طرف سے مصیبت جیسے مال کہ اِس سے دین میں بہتری ہوسکتی ہے مگر چونکہ اس سے فسادِ دین بھی ہوسکتا ہے اس اعتبار سے مصیبت ہے۔

اِسی طرح بلا بھی دو طرح کی ہیں:

(1) **مطلق** وہ مصیبت جو ہر طرح سے بلند ہو، مثلاً آخرت کی اللہ تعالیٰ سے دوری اور دنیا میں کفر، بدخلقی اس کا انجام ہر طرح سے مصیبت اور بلا ہے۔

(2) مقید کی مثال: جیسے فقر حرص، خوف اور تمام انواع کے مصائب جو صرف دنیا میں ہوں اور دین میں نہ ہوں یہ سب مقید ہیں۔ اب جو نعمت مطلق ہے اس پر شکر مطلق چاہیے۔

یاد رکھنا کہ **شاکر** وہ ہے جو اپنی نعمت عطا شُدہ پر شُکر کرتا ہے اور **مشکور** وہ ہے کہ نعمت کے گُم ہونے پر (شکر) صبر کرتا ہے۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا شکر نعمت دینے والے کو دیکھنا ہے نہ کہ نعمت کو دیکھنا، شکر نعمت کو ضائع ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ بزرگانِ سلف کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے پوچھتے ہیں "کیسے ہو"؟ اِن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرا جواب میں کہے کہ الحمدللہ۔ اس طرح سوال کرنے والا اور جواب دینے والا دونوں ثواب میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی سے سوال کیا جائے کہ کیسے ہو؟ تو وہ شکر ادا کرے یا خاموشی اختیار کرے۔ شکر ادا کرنے سے عبادت میں شامل ہو جائے گا اور خاموشی اختیار کرنے میں عاجزی کرنے والوں میں لکھ دیا جائے گا۔ شکایت کرنا یا شکوہ کرنا ناپسندیدہ فعل ہے، اگر قضائے الٰہی پر صبر کے ساتھ راضی نہیں رہ سکتے تو شکوہ بھی نہ کیا جائے۔

ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ جس شخص میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا کچھ بھی احساس ہوگا وہ ایمان کے سوا کوئی دوسری راہ کبھی اختیار نہ کرے گا۔ اس لیے شکر اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔ جہاں شکر ہوگا وہاں ایمان ہوگا۔ شکر گزاری یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس کی نعمت کو جان کر اُس پر شکر کیا جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ذکر کرنے والا دل اور شکر کرنے والی زبان عطا فرمائے۔ **(آمین)**

****

شکرگزارکون؟

شکرنصف ایمان ہے۔(بیہقی،شعب الایمان،109:4،رقم:4448)

نعمتوں کی پہچان: شکر کے ارکان میں سب سے بڑا رکن نعمتوں کو پہچاننا ہے۔کیونکہ نعمت کو پہچانے بغیر شکر کا وجود محال ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعمتوں کو پہچاننا ہی منعم کی پہچان کا راستہ ہے۔انسان کے ہر سانس میں اللہ تعالی کی نعمتوں کا خزانہ پوشیدہ ہے۔

سیدنا حضرت ابودرداء رضی اللہ نے فرمایا''جو کھانے اور پینے کے علاوہ اپنی ذات پر اللہ تعالی کی کسی اور نعمت کو نہیں پہچانتا درحقیقت اس کا علم کم ہوگیا ہے اور اس کے عذاب کا وقت آ گیا ہے''----عام لوگوں کا شکر کھانے،پینے،لباس اور جسموں کی قوت پر ہوتا ہے جبکہ خاص لوگوں کا شکر توحید،ایمان اور دلوں کی قوت پر ہوتا ہے۔

امام بن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں''شکر دل،زبان اور اعضاء سے ہوتا ہے''۔

دل کا شکر یہ ہے کہ منعم نعمتوں کا اعتراف کرے کہ بے شک تمام نعمتیں اللہ تعالی کے فضل سے ہیں اور ان نعمتوں کے ملنے پر اللہ تعالی سے محبت کرے۔

زبان کا شکر یہ ہے کہ نعمتوں کی تعریف اور ان کا تذکرہ کیا جائے۔

قرآن پاک سورۃ الضحی،آیت نمبر 11 میں فرمان الہی ہے: ترجمہ:''اور اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کرو''۔

اعضاء کا شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں کو اللہ کی کسی بھی نافرمانی میں استعمال کرنے سے ڈرا جائے۔توشکر یہ ہے کہ عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے منعم کی نعمتوں کا اعتراف کرنا نعمتوں کی نسبت اس عطا کرنے والے کی طرف کرنا۔منعم کے انعام کا ذکر کرکے اس کی تعریف کرنا۔دل سے اس کی محبت اور اعضاء سے اس کی اطاعت پر جم جانا اور زبان پر اس کا ذکر جاری رہنا۔اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کا شکرادا کریں اور اس کے فضل کا اعتراف کریں۔

قرآن پاک سورت بقرہ آیت نمبر 152 میں فرمان الہی ہے ترجمہ:-''پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکرادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو''۔

سورہ لقمان،آیت نمبر 14 میں فرمایا: ترجمہ:''میرا شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی اور میری طرف لوٹنا ہے''۔

سورہ نساء،آیت نمبر 147 میں فرمایا: ترجمہ:''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟اگر تم شکرادا کرو اور ایمان لے آؤ''

اللہ تعالی کے نزدیک سب سے مغبوض چیز ناشکری اور ناشکرگزار ہیں۔اور سب سے محبوب چیز شکر اور شکرگزار ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ شکرگزار کون ہے؟

جس نے نعمت اور نعمت دینے والے کو پہچان لیا،اور اس نعمت کا اقرار کیا،اور نیا نعمت دینے والے کے لیے عاجزی اختیار کی،اس سے محبت کی،اس سے راضی ہوگیا۔اور اس نے عمل کو دینے والے کی محبوب جگہ اور اس کی اطاعت میں خرچ کیا۔تو دراصل یہی ہیں شکرادا کرنے والے۔

سورہ ابراہیم،آیت نمبر 34 میں فرمان الہی ہے:''اگر تم اللہ تعالی کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا شمار نہ کرسکو گے بے شک انسان یقیناً بہت ظالم اور بڑا ناشکرا ہے''۔

اللہ تعالی نے اس بات کی خبر دے دی ہے کہ نعمتوں کی حفاظت،ان کا قائم رہنا،ان کا ختم نہ ہونا اور ان نعمتوں میں اضافہ ہوتے رہنا شکرگزاری کے ساتھ منسلک ہے۔

قرآن پاک سورۃ ابراہیم،آیت نمبر 7 میں فرمان الہی ہے۔ ترجمہ:-''اور تمہارے رب نے تمہیں آگاہ کردیا ہے کہ اگر تم شکرادا کرو گے تو میں ضرور تمہیں مزید عطا کردوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو بلاشبہ میرا عذاب یقینا بہت سخت ہے''۔

سورۃ آل عمران،آیت نمبر 144 میں فرمان الہی ہے: ترجمہ:''اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ یقیناً شکر کرنے والے ہی عبادت کرنے والے ہیں اور جو اس کا شکرادا نہیں کرتا تو وہ اس کی عبادت کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا۔

سورۃ بقرہ،آیت نمبر 172 میں فرمان الہی ہے: ترجمہ:-''اور اللہ کا شکرادا کرو اور اس کی عبادت کرتے رہو''۔

سلف صالحین کا کہنا ہے کہ جب ان سے یہ بات کہی گئی تو ان پر کوئی ایسی گھڑی نہ آتی تھی جب ان میں سے کوئی نہ کوئی اللہ تعالی کی عبادت نہ کرتا ہوتا تھا۔

اللہ تعالی کی نعمتوں کو نہ تو گنا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہم اس کی نعمتوں کا حق ادا کرسکتے ہیں۔

سب سے بڑی نعمت: **1۔اسلام اور ایمان کی نعمت:-** اللہ تعالی کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور ایمان جیسی نعمت سے نوازا۔

مجاہد رحمۃ اللہ اللہ تعالی کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں ترجمہ:''اور ہم نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردیں'' کہتے ہیں کہ اس سے مراد''لا الہ الا اللہ'' ہے۔

ابن عینیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالی نے بندوں کی لا الہ الا اللہ کی معرفت سے افضل کوئی نعمت عطا نہیں فرمائی''۔

ابن ابی خواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہ سے کہا ''توحید ہم پر کتنی عظیم نعمت ہے! ہم اللہ تعالی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہم سے یہ دامن کبھی نہ چھینے''۔

2۔ پردہ پوشی اور مہلت دینے کی نعمت:- مقاتل رحمتہ اللہ نے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا "اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردیں" وہ کہتے ہیں "ظاہری نعمت تو اسلام ہے اور باطنی نعمت اس کا تمہاری نافرمانی پر پردہ ڈالنا ہے"۔

3۔ یاد دہانی کی نعمت:- ابن قیم ؒ فرماتے ہیں ''اور بندے پر اللہ تعالی کی باریک نعمتوں میں سے (جن کو وہ سمجھ نہیں پاتا) یہ ہے کہ وہ اپنے دروازے کو (بخل کی وجہ سے) اپنے اوپر بند کرلیتا ہے تو اللہ اس کی طرف ایسے آدمی کو بھیجتا ہے جو اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس سے کچھ مانگتا ہے تاکہ اللہ تعالی اس کو اس پر اپنی نعمت کی پہچان کروائے''۔

4۔ توبہ کا دروازہ کھلا رکھنے کی نعمت:- یہ اللہ تعالی کا بندوں پر بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔

حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''بے شک اللہ تعالی نے مغرب کی جانب توبہ کا ایک دروازہ کھول رکھا ہے جس کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت ہے۔ وہ اس کو بند نہیں کرے گا جب تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ ہوجائے''۔ (احمد و ترمذی)

غور کرتے رہنا چاہیے کہ کہاں ہیں اور کون ہیں توبہ کرنے والے؟ کہاں ہیں رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے؟ کہاں ہیں حمد کرنے والے اور شکر ادا کرنے والے؟

5۔ چُنے جانے کی نعمت:- اس خاص نعمت کو صرف اہل استقامت، اہل تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فتنوں کے زمانے میں ان لوگوں کو اپنے دین پر قائم رکھا اور ان کو اپنے وقت میں اپنی اطاعت کی طرف موڑ لیا۔ جس وقت اس نے اکثر لوگوں کو اپنی اطاعت سے پھیر دیا۔ ان کے دلوں میں ایمان کو محبوب اور مزین کردیا۔ ان کے لیے کفر اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنادیا۔ اور یہ بڑی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جن پر اللہ تعالی مکمل شکر گزاری اور انتہائی حمد کا حقدار ہے۔

وہب بن منبہ ؒ اور ان کے ہمراہ ایک شخص ایک مصیبت زدہ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ وہ شخص نابینا، کوڑھی، اپاہج اور برص کے مرض میں مبتلا تھا۔ اس کے باوجود وہ کہہ رہا تھا "میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر گزار ہوں"۔ وہب بن منبہ ؒ کے ہمراہ اس وقت ایک شخص تھا اس نے اس اپاہج شخص کا یہ جملہ سنا اور فوراً کہا "اے شخص اللہ کی کون سی نعمت تیرے پاس ہے جس کا تو شکر ادا کررہا ہے"؟ یہ شخص ایک ایسی بستی میں رہتا تھا جو اللہ کے نافرمان تھی۔ اس مصیبت زدہ شخص نے کہا "ذرا میری بستی والوں کی طرف نظر کرو۔ ان کی کثیر تعداد جو اعمال کررہی ہے ان کو دیکھو۔ کیا میں اس بات پر اللہ تعالی کا شکر ادا نہ کروں کہ میرے علاوہ اس بستی میں کوئی بھی اللہ کو نہیں پہچانتا"؟

6۔ صحت، عافیت اور اعضاء کی سلامتی کی نعمت:- ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالی سے پوچھا ''اے باری تعالی! اگر انسان دنیا کی صرف ایک نعمت تجھ سے مانگے تو کس چیز کا سوال کرے''۔ اللہ تعالی نے فرمایا ''صحت کا'' ---- حضرت ابو درداء رضی اللہ فرماتے تھے ''تندرستی بادشاہی ہے''۔

7۔ مال کی نعمت:- (کھانا، پینا اور لباس) حضرت عائشہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ ''جو بندہ بھی خالص اور صاف پانی پیئے اور پھر وہ پانی بغیر تکلیف کے اس کے حلق سے نیچے اتر جائے اور بغیر تکلیف کے خارج ہوجائے تو اس پر شکر کرنا واجب ہے''۔

بعض صالحین نے عید کے دن اپنے خطبہ میں فرمایا ''تم نے اچھے حال میں صبح کی جبکہ کچھ لوگوں نے غبار آلود حال میں۔ کچھ لوگوں نے کپڑے پہنتے ہوئے صبح کی۔ کچھ لوگوں نے پیدل چلتے ہوئے صبح کی اور کچھ لوگوں نے سواری کرتے ہوئے۔ کچھ لوگوں نے غلہ کاشت کرتے ہوئے صبح کی جبکہ تم نے کھاتے ہوئے۔ پھر وہ خود بھی روئے اور لوگوں کو بھی رلایا کہ یا اللہ ہم تیری کس کس نعمت کا شکر ادا کریں"؟

جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے پر اپنی نعمت کو مکمل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کی موجودہ نعمت کی پہچان کروادیتا ہے اور اس کو شکر کی توفیق عطا کرتا۔ وہ اسے ایسے عمل کی توفیق دے دیتا ہے جس کے ذریعے وہ اس نعمت کو حاصل کرلیتا ہے جس کا اس کو انتظار ہوتا ہے۔ اسے ایسے راستے دکھادیتا ہے۔ وہ اسے ان نعمتوں کی پہچان بھی کروادیتا ہے۔ جو اس کو حاصل ہوتی ہیں، لیکن اس کو ان نعمتوں کی موجودگی کا شعور نہیں ہوتا۔

یاد رکھیئے گناہوں کو چھوڑ دینا، نافرمانیوں سے باز رہنا، اللہ تعالی کی نعمتوں کا اعتراف کرنا اور اپنے سے کم تر لوگوں پر نگاہ رکھنا ہی شکر میں شامل ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال و دولت اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اسے ایسے

شخص کو بھی دیکھنا چاہئے جو اس سے کم درجے کا ہے، جس پر (خود) اسے فضیلت دی گئی‘‘۔ (متفق علیہ)

مندرجہ ذیل امور و شکر کرنے کی علامت ہیں۔ 1۔اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا 2۔انکساری اختیار کرنا اور تکبر کو چھوڑ دینا

3۔شکر کرنے میں کمی کوتاہی کے مقام کو پیش نظر رکھنا 4۔نفس اور شیطان سے جہاد کرنا 5۔ اور اہل غفلت کی صحبت سے بچنا۔

بندے کو جان لینا چاہیے کہ وہ شکر میں جتنا مبالغہ بھی کرے پھر بھی اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی صحیح حق ادا نہیں کرسکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی ایک نعمت ہے۔ جس پر ایک اور شکر کرنا ضروری ہے۔

ہمیں یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل کرے اور ہمیں شکر کے راہ پر چلنے اور اسکی بلند منزل تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت معاذؓ نے فرمایا ’’اللہ کی قسم یقیناً میں تم سے محبت کرتا ہوں پس تم ہر نماز کے بعد یہ کہنا نہ بھولنا: اللهم أعني على ذكرك، وشكرك، وحسن عبادتك ’’اے اللہ مجھے ذکر کرنے، شکر کرنے اور بہترین عبادت کرنے کی توفیق عطا فرما‘‘۔ (احمد، ابوداود، نسائی)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے تعریفی کلمات:۔ آپ خاتم النبیین ﷺ صبح و شام یہ دعا فرماتے: ’’اے اللہ مجھے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو جو نعمت بھی حاصل ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔ پس تیری ہی حمد اور تیرا ہی شکر ہے‘‘۔ اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ خبر دی کہ ’’بے شک جس نے صبح کے وقت یہ کلمات ادا کیے تو اس نے اپنے اس دن کا شکر ادا کر دیا۔ اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات ادا کیے تو اس نے اپنے رات کا شکر ادا کر دیا‘‘۔ (مشکوۃ المصابیح)

مدرجہ بالا مضمون میں ہم نے شکر کی فضیلت اور اس کی حقیقت جان لی ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ شکر کرنے والے کون لوگ ہیں؟ اس لئے ہمیں غور کرنا ہے کہ: 1۔کیا ہم واقعی اللہ تعالیٰ کو صدق دل سے چاہنے والوں میں سے ہیں؟ 2۔کیا ہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت کا اعتراف کرتے ہوئے شکر کرنے والوں میں سے ہیں؟

3۔کیا ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والوں میں سے ہیں؟

4۔کیا ہمارے دل پر شکر کا اثر ظاہر ہوا ہے؟ 5۔کیا ہماری زبان پر شکر کا اثر ظاہر ہوا ہے؟

6۔کیا ہمارے اعضاء پر شکر کا اثر ظاہر ہوا ہے؟ 7۔کیا ہمارے اخلاق اور معاملات میں شکر کا اثر ظاہر ہوتا ہے؟

اور پھر اگر ہم اپنے حالات پر نظر ڈالے تو ہم دیکھیں گے کہ کیا اسلام کے نعمت پر شکر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ:

1۔کیا یہ نعمتوں کی شکر گزاری ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کریں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے ہیں؟

2۔کیا یہ نعمتوں کی شکر گزاری ہے کہ آج کل عورتوں کی کثرت زیب و زینت کو ظاہر کرنے والی ہیں؟

3۔کیا یہ نعمتوں کی شکر گزاری ہے کہ عورتیں ایسے فتنہ انگیز لباس زیب تن کر رہی ہیں کہ جس کی وجہ سے شریعت، احیاء، وقار اور پاکدامنی کی دھجیاں اڑ گئیں ہیں؟

4۔کیا مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے ہونے کے باوجود نماز نہ پڑھنا۔ ان کا جمعہ اور نماز باجماعت کا چھوڑنا اور گروہوں کا پیروکار رہنا بھی شکر گزاری میں سے ہے؟ 5۔کیا بہت سے لوگوں کا ماہ رمضان میں روزے نہ رکھنا نماز تراویح وغیرہ کو کوئی اہمیت نہ دینا کیا یہ شکر گزاری ہے؟

6۔کاروباری حضرات کا رمضان کے مہینے میں دن رات کاروبار کرنا اور دن میں روزے، نماز تراویح کا خیال نہ کرنا اور یہ کہہ دینا کہ یہ ایک ماہ تو سال میں کمائی کا مہینہ ہے۔ کیا یہ رمضان کے مہینے کو اس طرح ضائع کرنا شکر گزاری ہے؟ دنیا کی کمائی کی اتنی فکر آخرت کی اتنی بے فکری یہ کیا ہے؟

7۔کیا اپنی راتوں کو T.V کے سامنے جاگ کر اور موبائل فون اور T.V میں مشغول رہ کر نماز اور عبادات کو نظر انداز کر دینا۔ کیا یہ شکر گزاری ہے؟

8۔کیا مسلمانوں کی اکثریت کا فریضہ، حج کو اپنی مکمل قدرت و استطاعت ہونے کے باوجود مؤخر کرنا شکر گزاری ہے؟

9۔کیا زکوۃ ادا نہ کرنا اور صدقات سے اپنے ہاتھ روک لینا اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ نہ کرنا شکر گزاری ہے؟

10۔کیا سودی معاملہ کر کے اللہ تعالیٰ سے کھلم کھلا جنگ کرنا شکر گزاری ہے؟ 11۔کیا راتوں کو دیر تک جاگ کر تفریح کرنا اور صبح دیر تک سونا شکر گزاری ہے؟

12۔کیا موبائل کی نعمت کو منفی کاموں میں استعمال کرنا شکر گزاری ہے؟

یاد رکھیئے کے اگر ہر نعمت کے ملنے پر ہمارے دل میں اسکے عطا کرنے والے کی محبت میں اضافہ نہیں ہوتا تو ہم شکر گزار نہیں ہیں۔ اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی ہر خواہش پر مقدم نہیں رکھتے تو پھر ہم صابر بھی نہیں ہیں۔

اخوت فی اللہ یا محبت فی اللہ

جو محبت ایسی ہو کہ اگر خدا اور آخرت پر ایمان نہ ہوتا تو وہ محبت بھی نہ ہوتی، وہ محبت ''محبت فی اللہ کہلاتی ہے'' ایک دوسرے سے محبت فی اللہ کرنی اور دین میں بھائی بننا افضل ترین بات ہے اور جو طاقتیں کہ عادات میں سے نکلتی ہیں ان سب میں یہ زیادہ لطیف ہے لیکن اس کی کچھ شرطیں ہیں جن کے باعث آدمی دوست فی اللہ کے زمرے میں گنے جاتے ہیں اور چند حقوق ہیں کہ ان کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے یہ دوستی آمیزش کدورت اور وساوس شیطانی سے خالی ہو جاتی ہے۔

فضائل:۔ واضح ہو کہ الفت خوش خلقی کا نتیجہ ہے اور جدا رہنا بد خلقی کا ثمر پس خوش خلقی آپس کی دوستی، الفت اور موافقت کا سبب بنتی ہے اور بد خلقی بغض اور حسد اور جدائی کا سبب بنتی ہے۔ دین کے اندر خوش خلقی کی فضیلت بہت ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی تعریف کی اور فرمایا:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ترجمہ:"اور تو پیدا ہوا ہے بڑے اخلاق پر"۔ (سورۃ القلم، آیت نمبر 4)

ہمارے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو چیز لوگوں کو جنت میں زیادہ لے کر جائے گی وہ اللہ کا ڈر اور خوش خلقی ہے''۔(مسند احمد)

حضرت اسامہؓ عرض کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "انسان کو بہترین چیز کیا ملی ہے"؟ فرمایا"حسن خلق"۔(مشکوۃ المصابیح)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایمان والوں کے آپس کے تعلقات اور اُخوت و محبت کو ایک جسم کے مختلف اعضاء سے تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ترجمہ:''ایمان والوں کی آپس کی محبت، رحم دلی اور شفقت کی مثال ایک انسانی جسم جیسی ہے کہ اگر جسم کا کوئی حصہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو (وہ تکلیف صرف اُسی حصہ میں منحصر نہیں رہتی، بلکہ اُس سے) پورا جسم متأثر ہوتا ہے، پورا جسم جاگتا ہے اور بخار و بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''(صحیح بخاری)

ابوادریس خولانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذؓ کی خدمت میں عرض کیا" مجھ کو آپ سے محبت فی اللہ ہے" فرمایا" مژدہ ہو پھر مژدہ ہو کہ میں نے ''رسول خدا خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے سنا کہ قیامت کے روز کچھ لوگوں کے لیے عرش کے گرد کرسیاں بچھیں گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہونگے۔ اُس دن لوگ گھبرائیں گے اور ڈریں گے اور یہ لوگ نہ گھبراہٹ میں ہوں گے نہ خوف میں اور یہ لوگ اللہ کے ولی ہوں گے کہ ان پر کچھ خوف نہ ہوگا نہ غم" لوگوں نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" وہ محبت فی اللہ رکھنے والے لوگ ہوں گے"۔(سنن ابی داؤد، مشکوۃ المصابیح)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میری خاطر ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے واسطے واجب ہے جو میرے واسطے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میری خاطر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں"۔(مشکوۃ المصابیح)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" نبی جنت میں جائے گا، صدیق جنت میں جائے گا اور وہ شخص بھی جنت میں جائے گا جو محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے کسی بھائی سے ملنے شہر کے مضافات میں جائے"۔(معجم اوسط، ۱/ ۴۷/۲، حدیث: ۱۷۴۳)

پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو دو شخص آپس میں فی اللہ محبت کرتے ہیں ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو دوسرے سے زیادہ محبت رکھتا ہے"۔(مستدرک حاکم)

واقعی بہت خوش نصیب ہے وہ شخص جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے مسلمان بھائی سے محبت کرتا ہے، کسی بھی عمل کے قبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے، جو عمل رضائے الٰہی کے لیے نہ ہو وہ عمل مردود ہو جاتا ہے۔ رضائے الٰہی کے لیے اپنے مسلمان بھائی سے محبت کرنے والے سے تو جنت بھی خوش ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرتِ سیدنا اَنسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا' جب کوئی اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے" تونے اچھا کیا اور تیرے لیے پاکیزہ جنت ہے" اور اللہ اپنے عرش کے ملائکہ سے فرماتا ہے:" میرا بندہ میرے لئے لوگوں سے ملتا ہے، اس کی میزبانی کرنا میرے ذمہ ہے۔" پھر اللہ اس کے لئے جنت کے علاوہ کسی ثواب پر راضی نہیں ہوتا۔''(مجمع الزوائد)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر وحی بھیجی" اگر تم میری عبادت تمام آسمانوں اور زمین کے باشندوں کی سی کرو اور محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ تم میں نہ ہو تو وہ عبادت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی"۔ اسی بنا پر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ' اہل معصیت سے دشمنی کر کے خدائے تعالیٰ کی محبت پیدا کرو اور ان سے دور رہ کر اللہ کا تقرب حاصل کرو اور ان کو ناراض کر کے اللہ کی رضا کے طالب ہو"۔ لوگوں نے عرض کیا" یاروح اللہ ہم لوگ کس کے پاس بیٹھا کریں"۔ فرمایا'' **ان لوگوں کے پاس بیٹھو جن کے دیکھنے سے اللہ یاد**

آئے اور جن کی تقریر تمہارا علم بڑھے اور جن کا عمل تم کو شوقِ آخرت دلائے"۔

ا اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی اور دنیاوی مقاصد کے لیے دوستی کی تفصیل:۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے "دس آدمیوں میں سے دو کا اتفاق جب ہی ہوگا کہ ایک میں دوسرے کا کوئی وصف پایا جائے اور لوگوں کی شکلیں ایسی ہیں جیسے پرندوں کی جنسیں کہ اڑنے میں دو قسم کے پرند کبھی متفق نہیں ہوتے اور بدون (بغیر) مناسبت ان کی پرواز ایک ساتھ نہیں ہوتی"۔

اگر ایک مومن اس مجلس میں جائے جس میں سو منافق ہوں اور ایک ایماندار ہو تو وہ اسی ایماندار کے پاس بیٹھے گا اور اگر ایک منافق ایسی مجلس میں جائے جس میں سو ایماندار اور ایک منافق ہو تو وہ اسی منافق کے پاس آکر ہم نشست ہوگا۔ کیونکہ مثل کو مثل کی طرف کشش ہوتی ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''روحیں لشکر کے لشکر مجتمع ہیں بس جو ان میں باہم شناسا ازل میں ہوگئیں وہ دنیا میں الفت کرتی ہیں اور جو اجنبی رہیں وہ جدا رہتی ہیں''۔ (مسند احمد، مشکوۃ)

مصاحبت اور دوستی کے حقوق: واضح ہو کہ عقد اخوت دو اشخاص کے درمیان ایک علاقہ ہے جیسے نکاح، خاوند اور بی بی میں ایک علاقہ ہوتا ہے جس طرح نکاح کے کچھ حقوق ہیں اس طرح عقد اخوت کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

جس سے بھائی چارہ ہو تو اس کا حق تم پر، مال میں، نفس میں، زبان میں اور دل میں ہوگا۔

1- مال میں حق: ایک شخص حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ''میں آپ سے اخوت فی اللہ کرنا چاہتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا ''تو اخوت کا حق بھی جانتا ہے''؟؟ اس نے عرض کیا "مجھ کو بتا دیجئے"، آپ نے فرمایا کہ ''تو اِس اخوت کے بعد اپنے دینار و درہم کا مستحق مجھ سے زیادہ نہیں رہے گا''۔ اس نے کہا کہ ''میں ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا ہوں''۔ آپ نے فرمایا ''پھر میرے پاس سے رخصت ہو جا''۔

امام زین العابدینؒ نے ایک شخص سے فرمایا "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی آستین یا ہتھیلی میں ہاتھ ڈال کر جو چاہتا ہے بغیر اس کی اجازت کے لے لیتا ہے یا نہیں"؟ اس نے عرض کیا ''نہیں''۔ آپ نے فرمایا کہ ''بھائی نہیں ہو''۔

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی خدمت میں آیا آپ کا ارادہ اس وقت بیت المقدس جانے کا تھا اس شخص نے عرض کیا "میں آپ کا رفیق ہوا چاہتا ہوں"، آپ نے فرمایا اس شرط پر کہ ''تیری چیز پر تجھ سے زیادہ میرا اختیار ہوگا''۔ اس نے کہا یہ ''مجھ کو منظور نہیں ہے''۔ آپ نے فرمایا کہ ''مجھ کو تیرا سچ کہنا اچھا معلوم ہوا''۔

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں "اگر بالفرض ساری دنیا میرے ساتھ ہو اور میں اس کو اپنے ایک فی اللہ دوست کے منہ میں رکھ دوں تو اس کے حق میں میں اس بات کو بھی کمتر جانوں گا" اور یہ بھی انہی کا ارشاد ہے "میں لقمہ اپنے دوست کو کھلاتا ہوں اور مزہ اپنے گلے میں پاتا ہوں"۔ اور چونکہ دوستوں پر خرچ کرنا (دوست فی اللہ پر) فقیروں پر خیرات کرنے سے افضل ہے اسی لیے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں "بیس درہم جن کو میں کسی اپنے دوست فی اللہ کو دوں۔ میرے نزدیک اس سے بہتر ہیں کہ 100 درہم مساکین پر خیرات کروں" اور یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے "اگر میں صالح کھانا تیار کر کے اس پر اپنے فی اللہ دوستوں کو جمع کروں تو میرے نزدیک اس سے اچھا ہے کہ ایک غلام آزاد کروں"۔

2- نفس میں حق: مسلمان بھائی حاجت کے وقت اپنے تن من اور دھن کے ساتھ حاجت پوری کرنے کی کوشش کرے۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ آگاہ رہو "اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے کچھ برتن ہیں اور وہ دل ہیں۔ تو سب برتنوں میں محبوب تر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے صاف اور سخت تر اور نرم تر ہوں۔ زیادہ صاف گناہوں سے اور زیادہ سخت دین میں اور زیادہ نرم بھائیوں پر"۔ (السلسلۃ الصحیحۃ)

3۔ زبان پر حق: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں جس طرح تم کو اپنے دوست کی برائیاں کرنے سے خاموشی واجب ہے اسی طرح دل سے سکوت کرنا بھی واجب ہے، یعنی اس کے ساتھ دل میں بدگمانی مت رکھو، کیونکہ بدگمانی دل کی غیبت ہے۔

واضح ہو کہ آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔ بعض حکما کا قول ہے "بھائیوں پر ظاہر کا عتاب بہ نسبت باطنی کینہ کے اچھا ہے اور جس شخص کے دل میں کسی مسلمان کا کینہ ہوتا ہے تو اس کا ایمان ضعیف ہے اور اس کا معاملہ خطرناک ہے کہ اس کا دل صلاحیت دیدار الٰہی نہیں رکھتا"۔ ابو زید سے کسی نے پوچھا ''کہ تم کس صفت کے آدمی سے محبت رکھتے ہو؟ فرمایا کہ "جو میرا وہ مخفی حال جانتا ہو جو خدائے تعالیٰ کو معلوم ہے اور پھر ان

کو ایسا ہی چھپاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ پردہ پوشی کرتا ہے۔''

4۔ پردہ پوشی کا حق: چوتھا حق دوست کا دوست کی پردہ پوشی پر ہے اور دوست کے عیوب پر آگاہ کرنے پر ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ

"خدا تعالیٰ سے محبت موافقت کے ساتھ اختیار کرو۔　　　　اور خلق سے محبت نصیحت کے ساتھ اختیار کرو۔

اور نفس سے محبت مخالفت کے ساتھ اختیار کرو۔　　　　اور شیطان سے محبت عداوت کے ساتھ اختیار کرو''۔

حضرت عمرؓ عیوب پر آگاہی دینے والے کو ہدیہ فرمایا کرتے تھے۔حضرت عمرؓ کے پاس حضرت سلمان فارسیؓ آئے، آپؓ نے پوچھا" مجھے میرے عیوب بتائیں"؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا" آپ کے پاس دو لباس ہیں اور آپ دستر خوان پر دو سالن جمع کرتے ہیں"۔حضرت عمرؓ نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔

5۔لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرنے کا حق: پانچواں حق اخوت کا یہ ہے کہ دوست کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دے، کیونکہ قصور جن کا دوست مرتکب ہو دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔

1۔ یا تو کسی معصیت کے ارتکاب سے اپنے دین میں کوتاہی کرتا ہے یا　　　　2۔خاص تمہارے حق میں کمی کرتا ہے

تو جو قصور دین میں گناہ کے مرتکب ہونے یا اس پر اصرار کرنے سے ہو تو اس کے لیے تم کو نصیحت میں نرمی برتنی چاہیے تاکہ اللہ کے کرم سے جلد توبہ کی طرف لوٹ آئے۔اور اگر خاص تمہارے حق میں کمی کرتا ہے تو بتقاضہ عقد اخوت واجب ہے کہ دوست کو چاہیے کہ اپنے دوست کی خطا کے لیے ستر عذر نکالے اور پھر بھی دل نہ مانے تو اپنے نفس کو ملامت کرے اور کہے کہ'' تو کتنا سخت دل ہے۔کہ تیرا یار ستر عذر کرتا ہے اور تو نہیں مانتا۔اس سے معلوم ہوا کہ معیوب تو ہی ہے اس کی خطا نہیں''۔پس پھر اگر اس کو اچھا کہنا قبول نہ کرے تو اتنا ہی ہو کہ اگر ہو سکے تو غصہ نہ ہو۔

6۔ دعا کا حق: چھٹا حق اخوت کا یہ ہے کہ اپنے دوست کے لیے زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد دعا مانگا کرے جو اپنے لیے مانگا کرتا ہے۔

حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں" میں اپنے ستر دوستوں کے لیے سجدے میں نام لے کر دعا کرتا ہوں"۔محمد بن یوسف اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ'' نیک بخت دوست جیسا آدمی کہاں ملے گا؟ کہ تمہارے مرنے کے بعد گھر والے تو تمہارا ترکہ بانٹیں اور جو کچھ تم نے چھوڑا ہے اس سے چین اڑائیں اور صرف وہ تنہا تمہارا غم کرے تمہارے اعمال گزشتہ اور احوال آئندہ کا اس کو تردد ہو، رات کی تاریکی میں تمہارے لیے دعا مانگے جب کہ تم مٹی کے ڈھیر کے نیچے ہو''۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ'' مردے کا حال اپنی قبر میں ڈوبنے والے کا سا ہے جو کسی بھی چیز کا سہارا چاہتا ہے۔مردہ بھی اپنے باپ، بیٹے، بھائی یا قریب یا دوست کی دعا کا منتظر رہتا ہے اور مردوں کی قبروں پر زندوں کی دعا سے نور پہاڑوں کے برابر آجاتے ہیں"۔(مشکوۃ المصابیح)

7۔وفا اور اخلاص کا حق: ساتواں حق اخوت کا وفا اور اخلاص ہے۔وفا کے معنی یہ نہیں کہ دوست کی زندگی تک اس کی دوستی پر ثابت اور قائم رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اور دوستوں اور اقارب سے وہی فاصلہ رکھے اس لیے کہ دوستی سے غرض یہ ہوتی ہے کہ آخرت میں کام آئے۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' روز محشر جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا ان میں سے دو شخص وہ ہوں گے جنہوں نے باہم محبت فی اللہ کی اسی پر اکھٹے رہے اور اسی پر جدا ہوئے"۔(صحیح بخاری، مشکوۃ المصابیح)

8۔تکلف نہ کرنے کا حق: آٹھواں حق اخوت کا یہ ہے کہ دوست کو تکلیف نہ دے اور اس سے تکلف نہ کرے۔یعنی اس پر اپنا کوئی بوجھ نہ ڈالے۔ بلکہ اس کی دوستی سے سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی مقصود نہ رکھے اور یہی سمجھے کہ اس کی دعا سے برکت ہوگی اور ملاقات سے جی خوش ہوگا اور دین پر مدد ملے گی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں'' دوستوں میں سے بدتر وہ ہے جو تیرے لیے تکلف کرے اور اس کی مدارت تجھے کرنی پڑے''۔کسی شخص سے سوال ہوا کہ محبت کس سے کی جائے؟ جواب دیا کہ'' جو شخص تم سے تکلف کا بار دور کر دے''۔ حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ'' سب سے بھاری میرے دوستوں میں مجھ پر وہ ہے جو میرے لیے تکلف کرتا ہے اور میں اس سے شرماتا ہوں اور سب سے ہلکا مجھ پر وہ ہے جس کے ساتھ میں ایسے رہتا ہوں جیسے تنہا رہتا ہوں'' اور کچھ بزرگوں نے فرمایا'' دنیاداروں کے ساتھ ادب سے رہنا چاہیے، آخرت والوں کے ساتھ علم سے رہنا چاہیے اور عارفوں کے ساتھ جیسے چاہو رہو اور محبت ایسی اختیار کرو کہ اگر گناہ تم کرو تو وہ تمہاری طرف سے توبہ کریں۔اگر تم اسکے ساتھ برائی کرو تو الٹا عذر تم سے کریں اور تمہاری مشقت کو خود اٹھائیں اور اپنی مشقت تم پر نہ ڈالیں" ۔

حضور پاک نے فرمایا:" ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں (ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر):

1۔ جب ملاقات ہوتو اس کو سلام کرے۔ 2۔ جب دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے۔

3۔ جب چھینکے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ 4۔ جب بیمار ہوتو عیادت کرے۔

5۔ جب مرجائے تو نماز جنازہ میں شرکت کرے"۔(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

ایک شخص نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اسلام کیا چیز ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اسلام یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور مسلمان تیرے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہیں''۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے-اس لئے تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے"-(سنن ابی داؤد)

غرض کہ حقوق محبت اس وقت پورے ہوتے ہیں کہ اسی طرح ادا ہوں کہ دوستوں کا فائدہ اور تمہارا نقصان ہو اور اس طرح نہ ہوں کہ تمہارا فائدہ اور ان کا نقصان ہو۔ایک بات اور کرنی چاہیے کہ اپنے تمام اعضا کو ان کے حقوق میں مقید رکھو۔

مروی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کا دستور تھا کہ جو لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس بیٹھتے ہر ایک کو اپنے چہرہ مبارک سے حصہ عطا فرماتے، یعنی ہر ایک کی طرف توجہ کرتے اور ہر ایک یہ گمان کرتا کہ سب سے زیادہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا کرم اسی پر ہے۔یہاں تک کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی نشست اور سننا اور بیان فرمانا اور لطیف طور پر سوال فرمانا اور توجہ کرنا سب حاضرین جلسہ کے لیے ہوتا تھا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی مجلس حیا، تواضع اور امانت کی مجلس ہوتی تھی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا دستور تھا کہ اپنے دوستوں کے سامنے سب لوگوں سے زیادہ تبسم فرماتے۔

پس جس شخص کی نظر خلق کی محبت کی طرف ہوتی ہے وہ کبھی تو کج ہوتا ہے، کبھی راست اور جس کی نظر خالق کی طرف ہوتی ہے وہ راستی کا ساتھی ہوتا ہے-اپنے باطن کو حب اللہ اور محبت خلق سے زینت دیتا ہے اور ظاہر کو خدائے تعالیٰ کی عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت سے زینت دیتا ہے اس لیے کہ بندوں کی خدمت اللہ واسطے کی خدمتوں میں سے اعلیٰ قسم ہے کہ اس کو حسن خلق کے بغیر آدمی حاصل نہیں کرسکتا۔اور اپنے حسن خلق سے دن میں روزہ رکھنے اور رات کے قیام کے قابل زیادہ ہو جاتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں فرمایا: (سورۃ القلم، آیت نمبر 4)

وانک لعلی خلق العظیم　　ترجمہ: "اور تو پیدا ہوا ہے بڑے اخلاق پر"۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محبت وشوق اور انس ورضا

وہ محبت جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے:

اللہ تعالیٰ کو بندے کا دل سے چاہنا اور پسند کرنا محبت کہلاتا ہے۔محبت اللہ کا ولی بننے کی اصل بنیاد ہے۔اس کے بغیر اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مفلسی کے لیے تیار ہوجا''۔(السلسلة الصحيحة)

اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں اللہ سے محبت رکھتا ہوں تو وہ بلاؤں کے لیے تیار ہوجائے۔

مشہور ہے کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت علیہ السلام سے اس وقت جب کہ وہ آپ کی روح قبض کرنے آئے تھے ارشاد فرمایا'' بھلا تونے کوئی ایسا خلیل دیکھا ہے جو اپنے خلیل کو مارے'' اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ'' بھلا تونے کوئی ایسا محبت کرنے والا دیکھا ہے کہ اپنے محبوب کی ملاقات کو برا جانے'' پس آپؑ نے ملک الموت کو فرمایا'' اب روح قبض کرلے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین شخصوں پر گزرے جن کے بدن لاغر اور رنگ متغیر تھے۔آپ علیہ السلام نے پوچھا'' تمہارا یہ حال کیوں ہے؟'' انہوں نے عرض کیا " آتش دوزخ کے خوف سے "۔آپ علیہ السلام نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ خوف والوں کو ضرور مامون رکھے گا''۔پھر وہاں سے بڑھ کر آپؑ اور تین شخصوں پر گزرے، وہ پہلوں سے بھی زیادہ دبلے اور رنگ کے متغیر تھے۔آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا" تمہارا یہ حال کس وجہ سے ہوا ہے"؟ انہوں نے عرض کیا" جنت کے شوق کے باعث"، آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا ''ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ چیز عطا فرمائیں گے جس کا شوق تم رکھتے ہو''، پھر آپؑ آگے بڑھے اور تین شخص دیکھے جو پہلے دونوں فرقوں سے زیادہ دبلے اور رنگ کے بدلے ہوئے تھے۔ان کے نور کا یہ عالم تھا کہ گویا چہروں پر آئینے جڑے ہیں، آپؑ نے ان سے پوچھا" کس چیز سے تم ایسے ہوگئے ہو"؟ انہوں نے عرض کیا" ہم اللہ عزوجل سے محبت کرتے ہیں"، آپؑ نے فرمایا" مقرب تم ہی ہو''۔

ہرم بن حیانؒ فرماتے ہیں" ایماندار جب اپنے رب کو پہچانتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب محبت کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب اس توجہ کا مزا پاتا ہے تو دنیا اور آخرت کی خواہش نہیں رکھتا۔اپنے جسم سے دنیا میں رہتا ہے اور روح سے آخرت میں"۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں" خدائے تعالیٰ کا عفو تمام گناہوں کو لے لیتا ہے، پس اس کی رضا کیا ہوگی؟ اس کی رضا میں سب امیدیں مل جاتی ہیں تو اس کی محبت کیسی ہوگی؟ اس کی محبت عقلوں کو مدہوش کردیتی ہے تو اس کی محبت کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ اور اس کی محبت غیر اللہ کو بھلا دیتی ہے تو اس کا لطف کیا ہوگا؟ پس جو اپنے رب کو پہچانے گا وہ اس سے محبت کرے گا، پھر وہ محبت کا مزہ چکھے گا"۔

حضرت سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں" اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ سے نہ خوف دوزخ روکے، نہ توقع جنت تو ایسے لوگوں کو دنیا کس طرح روک سکتی ہے"؟ علی بن الموافقؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں داخل کئے گئے ہیں اور وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص دسترخوان پر بیٹھا ہے اور دو فرشتے اس کو میوے کھلا رہے ہیں، ایک شخص کو دیکھا کہ جنت کے دروازے پر کھڑے لوگوں کی صورتیں پہچانتے ہیں، بعض کو اندر کردیتے ہیں اور بعض کو واپس کردیتے ہیں پھر میں آگے بڑھ گیا اور عرش پر ایک شخص کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تاک لگائے ہوئے ہے اور کسی کو نہیں دیکھتا۔میں نے رضوان سے پوچھا" یہ کون ہیں"؟ کہا" معروف کرخیؒ جنہوں نے خدا کی عبادت نہ خوف آتش سے کی نہ بتوقع جنت بلکہ صرف اسی کی محبت سے کی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ان کو اپنی طرف دیکھنے کی اجازت دے دی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت رابعہ بصریؒ سے کہا" آپ کے ایمان کی حقیقت کیا ہے"؟ انہوں نے فرمایا" میں نے اس کی عبادت دوزخ کے خوف سے نہیں کی اور نہ جنت کے اشتیاق سے بلکہ عبادت صرف اسی کی محبت اور اشتیاق کے باعث کی ہے"۔پس جو اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہ پہچانے گا وہ اس کو آخرت میں بھی نہیں دیکھے گا۔ جس کو لذت معرفت دنیا میں نہ ہوگی وہ آخرت میں لذت دیدار نہ پائے گا اس لیے اگر دنیا سے کچھ ساتھ نہ جائے گا تو آخرت میں کہاں سے پائے گا؟ اس لیے کہ یہاں جو بوئے گا وہاں وہی کاٹے گا۔پس جس قدر توشہ معرفت ساتھ ہوگا اسی قدر لذت پائے گا۔وہی معرفت مشاہدہ کی صورت بن جائے گی اور زیادتی کشف سے لذت دوبالا ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ'' اصل سعادت معرفت ہی ہے جس کو شرع میں ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔معرفت کی لذت دنیا میں بہت کم ہے''، لیکن جو شخص معرفت سے خالی ہوگا

اس کولذت کہاں سے آئے گی؟ اور اگر تھوڑی سی لذت ہو اور باقی دل میں دنیا کی چیزیں بھری ہوں تو اس کو مزہ کیا آئے گا؟

محبت الٰہی کے قوی ہونے کے اسباب:

جاننا چاہیے کہ آخرت میں لوگوں میں سے سعید تر حال اس شخص کا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی محبت قوی تر رکھتا ہوگا۔

زیادتی محبت کو عشق کہتے ہیں:

پس جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسی قدر لذت زیادہ ہوگی اور اصل محبت سے کوئی ایماندار خالی نہیں اس لیے کہ اصل معرفت سب میں ہوتی ہے مگر فرط محبت جس کو عشق کہتے ہیں سب میں نہیں ہوتا۔ اس کو حاصل کرنے کے دو سبب ہیں:

1۔ دنیا سے الگ رہنا

2۔ غیر اللہ کی محبت دل میں نہ ہونا۔

مثلاً اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ سے اس لیے محبت رکھتا ہے کہ وہ اس کا محسن ہے، وہ اس کی ذات سے محبت نہیں رکھتا تو اس کی محبت ضعیف ہے۔ اس لیے کہ احسان کے بدلے میں یہ محبت ہے تو مصیبت کے وقت یہ محبت ویسی نہیں رہے گی جیسی خوشی اور آسائش کی حالت میں ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس وجہ سے محبت رکھتا ہے کہ خدا کی ذات خود مستحق محبت ہے تو اس کی محبت احسان کے بدل جانے سے نہیں بدلے گی بلکہ ہمیشہ یکساں رہے گی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ جو اللہ تعالیٰ کے مشتاقوں میں سے تھے کہتے ہیں "ایک دن میں نے عرض کیا الٰہی اگر تو اپنے عاشقوں میں سے کسی کو ایسی چیز عنایت فرماتا ہو جس سے تیرے وصال سے پہلے اس کے دل کو تسلی ہو جائے تو وہ چیز مجھ کو بھی مرحمت ہو کہ مجھ کو اضطراب نے بہت تنگ کیا ہے"۔ پس رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ خداوند کریم نے مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور ارشاد فرمایا "اے ابراہیم تجھے شرم نہیں آتی کہ مجھ سے ایسی چیز مانگتا ہے جس سے میری ملاقات سے پیشتر ہی تسکین خاطر کرے۔ بتلا تو سہی کہ کہیں مشتاق کو اپنے حبیب سے ملنے سے پیشتر بھی تسکین ہوا کرتی ہے"؟ میں نے عرض کیا "الٰہی میں نے تیری فرط محبت میں حیرت زدہ ہو کر معلوم نہیں کیا کہہ دیا۔ آپ میرا قصور معاف کر دیں اور مجھے سکھا دیں کہ میں کیا کہوں، ارشاد ہوا کہ یوں کہہ ''الٰہی راضی رکھ اپنی قضا پر اور صبر دے اپنی بلا پر اور شکر دے اپنی روزی پر''۔

حضرت ابودرداؓ نے حضرت کعب بن احبارؓ سے کہا "مجھے کوئی آیت توریت کی بیان کرو"، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ابرار کا شوق میری ملاقات کے لیے بہت ہوتا ہے اور میں ان کی ملاقات کا زیادہ تر مشتاق ہوں'' اور کہا کہ توریت میں اس آیت کے قریب یہ بھی مزکور ہے کہ ''جو شخص مجھ کو طلب کرے گا وہ مجھ کو پائے گا اور جو میرے سوا کسی اور کو طلب کرے گا مجھ کو نہ پائے گا'' اور حضرت ابودرداؓ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے سنا ہے کہ ''آپ خاتم النبیین ﷺ بھی یہی فرماتے تھے۔'' اور حضرت داوٗدؑ کے اخبار میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ ''اے داوٗد! میرے زمین والوں کو سنا دے کہ جو مجھ سے محبت کرے گا میں اس کا حبیب ہوں اور جو میرے پاس بیٹھے گا میں اس کا جلیس ہوں اور جو میرے ذکر سے انس کرے گا میں اس سے اُنس کروں گا اور جو میرے ساتھ رہے گا میں اس کے ساتھ رہوں گا اور جو مجھ کو اختیار کرے گا میں اس کو اختیار کروں گا اور جو میرا کہنا مانے گا میں اس کا کہنا مانوں گا اور جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اس کے دل سے اس کی محبت مجھ کو خوب معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر میں اس کو اپنے واسطے مقبول کرتا ہوں، پھر میں اس سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ میرے خلق میں سے اس پر کوئی مقدم نہیں ہوتا اور جو مجھ کو سچ سچ طلب کرتا ہے وہ مجھ کو پاتا ہے۔ جو غیر کو طلب کرتا ہے وہ مجھ کو نہیں پاتا۔ تو اے زمین کے باشندو دنیا کے فریب کو چھوڑ دو اور میری کرامت اور محبت اور پاس بیٹھنے کی طرف چلو اور میرے ساتھ انس کرو میں تمہارے ساتھ انس کروں گا اور تمہاری محبت کی طرف سرعت کروں گا۔ اس لیے کہ میں نے اپنے احباب کا خمیر ابراہیم اپنے خلیل، موسیٰ اپنے کلیم، محمد خاتم النبیین ﷺ اپنے صفی کے خمیر سے بنایا ہے اور میں نے مشتاقوں کے دل اپنے نور سے بنائے ہیں اور اپنے جلال سے ان کی پرورش کی ہے''۔

بعض اکابر سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض صدیقین پر وحی بھیجی کہ ''میرے بندوں میں سے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں۔ وہ میری طرف دیکھتے ہیں اور میں ان کی طرف دیکھتا ہوں۔ اگر تو بھی ان کی راہ چلے گا تو میں تجھ سے محبت کروں گا اور ان کی راہ سے پھرے گا تو تجھ پر غصہ ہوں گا''۔ ایک بزرگ نے عرض کیا "الٰہی ان بندوں کی پہچان کیا ہے"؟ بتایا گیا کہ ''دن کو سائے کی طرح تاکتے ہیں اور سورج ڈوبنے کے ایسے مشتاق رہتے ہیں جیسے

پرندہ شام کو اپنے گھونسلے کا مشتاق ہوتا ہے، پس جب رات چھا جاتی ہے اور اندھیرا گھپ ہو جاتا ہے، بچھونے بچھ جاتے ہیں اور ہر ایک حبیب اپنے حبیب سے ملتا ہے اس وقت وہ میرے لیے اپنے قدم اٹھاتے ہیں اور پیشانی بچھاتے ہیں اور میرے کلام سے مجھ سے سرگوشی کرتے ہیں اور میرے انعام کے باعث میری خوشامد کرتے ہیں ان میں سے کوئی چیختا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی آہ کرتا ہے، کوئی مشتاق ہے، کوئی کھڑا ہے، کوئی بیٹھا ہے، کوئی رکوع کرتا ہے، کوئی سجدہ کرتا ہے، جو کچھ وہ لوگ میرے باعث سے برداشت کرتے ہیں اور میری محبت میں شکایت کرتے ہیں وہ سب بسر وچشم سب سے پیشتر جو میں ان کو دوں گا تو تین باتیں ہیں۔ **اول** یہ ہے کہ اپنے نور کو ان کے دلوں میں ڈال دوں گا کہ وہ میرے حال سے حال سے خبر دیں گے جیسے میں ان کے حالوں سے خبر دیتا ہوں۔ **دوسرے** یہ کہ اگر آسمان اور زمین اور جو چیز ان دونوں میں ہے ان کے وزن کے مقابل ہوگی تو میں ان کی خاطر اشیاء کو کم جانوں گا۔ **تیسرے** یہ کہ اپنا چہرہ مقدس ان کی طرف کروں گا اور تم کو معلوم ہے کہ جس کی طرف میں متوجہ ہوں کسی کو معلوم ہوگا کہ میں اس کو کیا دینا چاہتا ہوں؟''

خدا تعالیٰ نے ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ''اے داؤد علیہ السلام جنت کو کب تک یاد کرے گا اور کب تک میری طرف شوق کی درخواست نہ کرے گا؟'' عرض کیا "الٰہی تیرے مشتاق کون ہیں"؟ ارشاد ہوا کہ ''وہ میرے مشتاق ہیں جن کو میں نے ہر ایک کدورت سے پاک کر دیا اور خوف سے آگاہ کر دیا اور ان کے دلوں میں اپنی طرف سوراخ کر دیا جس سے وہ میری طرف دیکھتے ہیں۔ میں ان کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر آسمان پر رکھتا ہوں پھر فرشتوں کو بلاتا ہوں جب وہ اکٹھے ہوتے ہیں تو مجھے سجدہ کرتے ہیں میں ان کو ارشاد فرماتا ہوں کہ میں نے تم کو سجدے کے لیے نہیں بلایا بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ اپنے مشتاقوں کے دلوں کو دکھاؤں اور ان کے باعث تم پر فخر کروں۔ ان کے دل میرے آسمان میں فرشتوں کو ایسا نور دیتے ہیں جیسے آفتاب زمین والوں کو روشنی دیتا ہے۔ اے داؤدؑ میں نے مشتاقوں کے دل اپنی رضا سے بنائے اور اپنے چہرے کے نور سے ان کی تربیت کی اور ان کو اپنی ذات کے لیے بات کرنے والا بنایا اور ان کے بدنوں کو زمین میں اپنی نظر کی جگہ مقرر کی اور ان کے دلوں میں ایک راہ رکھ دی جس سے میری طرف دیکھتے ہیں اور ہر روز ان کا شوق زیادہ ہوتا جاتا ہے''۔

حضرت داؤدؑ بموجب ارشاد کوہ لبنان پر گئے ان لوگوں کو ایک چشمے کے پاس دیکھا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت میں فکر کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت داؤدؑ کو دیکھا تو اٹھے تاکہ ان سے علیحدہ ہو جائیں آپؑ نے فرمایا "لوگو میں رسول خدا ہوں۔ تمہارے پاس ایک پیام ربّانی لے کر آیا ہوں"۔ انہوں نے آپؑ کی طرف متوجہ ہو کر کان لگا دیئے اور آنکھیں نیچی کر لیں۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا "میں یہ پیام لایا ہوں کہ خدا تعالیٰ بعد سلام کے تم سے فرماتا ہے کہ مجھ سے کوئی حاجت کیوں نہیں مانگتے؟ مجھ کو کیوں نہیں پکارتے کہ تمہاری آواز کو سنوں؟ تم میرے دوست اور اولیاء ہو، تمہاری خوشی سے میں خوش ہوتا ہوں، تمہاری محبت کی طرف سرعت کرتا ہوں اور جیسے مادر مشفقہ اپنی اولاد کو دیکھتی ہے اسی طرح سے میں ہر گھڑی تم کو دیکھتا ہوں"۔ یہ سن کر سب کے آنسو ان کے چہروں پر بہنے لگے اور ہر ایک نے جدا جدا دعا مانگی ان میں سے ایک بوڑھے نے کہا ''الٰہی ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں وہ زندگی جس میں ہم نے تجھ کو یاد نہ کیا اس پر ہمیں معاف فرما دے'' دوسرے نے کہا ''الٰہی تو پاک ہے ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے غلاموں کی اولاد ہیں جو معاملہ ہم میں اور تجھ میں ہے اس میں ہم پر احسان کی نظر فرمانا'' تیسرے نے کہا ''الٰہی تو پاک ہے ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں کیا ہم تجھ سے دعا پر جرأت کریں، تجھ کو تو معلوم ہے کہ ہم کو اپنے کسی کام کی حاجت نہیں، اتنا احسان کر کہ اپنے راستے پر جمائے رکھنا، ہمارے لیے ہمیشہ کے واسطے کر دے'' چوتھے نے کہا ''الٰہی ہم سے تیری رضا کی طلب میں قصور ہوا تو اپنے جود و کرم سے اس پر ہماری اعانت کر'' پانچویں نے کہا ''الٰہی تو نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا اور اپنی عظمت میں فکر کرنے کا احسان کیا تو جو شخص تیری عظمت میں مشغول اور تیرے جلال میں متفکر ہو وہ بھلا کلام کی جرأت کر سکتا ہے؟ ہمارا مقصود تو یہی تھا کہ اپنے نور سے ہم کو قریب کر دے'' چھٹے نے کہا ''الٰہی چونکہ تو عظیم الشان ہے اور اپنے اولیاء سے قریب رہتا ہے اور اپنے اہل محبت سے بہت احسان کرتا ہے اس لیے ہماری زبان ساتھ نہیں دیتی کہ تجھ سے کچھ دعا کریں'' ساتویں نے کہا کہ ''خدایا جو تو نے ہمارے دلوں کو اپنے ذکر کی ہدایت کی اور اپنی طرف مشغول ہونے کا دھیان عنایت فرمایا تو اس نعمت کے شکر میں جو ہم سے کمی ہوئی ہو اس کو معاف کر دے'' آٹھویں نے کہا ''خدایا ہماری حاجت تو تجھ کو معلوم ہی ہے، وہ صرف تیری طرف دیکھنا ہے'' نویں نے کہا ''الٰہی بندہ اپنے آقا پر کچھ جرأت نہیں کر سکتا مگر چونکہ ہم کو تو نے حکم دعا کا کیا ہے اس واسطے عرض کرتے ہیں کہ ہم کو وہ نور عنایت کر جس سے آسمانوں کے طبقات کے اندھیروں میں راہ ملے'' دسویں نے کہا ''خدایا تجھ سے تجھ ہی کو چاہتے ہیں تو ہماری طرف متوجہ رہ اور ہمیشہ ہمارے پاس رہ'' گیارھویں نے کہا ''الٰہی جو نعمت تو نے ہم کو عنایت کی ہے اس کے پورا کرنے کی تجھ سے درخواست ہے'' بارھویں نے کہا کہ ''الٰہی تیری مخلوق میں سے ہمیں کچھ حاجت نہیں، پس اپنے جمال کی نظر سے ہم پر احسان کر'' تیرھویں نے کہا ''میری درخواست ہے کہ خداوند دنیا کی طرف دیکھنے سے میری آنکھ اندھی کر دے اور آخرت میں مشغول ہونے سے میرا دل

اندھا کردے‘‘ چودھویں نے کہا کہ ’’الٰہی یہ تو تو جانتا ہی ہے کہ تو اپنے اولیاء کو چاہتا ہے تو ہم پر یہ احسان کر کہ اپنے سوا جتنی چیزیں ہیں ان سے ہمارے دل کو ہٹا کر بس اپنی طرف مشغول کرلے‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دو کہ ’’میں نے تمہاری گفتگو سنی اور جو کچھ تم نے مانگا میں نے قبول کیا۔ اب تم ایک ایک آدمی ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور اپنے واسطے زمین میں تہہ خانہ بنالو میں تمہارے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھانا چاہتا ہوں تا کہ تم میرے نور اور جلال کو دیکھو‘‘۔

حضرت داؤدؑ نے عرض کیا" یا الٰہی یہ لوگ اس درجے کو کیسے پہنچے "؟ فرمایا ’’میرے ساتھ اچھا گمان رکھتے تھے اور دنیا اور اس کے باشندوں سے رکے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ تنہا رہتے ہیں اور مجھ ہی کو پکارا ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ کسی چیز کی یاد میں مشغول نہ ہوا اور دل میرے لیے خالی کر لے اور تمام میری مخلوق پر محکومی اختیار کرے۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو اس پر میں الطاف کرتا ہوں اور اس کے نفس کو فارغ البال کر کے اس کے اور اپنے درمیان سے پردہ ہٹا دیتا ہوں۔ تا کہ مجھ کو ایسے دیکھے جیسے آنکھ سے کچھ دیکھتا ہے اور اس کو اپنی کرامت دکھلاتا ہوں اور اپنے چہرہ مقدس کے نور سے ہر وقت قریب کرتا جاتا ہوں اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کا علاج ایسے کرتا ہوں جیسے ماں اپنے بچے کا علاج کرتی ہے اور اگر اس کو پیاس لگتی ہے تو اس کو اپنے ذکر کی چاٹ سے سیراب کرتا ہوں، پھر اس کے بعد میں اس کو دنیا سے اندھا کر دیتا ہوں، دنیا کو اس کی نظروں میں محبوب نہیں کرتا۔ کسی وقت میرے ساتھ مشغول ہونے سے دم نہیں لیتا اس کا یہ حال ہے کہ میرے پاس آنے کے لیے مجھ سے جلدی کرتا ہے اور میں اس کے مارنے کو برا سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ خلق میں سے میری نگاہ اس پر ہوتی ہے اور میرے غیر کو نہیں دیکھتا نہ میں اس کے غیر کو دیکھتا ہوں‘‘۔

’’اے داؤدؑ جب میں اس کو دیکھتا ہوں کہ اس کا نفس گھل گیا اور جسم لاغر ہو گیا اور اعضا ٹوٹ گئے اور جب میرے ذکر کو سنتا ہے تو اس کا دل ٹھکانے نہیں رہتا تب اس کے باعث میں فرشتوں اور باشندگان آسمان پر فخر کرتا ہوں تو اس کو خوف زیادہ ہو جاتا ہے اور عبادت زیادہ کرنے لگتا ہے۔ اپنی عزت اور جلال کی قسم میں اس کو فردوس میں بیٹھاؤں گا اور اس کے دل کو اپنی طرف دیکھنے سے اتنی تسلی دوں گا کہ وہ راضی ہو جائے گا بلکہ راضی ہونے سے بھی زیادہ اس کو اطمینان ہو جائے گا"۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے ساتھ اس طرح ہے کہ بندے پر سے مشاغل اور گناہوں کو مٹا کر اس کے باطن کو کدورت دنیاوی سے پاک کر کے اپنی ذات سے قریب فرمالے اور اس کے دل سے حجاب اٹھالے یہاں تک کہ بندہ اس کا مشاہدہ اس طرح کرے گویا وہ اپنے دل سے اس کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ سے کسی نے عرض کیا" آپ سواری کے لیے کوئی دراز گوش کیوں نہیں خریدتے "، آپؑ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کو یہ بات گراں ہے کہ مجھ کو اپنی ذات پاک سے چھڑا کر دراز گوش کا شغل عنایت فرمائے"۔

ایک رویت ہے کہ ’’جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے نفس میں سے ایک نصیحت کرنے والا مقرر کر دیتا ہے اور ایک جھڑکنے والا کہ وہ اس کے لیے اس کو امر و نہی کرتے رہتے ہیں‘‘

غرض کہ خاص کر علامات محبت الٰہی کی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔ اس سے یہ پایا جائے کہ خدائے تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے جو فعل کہ اس بندے کا محبوب ہوتا نکلتا ہے وہ یہ کہ خداوند کریم اس کے سب امور ظاہری اور باطنی خفیہ اور علانیہ کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی اخلاق کی درستگی فرمائے، وہی اس کے اعضا کو عمل میں مصروف کرے وہی اس کے ظاہر اور باطن کو راہ راست پر لائے، اس کی تمام فکروں کو سمیٹ کر ایک فکر میں لانا اسی کا کام ہے۔ دنیا سے بغض، غیر سے وحشت اور خلوت کی مناجات سے انس کا دینا اور اپنے اور اس کے درمیان سے حجاب کا دور کرنا، سب اسی کی طرف سے ہوا، اسی طرح کی علامات سے محبت اللہ تعالیٰ بندے سے ثابت ہوا کرتی ہے۔

<u>اب وہ علامات ذکر کی جائیں گی کہ بندہ خدائے تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو پیدا ہوتی ہیں۔</u>

یہ مان لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ آسان ہے لیکن محبت کا پایا جانا بہت کم ہوتا ہے، آدمی کو چاہیے کہ جب نفس دعویٰ محبت کرے تو پھر شیطان کی محبت سے باز آجائے۔ محبت میں صادق وہی ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو، یعنی دنیا میں رہے اور دنیا میں نہ رہے۔ محبت وہ عمدہ درخت ہے کہ جس کی جڑ یہاں ہے اور شاخ بالائے آسمان اس کے پھل دل، زبان اور اعضا سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے محبت کا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دھویں سے آگ کا وجود یا پھلوں سے درختوں کا اور اس طرح آثار بہت سے ہیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کو مشاہدہ میں اچھا جانے اس لیے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ دل کسی کو محبوب کہے اور اس کے مشاہدہ کو نہ چاہے اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ بغیر دنیا سے مفارقت کے یہ آرزو پوری نہیں ہوگی تو چاہیے کہ موت سے محبت رکھے اور اس سے نفرت نہ رکھے۔ اس واسطے کہ عاشق کو اپنے وطن سے سفر کرنا اور محبوب کے دیار میں اس کے دیدار سے بہرہ ور ہونے کو جا پڑنا گراں نہیں معلوم ہوتا۔

حضرت اسحاق بن سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میرے باپ یعنی سعدؓ مجھ سے فرماتے تھے کہ عبداللہ بن جحشؓ نے مجھ سے جنگ احد کے دن کہا" آؤ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں"، پس ایک طرف ہو کر عبداللہ نے یوں دعا مانگی ''الٰہی میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ جب کل کو میں دشمن کے مقابلے میں ہوں تو میرا مقابلہ کسی مرد ہولناک شدید الغضب سے ہو جس سے میں لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے۔ پھر مجھ کو پکڑ کر میرے ناک کان کاٹے اور میرا پیٹ چیرے اور جب میں قیامت میں تیرے سامنے جاؤں تو تو مجھ سے پوچھے "اے عبداللہ تیرے ناک کان کس نے کاٹے ہیں"،عرض کروں "الٰہی تیرے راستے میں اور تیرے رسول خاتم النبیین ﷺ کے راستے میں کٹوائے"۔تو اللہ تعالیٰ فرمائے" تو سچ کہتا ہے"۔حضرت سعدؓ کہتے ہیں "میں نے آخر روز میں دیکھا کہ عبداللہ بن جحشؓ کے ناک کان ایک ڈورے میں بندھے لٹکتے ہیں"اور سعید بن ابی وقاصؓ نے فرمایا" توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی بقیہ قسم بھی سچی کرے گا جیسے کہ اس نے اتنی سچی کی''۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور بشر حافیؒ فرمایا کرتے تھے "موت کو برا وہی سمجھتا ہے جس کو شک ہو اس لیے حبیب تو بہر حال اپنے محبوب سے ملاقات کو برا نہیں سمجھتا"۔

بویطیؒ نے کسی زاہد سے پوچھا "تم موت کو چاہتے ہو"اس نے سکوت کیا آپ نے فرمایا "تم سچے زاہد ہوتے تو موت کو محبوب جانتے"۔

ایک بزرگ سے محبت کا مفہوم پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ ''لوگوں سے ملنا جلنا کم کرو، زیادہ تر تنہا رہا کرو، ہر وقت متفکر رہ، خاموشی اختیار کر، مصیبت آئے تو غم نہ کرے، بھوک آئے تو محسوس نہ کرے، لوگوں سے نہ ڈرے، گالی ملے تو پرواہ نہ کرے، دنیا کے مقابلے میں دنیا سے نہ الجھے، خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان دے۔اسی سے مانوس ہو اس کے ساتھ مناجات کرے''۔

ایک بزرگ نے خواجہ حسن بصریؒ سے پوچھا" آپ کتنے عرصے میں بمقام محبت پر پہنچے"؟ فرمایا ''تین دن میں، پہلے روز دنیا کو ترک کیا، دوسرے روز آخرت کو اور تیسرے روز مقام محبت پر پہنچ گیا''۔بعض مریدین سے روایت ہے کہ ''ایام ارادت میں مجھ کو عبادت کا مزہ ملا اور پھر مناجات میں مزہ آیا میں نے ایک رات اور ایک دن قرآن پاک کی تلاوت کی پھر چند روز قرات چھوٹ گئی تو خواب میں، میں نے ایک کہنے والے کو سنا" مجھ سے یہ کہتا ہے کہ اگر تجھ کو مجھ سے دعویٰ محبت ہے تو تو نے ہماری کتاب پر کیوں ظلم کیا''اس کے بعد جو بیدار ہوا تو دل میں قرآن پاک کی محبت بھری پائی اور اپنی پہلی حالت پر بدستور ہو گیا''۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں" تم میں سے کوئی اپنے نفس سے بجز قرآن کے اور کسی چیز کی درخواست نہ کرے اس لیے کہ جو قرآن سے محبت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا اور اگر قرآن سے محبت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے بھی نہ ہوگی"۔حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں" محبت الٰہی کی پہچان محبت قرآن مجید کی ہے اور خدا تعالیٰ اور قرآن مجید کی پہچان آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ محبت ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ محبت کرنے کی علامت محبت آپ خاتم النبیین ﷺ کے طریق کی ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی طریق سے محبت کا نشان آخرت کی محبت ہے اور آخرت کے محبوب ہونے کی پہچان دنیا کا بغض ہے اور دنیا کے بغض کی علامت یہ ہے کہ اس میں سے بجز زاد آخرت کے اور کچھ نہ لے۔ایک علامت محبت کی یہ ہے کہ ''خلوت اور مناجات اور قرآن مجید سے انس اور تہجد پڑھا کرے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میری مخلوق میں سے کسی کے ساتھ انس نہ کر اس لیے کہ میں دو طرح کے شخصوں کو اپنے پاس سے الگ کر دیتا ہوں:

1۔ ایک تو وہ جو میرے ثواب کو دیر جان کر علیحدہ ہو گیا۔

2۔ دوسرے وہ جو مجھ کو بھول کر اپنے حال سے راضی ہو گیا۔ میں ایسے شخص کو اس کے نفس کے سپرد کر کے دنیا میں حیران چھوڑ دیتا ہوں"۔

اور برخ غلام حبشی کے احوال میں جس کے طفیل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارش کی دعا کی تھی، لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے ارشاد فرمایا" برخ اچھا بندہ ہے مگر اس میں ایک عیب ہے" آپؑ نے عرض کیا ''الٰہی اس کا عیب کیا ہے''؟ فرمایا "اس کو نسیم سحر اچھی لگتی ہے اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ کسی طرف رغبت نہیں کرتا''۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں ''جو کوئی خالص محبت الٰہی کا ذائقہ چکھتا ہے اس کو یہ مزہ دنیا کی طلب سے روک دیتا ہے اور سب آدمیوں سے متنفر کر دیتا ہے"۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خوف محبت کے مخالف ہے۔ایسا نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ **عظمت کا علم ہیبت ہی کی وجہ سے آتا ہے اور جمال کا ادراک محبت کی وجہ سے آتا ہے**۔محبین کے لیے مقام محبت میں ایسے خوف ہوتے ہیں کہ دوسروں کو نہیں ہوتے اور بعض خوف بعض کی نسبت کے زیادہ ہوتے ہیں ان خوفوں میں زیادہ خوف اللہ سے روگردانی کا ہے اور اس سے زیادہ حجاب کا اور اس سے بھی بڑھ کر خوف اپنے پاس سے دور کر دینے کا ہے''۔

سالکین کے حق میں راہ میں تھک جانے اور غیر محبوب کی طرف توجہ کرنا ایک طرح کا عذاب ہے، حاصل یہ کہ زیادتی درجات کا چھین لینا شہوات کے باعث

ہے، عام سالکوں کے حق میں عذاب اور خواص تو زیادتی سے اسی وقت محجوب (دور) ہو جاتے ہیں کہ صرف دعویٰ عجب کریں۔ پھر اسی چیز کا خوف اور زیادہ ہے کہ ایک دفعہ جانے کے بعد دوبارہ نہ ملے۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سفر کرتے ہوئے ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک آواز آئی کوئی کہتا تھا:

ہم نے بخشے جتنے ہیں تیرے گناہ
پر نہیں بخشا قصور اعراض کا
فوت جو تجھ سے ہوا وہ ہے معاف
فوت جو ہم سے ہوا باقی رہا

اس آواز کو سن کر آپ تڑپے اور بے ہوش ہو گئے۔ایک رات دن ہوش نہ آیا۔ہیبت سے حالات آپ پر طاری ہوئے پھر ایک آواز پہاڑ سے آئی ''اے ابراہیم! بندہ ہو جا''، ابراہیم کہتے ہیں کہ میں بندہ ہو گیا اور ہوش میں آ گیا۔پھر خوف محبوب سے بے غم ہونے کا ہے، یعنی عاشق ہمیشہ شوق، طلب اور حرص میں رہتا ہے اور زیادتی کی طلب میں سستی اور بے پرواہی نہیں کرتا اور لطف تازہ کا منتظر رہتا ہے۔پس اگر یہ بات نہ رہی تو ایک مرتبہ پر ٹھہر جائے گا یا پھر رجعت ہو جائے گی (یعنی پیچھے چلا جائیگا)۔

غلبہ انس کے سبب پیدا ہونے والا نشاط:

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ انس والے اپنے کلام میں اور خلوتوں کی مناجات میں ایسے امور کہتے ہیں کہ وہ عوام کے نزدیک کفر ہوتا ہے۔اس کی مثال مناجات برخ اسود کی ہے کہ جس کے باب میں حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا تھا کہ اس سے درخواست کرو کہ بنی اسرائیل کے لیے باران رحمت کی دعا مانگے اور اس کا قصہ کچھ اس طرح ہے کہ جب بنی اسرائیل پر سات برس خشکی اور قحط سالی ہوئی تو حضرت موسیٰؑ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مینہ کے لیے دعا کرنے کو نکلے اور دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ ''میں ان لوگوں کی دعا کیسے قبول کروں جس کے گناہ ان پر چھا گئے ہیں باطن کے خبیث ہیں، یقین کے بغیر دعا کرتے ہیں۔میرے عذاب سے نڈر ہیں تو میرے ایک بندے کے پاس جا جس کو برخ کہتے ہیں اس سے کہہ دے کہ مینہ کے واسطے باہر نکل کر دعا کرے تا کہ میں قبول کروں''۔حضرت موسیٰؑ نے برخ کو تلاش کرنا شروع کیا ایک روز آپ راہ میں چلے جاتے تھے دیکھا کہ ایک غلام حبشی سامنے آتا ہے۔اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدے کی خاک لگی ہوئی ہے اور گلے سے ایک چادر بندھی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اس کو اپنے نور الٰہی سے پہچان لیا اور نام پوچھا اس نے کہا "میرا نام برخ ہے"۔آپؑ نے فرمایا "ہم تو مدت سے تمہاری تلاش میں تھے۔ہمارے ساتھ چلو اور باران رحمت کے لیے دعا مانگو۔وہ آپ کے ساتھ نکلا اور اس طرح دعا مانگی۔''یا الٰہی نہ تو یہ تیرا کام ہے اور نہ تیرا حکم، پھر تجھ کو کیا سوجھی کہ خشکی کر رکھی ہے۔کیا تیرے پاس چشمے گھٹ گئے ہیں یا ہوائیں تیری اطاعت سے منحرف ہو گئیں ہیں، یا گناہ گاروں پر تیرا غصہ سخت ہو گیا ہے؟ یا تیری رحمت بند ہو گئی ہے؟ یا خطا کاروں کے پیدا کرنے سے پہلے تو غفار نہیں تھا؟، کیا جلد سزا اس لیے دیتا ہے کہ کہیں مخلوق تجھ سے بھاگ نہ جائے؟ یا پھر ہم کو یہ دکھاتا ہے کہ تجھ تک کسی کی رسائی نہیں؟''

یہاں تک پہنچا کہ پانی برسنا شروع ہو گیا، بنی اسرائیل تر ہو گئے اور گھاس خدا کے حکم سے اُگنا شروع ہو گئی۔اس زور سے ابھری کہ دوپہر میں زانوں تک پہنچ گئی اس کے بعد برخ واپس آیا، حضرت موسیٰؑ اس کو ملے تو کہا کہ ''کیوں میں نے اپنے رب سے کیسا جھگڑا کیا؟ اور اس نے میرے ساتھ کیا انصاف کیا''؟ حضرت موسیٰؑ نے اس پر قصد کیا (یعنی بے ادبی جانا) تو خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ برخ مجھ سے دن میں تین بار ہنستا ہے (جو شخص مقام انس میں مقیم ہوتا ہے اس کی ناز برداری کی جاتی ہے) پھر فرمایا "برخ اچھا آدمی ہے لیکن اس میں ایک برائی ہے"۔حضرت موسیٰؑ نے سوال کیا ''وہ کیا ہے؟'' فرمایا ''اسے نسیم سحر اچھی لگتی ہے''۔اللہ تعالیٰ شراکت کو پسند نہیں کرتا۔شرک کو اچھا نہیں جانتا تو عاشق کو اللہ کے سوا کچھ بھی اچھا نہیں لگنا چاہیے (یعنی نسیم سحر بھی اچھی نہ لگے)۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ بصرہ میں ایک بار چند چھپر آگ سے جل گئے ان کے بیچ میں ایک چھپر باقی رہ گیا اس وقت ابو موسیٰؓ بصرہ کے سردار تھے۔ان کو اس حال کی خبر ہوئی تو اس چھپر کے مالک کو بلوایا، دیکھا تو ایک پیر مرد تھے۔آپؓ نے ان سے پوچھا "کیا بات ہے کہ تمہارا چھپر نہیں جلا"؟ انہوں نے کہا کہ ''میں نے خدا تعالیٰ کو قسم دے دی تھی کہ اس کو نہ جلانا''۔حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے سروں کے بال پراگندہ اور کپڑے میلے ہوں گے مگر تعلق ایسا کہ اگر خدائے تعالیٰ کو کسی بات پر قسم دے دیں تو خدا تعالیٰ اس کو پورا کر دے''۔(صحیح مسلم، جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح)

بنی اسرائیل کے ایک عابد نے اللہ تعالیٰ کی عبادت مدت تک کی اُس کو خواب میں دیکھایا گیا "فلاں عورت جنت میں تیری رفیق ہوگی"۔عابد نے اُس کو تلاش کیا

اور تین دن اُس کا مہمان رہا۔ تاکہ اس کا عمل دیکھے، عابد رات کو کھڑا رہتا اور وہ سو جاتی دن کو یہ روزہ رکھتے اور وہ افطار کرتی اس سے پوچھا" تیرا کوئی اور بھی عمل ہے"اس نے کہا" کچھ بھی نہیں ہے جو تم دیکھتے ہو"، انہوں نے کہا" بھلا یاد کرو"اس نے کہا"ایک چھوٹی سی خصلت میرے اندر یہ ہے کہ اگر میں سختی میں ہوتی ہوں تو اس امر کی تمنا نہیں کرتی کہ اچھی حالت میں ہو جاؤں اور اگر مرض میں ہوتی ہوں تو یہ تمنا نہیں کرتی کہ تندرستی میں ہو جاؤں، اگر دھوپ میں رہوں تو سائے کی متمنی نہیں ہوتی، اگر سائے میں رہوں تو دھوپ کی متمنی نہیں"، یہ سن کر عابد نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور کہا" یہ چھوٹی سی خصلت ہے یہ تو ایسی بڑی خصلت ہے جس سے عابد عاجز ہیں"۔

رضا:

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں" ایمان کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ حکم پر صبر کرے اور تقدیر پر راضی رہے"۔

حضرت فضیلؒ فرمایا کرتے تھے" جب بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا دینا اور نہ دینا دونوں یکساں ہو جائیں تو وہ اللہ سے راضی ہو چکا"۔

حضرت جبرائیلؑ سے حضرت یونس علیہ السلام نے پوچھا" مجھ کو وہ شخص بتلا دو جو زمین میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب ہو"، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایسے شخص کا پتہ بتایا کہ جذام نے اس کے ہاتھ اور پاؤں الگ کر دیئے تھے اور کان اور آنکھیں غارت کر دی گئیں تھیں، آپ نے دیکھا وہ کہہ رہا تھا" الٰہی جب تک تو نے چاہا ان اشیاء سے مجھ کو فائدہ دیا اور جب چاہا مجھ سے چھین لیا۔ اے مطلب پر پہنچانے والے میری توقع اور توجہ اپنی طرف لگائے رکھنا، میرے لیے یہ بھی بہت ہے"۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک ایسے اندھے، برص والے، اپاہج دونوں ہاتھوں سے فالج زدہ پر گزرے کہ اس کا گوشت جذام کے باعث بکھر گیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ''شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھ کو ایسے امراض سے صحت دی جس میں بہتوں کو مبتلا کر رکھا ہے''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ'' بھلا وہ کون سی مصیبت ہے جو تیرے اوپر نہیں''؟ اس نے کہا کہ'' اے روح اللہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کے دل میں خدا تعالیٰ نے وہ چیز نہیں ڈالی جو میرے دل میں اپنی معرفت سے ڈال دی''۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ'' درست کہتے ہو''، اپنا ہاتھ لاؤ اس نے جو ہاتھ دیا تو آپ کے ہاتھ میں آتے ہی درست ہو گیا اور پھر چہرہ بھی عمدہ اور خوبصورت ہو گیا اس کا مرض جاتا رہا اور وہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہ کر عبادت کرنے لگا۔

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں" اگر اللہ تعالیٰ تمام خلق کو جنت میں داخل کرے اور مجھے دوزخ میں ڈال دے تو میں راضی ہوں"۔ ایک بزرگ کو ان کے بھتیجے نے کہا کہ'' آپ اوروں کے لیے دعا کرتے ہیں اپنے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بینائی لوٹا دے'' آپ نے تبسم فرما کر کہا'' بیٹا خدا پاک کے حکم کی رضا میرے نزدیک بینائی سے اچھی ہے''۔

یہ واضح رہے کہ دعا کے باعث دعا مانگنے والا مقام رضا سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح گناہوں کو برا جاننا، مجرموں سے خفا رہنا۔ نافرمانوں کو تاکید کرنا، اسباب گناہ کو برا سمجھنا اور ان کے دور کرنے میں امر بالمعروف اور نہی منکر بجالانا بھی مخالف رضا کے نہیں ہیں۔

اگر تین شخص تین مقام کے ہوں، یعنی ایک تو اس درجے کا ہو کہ موت کو شوق دیدار الٰہی کے واسطے محبوب جانتا ہے، دوسرا زندگی لوگوں کی خدمت کے لیے محبوب گردانتا ہے، تیسرا کہتا ہے کہ میں خود کچھ پسند نہیں رکھتا جو کچھ خدا تعالیٰ میرے لیے پسند کرے میں اس میں راضی ہوں تو ان میں سے رضا والا شخص افضل ہے۔

ایک روز واہب بن وردؒ، سفیان ثوریؒ اور یوسف بن سباطؒ اکٹھے ہوئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ'' آج سے پہلے مجھ کو موت بری معلوم ہوتی تھی مگر آج میں چاہتا ہوں کہ مر جاؤں''، حضرت یوسف بن سباطؒ نے ان سے سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ'' فتنوں سے ڈرتا ہوں''، انہوں نے کہا کہ'' مجھے تو زیادہ جینا برا نہیں معلوم ہوتا''، حضرت سفیانؒ نے پوچھا'' کیوں'' انہوں نے فرمایا کہ'' اس توقع سے کہ شاید کوئی روز ایسا مل جائے جس میں مجھ کو توبہ نصیب ہو اور کوئی نیک عمل کر لوں''، پھر حضرت واہبؒ سے پوچھا" آپ کیا کہتے ہیں"؟ انہوں نے کہا کہ'' میں اپنی پسند نہیں رکھتا جو کچھ اللہ کو محبوب ہے وہی مجھ کو محبوب ہے، خواہ زندہ رکھے یا وفات دے''، حضرت سفیان ثوریؒ نے انہیں بوسہ دیا اور فرمایا" بخدا یہ روحانی ہے"۔

حضرت عیسیٰؑ سے مروی ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے پوچھا" کھیتی کہاں اُگتی ہے" لوگوں نے عرض کیا کہ'' مٹی میں'' آپؑ نے فرمایا" تو میں تم سے سچ کہتا ہوں حلم بھی اسی دل میں جمتی ہے جو مثل مٹی کے نرم ہو"۔ حضرت عیسیٰؑ سے کسی نے پوچھا" اعمال میں سب سے افضل کون سا ہے"؟ آپؑ نے فرمایا کہ'' خدا تعالیٰ سے راضی ہونا اور اس کی محبت''۔

حضرت ابو یزیدؒ فرماتے ہیں" محب نہ دنیا کی محبت کرتا ہے نہ آخرت کی بلکہ مولیٰ سے مولیٰ کو ہی چاہتا ہے"۔ حضرت خواصؒ فرماتے ہیں" محبت ارادوں کو مٹانا اور سب

صفات اور حاجات کا چلانا ہے"۔حضرت شبلیؒ کہتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗدؑ پر وحی کی کہ ’’اے داوٗد! ذکر میرا ذاکروں کے واسطے ہے اور جنت اطاعت کرنے والوں کے لیے اور دیدار مشتاقوں کے لیے اور میں خود اپنے محبوبوں کے لیے ہوں‘‘۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے آپ خاتم النبیین ﷺ کا طریقہ پوچھا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ’’معرفت میرا راس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل، شوق میری سواری، ذکر میرا انیس ہے، اعتماد میرا خزانہ، اور حزن میرا رفیق، علم میرا ہتھیار، صبر میری چادر، رضا میری غنیمت، عاجزی میرا فخر، زہد میرا پیشہ، یقین میری قوت، صدق میرا سفارش اور طاعت میرا حُب اور جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے‘‘۔ (الشفاء لقاضی عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں "میں نے اپنے مرشد حضرت سری سقطیؒ سے پوچھا" عاشق کو بلا کی تکلیف ہوتی ہے "انہوں نے فرمایا" نہیں "میں نے کہا" اگرچہ تلوار سے مارا جائے "، آپ نے فرمایا" گو تلوار سے ستر ضرب پر ضرب لگائی جائیں"۔

بعض اکابر فرماتے ہیں "مجھ کو وہی اچھا معلوم ہوتا ہے جو اس کو پسند ہو یہاں تک کہ اگر وہ میرے لیے دوزخ پسند کرے تو میں دوزخ میں جانا محبوب جانتا ہوں"۔

روایت ہے کہ حضرت فتح موصل کی بیوی ٹھوکر کھا کر گریں تو ناخن ٹوٹ گیا، آپ ہنس پڑیں، کسی نے پوچھا "آپ کو درد نہیں ہو رہا"، آپ نے جواب دیا ’’ثواب کی لذت نے میرے درد کی تلخی ختم کر دی ہے‘‘۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں "میں نے دس برس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت کی اگر میں نے کوئی کام کیا تو یہ نہ فرمایا" کیوں کیا "اور جو چیز ہو گئی کبھی یہ نہ فرمایا" کاش نہ ہوتی "اور اگر نہ ہوئی تو یہ نہ فرمایا" کاش ہو جاتی "اگر آپ خاتم النبیین ﷺ کے گھر والے کچھ کہتے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کہتے اسے چھوڑ دو جو تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوگا"۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗدؑ پر وحی بھیجی ’’اے داوٗدؑ تو بھی چاہتا ہے اور میں بھی چاہتا ہوں۔ اگر تو میرے چاہنے پر راضی ہو گیا تو میں تیرے چاہنے پر (خواہش پر) کافی ہو جاؤں گا اور اگر تو میرے چاہنے پر راضی نہ ہوا تو میں تجھے تیرے چاہنے میں پھنسا دوں گا (خواہش میں) اور پھر بھی ہوگا وہ جو میں چاہتا ہوں‘‘۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "اول وہ لوگ جنت میں جائیں گے جو ہر حال میں اللہ سے راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت بندے کے ایمان کے موافق ہوگی"۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ’’میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے لٹکائی گئی اس کے ایک پلے میں مجھ کو رکھا اور ایک پلے میں ’’ساری امت‘‘ کو رکھا، میرا پلہ بھاری رہا، ایک پلے میں ابوبکرؓ کو رکھا اور ایک پلے میں میری امت کو رکھا، ابوبکرؓ کا پلہ جھکا رہا"۔(مسند احمد)

اور ان سب امور کے باوجود آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی طرح کا استغراق تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے دل میں گنجائش محبت کی دوسرے کے ساتھ نہ تھی۔ اسی واسطے فرمایا کہ ’’اگر میں لوگوں میں سے خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں‘‘۔(صحیح بخاری)

پس محبت ثمرہ معرفت ہے۔ جب تک معرفت نہ ہوگی تو محبت نہ ہوگی یعنی رب کو جانیں گے ہی نہیں تو پہچانیں گے کیسے اور پہچانیں گے نہیں تو محبت کیوں کر کریں گے؟ اور کیسے کریں گے؟ معرفت ضعیف ہوگی تو محبت بھی ضعیف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت بندے کے ایمان کے موافق ہوگی۔ پس جو اپنے رب کو پہچانے گا وہ اس سے محبت کرے گا اور جو محبت کرے گا وہ اس محبت کا مزہ چکھ لے گا اور جو اس محبت کا مزہ چکھ لے گا دنیا اور آخرت دونوں کو فراموش کر دے گا۔

****

خوف ورجا (خوف اورامید)

رجا یعنی امید اچھی چیز ہے کیونکہ اس سے ترغیب ہوتی ہے اور نا امیدی بُری ہے یہ رجا کی ضد ہے۔ خوف رجا کی ضد نہیں ہے بلکہ خوف رجا کا دوست ہے۔

رجا (امید) کی فضیلت اور اس کے لیے رغبت دلانا

رجا کے ساتھ عمل کرنا خوف کے ساتھ عمل کرنے سے اعلیٰ اور عمدہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے قریب وہی بندہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ محبت الٰہی رکھتا ہو اور محبت رجا سے زیادہ ہوتی ہے اس کو ایسے سمجھو کہ دو بادشاہوں میں سے ایک کی خدمت لوگ ڈر کے مارے کریں اور دوسرے کی خدمت اس کے احسان کی امید پر، تو ظاہر ہے کہ محبت دوسرے ہی کے ساتھ زیادہ ہوگی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تم کو معلوم ہے "میں نے تم میں اور یوسف میں جدائی کیوں کر دی؟ اس وجہ سے کہ تم نے کہا تھا۔

ترجمہ: ''اور ڈرتا ہوں کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم کو اس کی خبر نہ ہو'' (یعنی اللہ سے اچھی امید نہ رکھی ہو) (سورہ یوسف، آیت نمبر 13)

ایک شخص اپنے گناہوں کی کثرت سے نا امید ہو گیا تھا، حضرت علیؓ نے اسے فرمایا ''اے شخص تیرے سب گناہوں سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗدؑ پر وحی بھیجی کہ ''مجھ سے دوستی کر اور جو مجھ سے دوستی کرے اس سے بھی دوستی کر اور مجھ کو خلق کے دلوں میں محبوب کر دے۔'' انہوں نے عرض کیا" خلق کے نزدیک تجھ کو کیسے محبوب کروں"؟ ارشاد ہوا ''میرا ذکر نہایت خوبی سے کیا کر، میری نعمتیں اور احسان بیان کیا کر اور یاد دلایا کر کہ سوائے احسان کے وہ کچھ نہیں جانتے''

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایک شخص دوزخ میں ایک ہزار سال تک یا حنّان یا منّان پکارتا رہے گا پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ میرے اس بندے کو لے آؤ پھر اللہ تعالیٰ اس سے دوزخ کے بارے میں پوچھے گا" کیسی جگہ ہے"؟ کہے گا "بہت بری ہے"، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا "اس کو واپس لے جاؤ"۔ وہ واپس جاتے وقت بار بار پیچھے دیکھے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا" کیا تاکتا ہے"؟، وہ عرض کرے گا "میں نے توقع کی تھی کہ ایک دفعہ اس دوزخ سے نکالنے کے بعد تو پھر دوبارہ مجھے اس میں نہیں ڈالے گا"۔ حکم ہوگا "اس کو جنت میں لے جاؤ"۔ (صحیح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی نجات کا سبب صرف رجا ہی ہوگی۔ (یعنی صرف امید)

رجا (امید) کی تدبیر

رجا کی ضرورت دو آدمیوں کو ہوتی ہے یا تو وہ شخص جس پر نا امیدی غالب ہو جائے اور عبادت ترک کر دے، یا وہ شخص جس پر خوف غالب ہو جائے اور عبادت میں اتنی زیادتی کرنے لگے کہ اپنے نفس اور اپنے گھر والوں کو نقصان پہنچائے۔ یہ شخص رجا سے علاج کا محتاج ہے جس سے وہ اعتدال پر آ جائے۔ لیکن جو آدمی گناہ پر مغرور ہو کر خدا تعالیٰ پر تمنا کرے، عبادت سے روگرداں رہے اور گناہوں میں گھرا رہے تو اس کے حق میں رجا کی دوا زہر مہلک ہو جاتی ہے۔ جیسے شہد کہ جس پر غلبہ ٹھنڈک کا ہو اس کے حق میں شفا ہے اور جس پر غلبہ حرارت ہو اس کے حق میں زہر ہے۔ اس لیے مغرور کے لیے دوائے خوف سے بہتر کوئی دوا نہیں۔

پھر جو شخص کہ وعظ کہتا یا نصیحت کرتا ہے اس کو چاہیے کہ موقع علت کو دیکھتا رہے اور ہر علت کا اس کی ضد سے علاج کرے، ایسی چیز سے علاج نہ کرے جس سے بیماری اور زیادہ ہو جائے۔ جب لوگوں کو دیکھے کہ اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو گئے ہیں اور گناہ پر جرأت کرتے ہیں اور زعم یہ ہے کہ آقا کریم ہے، غفار ہے، ستار ہے تو یہ ایسا وقت ہے کہ اسباب رجا کے لوگوں میں بیان نہیں کرنے چاہیں۔ ایسی حالت میں خوف دلانے میں اگر مبالغہ کیا جائے تب بھی لوگوں کا راہ راست پر آنا دشوار ہوگا۔ اسباب رجا کا بیان تو لوگوں کو اسی حالت میں بالکل ہی تباہ کر دے گا، مگر رجا چونکہ دلوں پر ہلکا معلوم ہوتا ہے اور نفسوں کو لذیذ تر اور آج کل کے واعظوں کی غرض بھی ہر حال میں اپنے لیے لوگوں کی ثنا ہوتی ہے۔ اس لیے وہ رجا کے بیان پر جھک جاتے ہیں، یہاں تک کہ خرابی بڑھ جاتی ہے اور سرکشی اپنی حد پر پہنچ جاتی ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے جناب باری میں استدعا کی کہ ''میری امت کے گناہوں کا حساب میرے سپرد کر دے تا کہ ان کی خطاؤں پر میرے سوا اور کوئی مطلع نہ ہو''۔ حکم ہوا کہ یہ ''لوگ تمہاری تو صرف امت ہیں میرے بندے ہیں تمہاری نسبت میں ان پر زیادہ رحیم ہوں۔ ان کا حساب

اپنے سوا کسی کو نہ بتاؤں گا تا کہ ان کی خطائیں نہ تم کو معلوم ہوں نہ کسی دوسرے کو"۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے سورۃ الحج کی آیت نمبر 1 پڑھی:

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ

(ترجمہ) ''بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے''

تو اصحاب سے پوچھا کہ ''تم کو معلوم ہے کہ یہ کونسا دن ہے؟ یہ وہ دن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ کھڑے ہو کر اپنی اولاد کو دوزخ کی رسد سے نکالو۔ عرض کریں گے "کتنے"؟ حکم ہوگا "ایک ہزار میں سے ایک جنت کے لیے رکھو اور نو سو ننانوے دوزخ کے لیے''، یہ سن کر سب حیران رہ گئے اور رونا شروع کر دیا پھر اس روز کچھ شغل اور کام نہ کیا۔ اسی اثناء میں آپ خاتم النبیین ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ ''تم لوگ کام کیوں نہیں کرتے'' انہوں نے عرض کیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے وہ حدیث سن کر اب کس کو تاب ہے کہ کام میں مشغول ہو، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ قوموں کی نسبت تم گنتی میں کتنے ہو۔ تاویل، تاریس، منسک اور یاجوج ماجوج کی قومیں کہاں گئیں؟ اتنی قومیں ہیں کہ ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تم تو ان سب کے درمیان ایسے ہو گے جیسے سیاہ بیل کے چمڑے میں ایک سفید بال ہوتا ہے یا گھوڑے کے پاؤں میں کسی اور رنگ کا داغ''۔ (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے لوگوں کو خوف کے تازیانے سے کیسے ہانکا پھر جب لوگوں کو ناامیدی کی طرف دیکھا تو رجا کی باگ سے کیسے اللہ کی طرف کھینچا اور پھر ان کو اعتدال کی صورت میں کر دیا۔ پس واعظین کو چاہیے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی پیروی میں اس بات کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

ایک حدیث میں ہے ''کہ اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور خلقت پیدا کر دے گا تا کہ وہ گناہ کریں اور اللہ ان کے قصور بخش دے''۔ (صحیح مسلم، السلسلۃ الصحیحۃ)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی کافر اللہ کے پاس موجود اُس کی ساری ہی رحمت کے بارے میں جان لے تو کبھی جنّت (کے حصول) سے مایوس نہ ہو، اور اگر کوئی مؤمن اللہ کے پاس جو عذاب ہیں اُن کے بارے میں جان لے تو کبھی خود کو جہنم سے محفوظ خیال نہ کرے"۔ (صحیح البخاری)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص گناہ کرے اور اس کے گناہ کو اللہ تعالیٰ دنیا میں پوشیدہ رکھے، پھر اس کا کرم جو اس شخص پر دنیا میں رہا ہے وہی کرم آخرت میں اس بات کو نہیں چاہتا کہ اب اس کا گناہ ظاہر کر دیا جائے ورنہ یہ کرم ہی کیا ہوتا۔ کرم بھی ہو اور خالق کا ہو اور پھر مخلوق کی طرح کا ہو تو کیا کرم؟ کہ ذرا ذرا سے احسان کو جتاتے پھرتے ہیں''۔

حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں "قیامت میں اگر میرا حساب میرے ماں باپ کے حوالے کر دیا جاتا تب بھی میں اچھا نہ جانتا، اس لیے کہ مجھ کو یقین ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ پر میرے ماں باپ کی نسبت زیادہ رحیم ہے''۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ایک نوجوان کے پاس گئے اور وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس سے پوچھا: "اپنے (اخروی اجر و ثواب اور عذاب و عقاب کے) بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟" اس نے کہا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں پر امید ہوں، لیکن اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں"۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جس آدمی کے دل میں اس قسم کے (جان کنی کے) وقت میں یہ دو چیزیں (یعنی خوف و امید) جمع ہو جاتی ہیں، تو جس چیز کی اسے امید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ وہ عطا کر دیتا ہے اور جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، وہ اس سے امن دلا دیتا ہے۔" (السلسلۃ الصحیحۃ)

ایک حدیث میں ہے "تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ اس کا عمل اس کو دوزخ میں پہنچا دے یا جنت میں داخل کروا دے (یعنی یہ سب ''رحمت الٰہی کی وجہ سے ہو گا'') لوگوں نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا آپ بھی ایسے نہیں ہیں"؟، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں بھی ایسا نہیں مگر اس صورت میں کہ پروردگار مجھ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے''۔ (صحیح مسلم)

روایت ہے کہ دو عابد شخص عبادت میں برابر تھے۔ جب وہ جنت میں گئے تو ایک کو بہ نسبت دوسرے کے اونچا درجہ ملا۔ اس کم مرتبہ والے نے عرض کیا "الٰہی دنیا میں اس شخص نے مجھ سے زیادہ عبادت نہیں کی مگر تو نے اس کو بڑا رتبہ عنایت فرمایا"؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ شخص دنیا میں اپنی دعاؤں میں مجھ سے بڑے بڑے درجات مانگا کرتا تھا اور تو صرف آتش دوزخ سے نجات کی دعا کیا کرتا تھا۔ میں ہر بندے کو اس کی دعا اور اس کے گمان کے مطابق ہی دوں گا''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ

عبادت رجا کے ساتھ کرنی افضل ہے۔اس لیے کہ رجا والے پر محبت غالب ہوا کرتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک مجوسی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ہوا، آپ علیہ السلام نے اس سے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تو مسلمان ہوجائے تو تجھ کو کھانا کھلاؤں گا'' وہ مجوسی چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ ''تم نے اپنے دین کے اختلاف کے باعث اس کو کھانا نہ دیا، ہم اس کو ستر برس سے باوجود کفر کے کھانا کھلا رہے ہیں، اگر تم ایک رات کھلا دیتے تو کیا ہوتا''؟ حضرت ابراہیمؑ اسی وقت مجوسی کے پیچھے دوڑے اس کو لوٹا لائے اور ضیافت کی مجوسی نے پوچھا "اب ضیافت کا سبب کیا ہے؟ اول تو آپ علیہ السلام نے انکار کیا" مجوسی کے اصرار پر سارا قصہ سنایا۔ مجوسی نے حیرت سے کہا "اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ معاملہ کرتا رہا ہے"- پھر آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

ابوسہل معلوکیؒ جو ہمیشہ ڈرانے میں معروف تھے انہوں نے ابوسہل رجاجیؒ کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا انہوں نے جواب دیا" جس قدر تم ڈرایا کرتے تھے اس سے معاملہ ہم نے سہل پایا"۔ پھر کسی نے ابوسہل معلوکیؒ کو بہت عمدہ صورت کے خواب میں دیکھا جس کا بیان نہیں ہوسکتا تھا، پوچھا "یہ درجہ تم کو کیسے ملا"؟ انہوں نے کہا کہ "میرے حسن ظن کی وجہ سے یعنی اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھتا تھا۔ یعنی اپنے گناہوں سے ہر وقت ڈرتا تھا لیکن اس کی رحمت سے اچھی اچھی امیدیں باندھتا تھا''۔

ابوالعباس بن شریحؒ نے اپنے مرض الموت میں خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہے اور خداوند جبار ارشاد فرماتے ہیں "علماء کہاں ہیں"؟ جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے سوال ہوا کہ تم نے اپنے علم سے کیا عمل کیا؟ سب علماء نے جواب دیا" الٰہی ہم سے تقصیر ہوئی اور ہم نے برا کیا"۔ راوی کہتے ہیں گویا یہ جواب جناب باری میں پسند نہ ہوا اور پھر وہی سوال ہوا تا کہ کوئی اور جواب دیں۔ ابن شریحؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "میرے نامہ اعمال میں شرک نہیں ہے، تو نے وعدہ کرلیا ہے کہ شرک سے کمتر گناہ کو معاف کر دوں گا" حکم ہوا "اس کو لے جاؤ ہم نے اس کو بخش دیا"۔ اس خواب کے تین دن کے بعد آپؒ رحلت فرما گئے۔

ابراہیم اطروشؒ سے روایت ہے کہ ہم بغداد میں دجلہ کے کنارے حضرت معروف کرخیؒ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اس درمیان میں ایک چھوٹی سی جگہ پر کچھ نوجوان لوگ ڈھول بجاتے اور شراب پیتے اور کھیلتے نکلے تو لوگوں نے حضرت معروفؒ کی خدمت میں عرض کیا" دیکھئے یہ لوگ علانیہ اللہ کی نافرمانی کررہے ہیں۔ ان پر بددعا کریں"۔ آپؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی "الٰہی جیسا تو نے ان کو دنیا میں خوش رکھا، آخرت میں بھی ایسا ہی خوش رکھنا"۔ لوگوں نے عرض کیا" ہماری غرض تو یہ تھی کہ آپؒ ان پر بددعا کرتے"۔ آپؒ نے فرمایا "اگر خداوند تعالیٰ ان کو آخرت میں خوش کرے گا تو اول دنیا میں ان کو تائب کردے گا یعنی میری دعا یہی ہوئی نا کہ ان کو ان کی ان حرکات پر توبہ نصیب کر"۔

بعض اکابر اپنی دعا میں یوں کہتے ہیں "الٰہی دنیا میں کون ایسا ہے جو تیری نافرمانی نہ کرتا ہو لیکن تیری رحمت سب پر ہے اور کامل ہے اور رزق جاری ہے، تیری شان بہت بڑی ہے اور حلم نہایت افزوں کہ نافرمانی بھی ہوتی رہتی ہے اور رزق بھی دیا جاتا رہتا ہے۔ اپنی نعمت پوری کردیتا ہے، گویا تو غصہ ہی نہیں ہوتا"۔

حاصل یہ ہوا کہ اسباب ایسے ہیں کہ جن سے امید (رجا) کی روح خوف والوں کے دل میں پڑتی ہے۔ مگر احمق اور مغروروں کو ہرگز ان باتوں میں سے کچھ نہیں سنانا چاہیے۔ اس لیے کہ اکثر لوگ صرف خوف ہی سے اصلاح پکڑتے ہیں اور ان کے خلاف کیا جائے تو ان کی دین و دنیا کی بہتری میں خلل پڑ جاتا ہے۔

خوف کا بیان:

خوف ایک تازیانہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو علم وعمل کی طرف ہنکاتا ہے تاکہ ان دونوں سے مرتبہ قرب الٰہی حاصل ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور پھر خشیتِ الٰہی کی بناء پر اُس کی آنکھوں سے اس قدر اشک رواں ہوئے کہ وہ زمین تک پہنچ گئے تو اسے روزِ قیامت عذاب نہیں دیا جائے گا۔'' (حاکم المستدرک، طبرانی)

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو خوف اس کو ہر طرح کی بہتری سوجھا دیتا ہے''۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں "جب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں تو میرے سامنے ایک دروازہ علم وحکمت کا ایسا کھل جاتا ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا''۔

حضرت یحیٰ بن معاذؒ کا قول ہے کہ ''جب مومن کوئی خطا کرتا ہے تو اس کے پیچھے دو نیکیاں ہوتی ہیں اول عذاب کا خوف ہے، دوسرا معاف ہونے کی توقع۔ پھر وہ برائی ان دونوں خوف ورجا کے درمیان ہوجاتی جیسے دو شیروں کے درمیان لومڑی''۔

حضرت موسیٰؑ کی حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز ارشاد فرمائے گا کہ ''کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جس کا حساب میں نہ کروں گا اور ان کے عمل کی تفتیش نہ بجالاؤں گا۔ بجز اہل ورع کے کہ ان سے مجھ کو شرم آتی ہے اور ان کی قدر اس بات سے زیادہ ہے کہ ان کو حساب لینے کے لیے کھڑا کردوں''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایک آدمی اپنے اوپر (کثرتِ گناہ کی صورت میں) ظلم وزیادتی

کرتا رہا، جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا" جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اچھی طرح جلا دینا، پھر (میرے جلے ہوئے جسم کو) پیس دینا، میری راکھ ہوا میں اُڑا دینا، اللہ کی قسم! اگر میرے ربّ نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ اس جیسا عذاب کبھی کسی کو نہ دیا ہوگا"۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے ساتھ اُسی طرح کیا گیا (جس طرح اُس نے وصیت کی تھی)۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا" اپنے اندر موجود اس کے (بکھرے ہوئے) ذرّات جمع کر دے"۔ اس نے ذرّات جمع کر دیئے تو وہ (پورے جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے) کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تمہیں اس حرکت پر کس چیز نے آمادہ کیا تھا"؟ اس نے عرض کیا" اے میرے رب! تیرے خوف نے"۔ اللہ تعالیٰ نے اسے (قلبی خوف وخشیت کی وجہ سے) بخش دیا"۔ (متفق علیہ)

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے محبت پختہ ہو جاتی ہے اور عقل درست ہو جاتی ہے'' اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ ''خوف رجا کی نسبت زیادہ چاہیے اس لیے کہ جب رجا غالب ہو جاتی ہے تو دل پریشان ہو جاتا ہے''۔

ابوالحسینؒ نابینا کہا کرتے تھے کہ ''سعادت کی پہچان یہ ہے کہ بدبختی کا آدمی کو خوف ہو اس لیے کہ خوف بندے اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک باگ ہے جب وہ جاتی رہتی ہے تو بندہ تباہ ہو جاتا ہے''۔

کسی نے حضرت یحییٰ بن معاذؒ سے پوچھا" سب سے زیادہ قیامت میں بے خوف کون ہوگا"؟ فرمایا ''جو دنیا میں سب سے زیادہ خوف کرنے والا ہوگا''۔

حضرت حسنؓ سے بعض لوگوں نے کہا" کیا علاج کریں کہ ہم ایسے لوگوں میں بیٹھتے ہیں جو ہم کو اتنا ڈراتے ہیں کہ گویا ہمارے دل اڑنے لگتے ہیں"۔ آپؓ نے فرمایا کہ ''اس بات کو خوب جان لو کہ ایسے لوگوں میں بیٹھنا جو تم کو ڈرائیں، یہاں تک کہ تم کو امن میں پہنچا دیں اس سے بہتر ہے کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھو کہ وہ تم کو بے خوف کریں اور تمہیں ایک دفعہ ہی خوف آن گھیرے''۔

حضرت ابوسلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ ''جس دل سے خوف الگ ہو جاتا ہے وہ خراب ہو جاتا ہے''۔

ایک حدیث میں کہ ''جب ایمان دار کے دل پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزہ پڑ جاتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں''۔ (الترغیب والترھیب ،بیہقی)

ایک حدیث ہے کہ ''خدا تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے اچھا کوئی قطرہ نہیں ایک آنسو کہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نکلے، دوسرا قطرہ خون جو خدا کی راہ میں بدن سے گرے''۔ (جامع ترمذی)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں''۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابوسلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ ''جس کسی کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا جائیں گی، اس کے چہرے پر غبار اور ذلت قیامت کو نہیں آئے گی اور اگر اس کے آنسو بہیں گے تو اول ہی قطرے سے، بہت سے آگ کے سمندر سرد ہو جائیں گے اور اگر کوئی شخص کسی جماعت میں روئے تو اس پوری جماعت کو عذاب نہ ہوگا''۔

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ بخدا ''خدا کے خوف سے اس قدر رونا کہ آنسو میرے رخسار پر بہہ نکلیں مجھے اس بات سے اچھا معلوم ہوتا کہ میں ہزار دینار خیرات کر دوں''۔

حضرت حنظلہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں" ہم ایک روز نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہم کو ایسی نصیحت کی کہ اس سے دل نرم ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور نفسوں کو ہم نے جان لیا، پھر جب میں گھر آیا تو گھر والے میرے پاس آئے اور دنیا کی باتیں ہم لوگوں میں جاری ہو گئیں یہاں تک کہ وہ حال جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سامنے تھا اب نہ رہا اور دنیا میں جا پڑا۔ پھر مجھ کو یاد آیا تو میں نے کہا" میں منافق ہوں"۔ اس جہت سے کہ جو رقت اور خوف طاری تھی وہ اب نہیں رہی تھی۔ اس خیال سے میں گھر سے نکلا اور پکارا" حنظلہؓ منافق ہو گیا ہے"۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھ کو سامنے ملے اور انہوں نے کہا" حنظلہؓ ہرگز منافق نہیں ہوا"۔ میں آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زبان سے یہی کہتا جاتا تھا" حنظلہؓ منافق ہو گیا ہے"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''بالکل منافق نہیں ہوا''، میں نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس تھے آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایسا وعظ کیا جس سے دلوں پر ترس چھا گیا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اپنے نفسوں کی ہم کو اطلاع ہو گئی مگر جب میں گھر گیا اور دنیاوی باتیں

شروع کیں تو وہ سب کیفیت جاتی رہی جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے تھی"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے حنظلہؓ! اگر تم ہمیشہ اُسی کیفیت پر رہو تو تم سے فرشتے راستوں میں اور تمہارے بستروں پر مصافحہ کریں مگر ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے''۔(صحیح مسلم،مشکوۃ المصابیح)

غلبہ خوف یا غلبہ رجا میں افضل کون؟

مطلق یہ پوچھنا "خوف افضل ہے یا رجا"؟،قولِ فاسد ہے اور ایسا ہے کہ کوئی پوچھے کہ روٹی بہتر ہے یا پانی،اب اس کا جواب یہی دیا جائے گا" بھوکے کو روٹی بہتر ہے اور پیاسے کو پانی"۔اور اگر بھوک اور پیاس دونوں ہیں تو ان دونوں میں سے جونسی غالب ہوگی اس کا اعتبار ہوگا یعنی اگر بھوک غالب ہے تو روٹی افضل ہوگی اور اگر پیاس غالب ہے تو پانی افضل ہوگا اور دونوں مساوی ہوں تو روٹی اور پانی بھی مساوی ہوں گے۔اس لیے کہ جو چیز کسی مقصود کے لیے مطلوب ہوتی ہے تو اس کی خوبی اس مقصود کے لحاظ سے ہوتی ہے کہ نہ خود اپنی ذات کے لحاظ سے۔رجا اور خوف دو دوائیں ہیں جن سے دلوں کا علاج ہوتا ہے تو ان کی خوبی اس قدر ہوگی جس قدر روگ موجود ہوگا پس اگر دل پر مرض بے خوف ہونے کا خدا کے عذاب سے اور مغرور ہونے کا اللہ پر،تو اس صورت میں خوف افضل ہوگا۔اور اگر دل پر یاس اور قنوط غالب ہوگیا ہے تو رجا افضل ہوگی اس لیے کہ رجا کا منبع بحرِ رحمت ہے۔ مگر متقی شخص جس نے گناہ ظاہری اور باطنی چھوڑ دیئے ہیں اس کے حق میں اصلح یہ ہے کہ خوف اور رجا اعتدال کے ساتھ ہم پلو رہیں،اس واسطے یہ قول مشہور ہے "اگر مومن کے خوف اور رجا تولے جائیں تو دونوں برابر ہوں گے "اور اسی واسطے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر'' بلفرض یوں ندا ہو"ایک آدمی کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے "تو مجھے امید ہوگی کہ وہ میں ہوں گا اور اگر یہ کہا جائے "ایک آدمی کے سوا سب جنت میں جائیں گے "تو مجھے خوف ہوگا کہ وہ میں ہوں گا''-اور یہ نہایت اعلیٰ درجہ ہے کہ خوف ورجا دونوں اعتدال میں برابر،برابر ہیں۔لیکن حضرت عمرؓ کے ہی خوف اور رجا برابر ہیں،عام آدمی کو جب یہ گمان ہوجائے کہ وہ دوزخ سے مستثنیٰ لوگوں میں سے ہے تو یہ صورت اس کے لیے مغالطہ کھانے کی ہوجائے گی۔

حضرت یحیٰ بن معاذؓ فرماتے ہیں "جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف خوف سے کرے گا وہ فکر کے سمندروں میں ڈوب جائے گا اور جو کوئی اس کی عبادت محض رجا سے کرے گا تو وادی مغالطہ میں سرگشتہ رہے گا اور اگر خوف،رجا اور محبت تینوں سے عبادت کرے گا تو طریق ذکر میں مستقیم رہے گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمع رہنا ان سب کا ضروری ہے مگر مناسب خوف کا غلبہ جب تک موت سامنے نہ آئے اور مرنے کے وقت غلبہ رجا کا مناسب تر ہے کیونکہ نزاع کی صورت میں وقت عمل تو گزر گیا ہے نہ اب وہ خوف کو برداشت کرسکتا ہے اس سے توکل کا مرتا آج مرجائے گا ہاں اس وقت رجا کی صورت میں دل کو تقویت ہوتی ہے اور جس ذات کے پاس رجا ہوتی ہے اس کی محبت دل میں سما جاتی ہے اور آدمی کو یہی مناسب بھی ہے کہ جب دنیا سے کوچ کرے تو محبت الٰہی ہی میں کرے تا کہ خدا کی ملاقات اچھی معلوم ہو کیونکہ جو شخص خدا سے ملنا اچھا جانتا ہے خدا تعالیٰ بھی اس سے ملنا اچھا جانتا ہے اور یہ صورت رجا میں بن سکتی ہے اس لیے کہ محبت رجا سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔خلاصہ یہ کہ موت سے پہلے غلبہ خوف کا مناسب ہے اور موت کے وقت رجا کا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ''موت کے وقت مجھ سے رجا کی باتوں کا ذکر کرنا اور جب تک میرا وصال نہ ہوجائے رجا ہی کی باتیں کرتے رہنا تا کہ میں خدائے تعالیٰ سے حسن ظن کے ساتھ ملوں''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے لڑکے کو نزاع کے وقت ارشاد فرمایا ''مجھے وہ حدیثیں سناؤ جس میں حسن ظن اور رجا کا مذکور ہے''اور مقصود ان سب سے یہی ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ محبوب بن جائے اور اسی بنا پر حضرت داؤدؑ پر وحی آئی تھی کہ ''مجھ کو میرے بندوں کے نزدیک محبوب کردے''انہوں نے عرض کیا "الٰہی میں تجھ کو تیرے بندوں کے نزدیک محبوب کیسے کروں"؟ارشاد ہوا "میرے انعام اور احسان ان کو کھول کھول کر دکھاؤ"۔

غرض کہ سعادت اس میں ہے کہ اللہ کی محبت میں مرے اور محبت الٰہی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔اول معرفت،دوئم دنیا سے نفرت،یہاں تک کہ دنیا تجھے قید خانہ معلوم ہو کہ محبوب سے ملنے سے روکتی ہے،بعض صلحا نے حضرت ابو سلیمان دارانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ڈرتے ہیں،انہوں نے پوچھا "آپ کا کیا حال ہے"؟ آپ نے فرمایا "ابھی قید سے چھوٹا ہوں"۔صبح کو جاگے تو لوگوں سے ابو سلیمانؒ کا حال پوچھا لوگوں نے کہا" گزشتہ شب ان کا انتقال ہوگیا ہے"۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا وقت مرگ قریب پہنچا تو علماء کو بلایا کہ توقع دلائیں اور رونے لگے،آپ نہایت خائف تھے لوگوں نے ان سے کہا" آپ کو رجا کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ کا عفو تمہارے گناہوں سے بڑا ہے"،آپ نے فرمایا ''میں گناہوں کے واسطے نہیں روتا اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ خاتمہ توحید پر ہوجائے گا تو مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میرے ساتھ پہاڑوں کے برابر گناہ جائیں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ''اے گروہ حواریوں تم گناہوں سے ڈرتے رہو، ہم پیغمبروں کی جماعت کفر سے ڈرتے ہیں'' انبیاء کے تذکرے میں مذکور ہے "ایک پیغمبر برسوں بھوک، برہنگی اور جوؤں کی حالت میں رہے پھر اللہ تعالیٰ سے جوؤں اور بھوک کی شکایت کی بہت تنگ کرتی ہیں"، وحی ہوئی کہ ''ہم نے تجھ کو کفر سے بچا رکھا ہے اس بات پر راضی نہیں کہ دنیا مانگتا ہے''۔ انہوں نے فوراً خاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا "الٰہی میں راضی ہوں مجھے کفر سے بچائے رکھنا"۔

اب غور کا مقام ہے کہ جب خاتمے کی برائی سے ایسے عارف ڈرتے ہیں جن کے قدم راسخ اور ایمان قوی ہیں تو ضعیف بچارے کیسے نہیں ڈریں گے اور ڈرنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ خاتمہ کے برا ہونے کے چند اسباب ہیں جو موت سے پہلے ہوجایا کرتے ہیں ان میں نفاق، کبر اور صفات مذمومہ داخل ہیں۔ چونکہ نفاق ایک ایسی چیز ہے جس سے خاتمہ بگڑتا ہے اسی وجہ سے صحابہؓ نفاق سے بہت ڈرتے تھے۔ اسی لیے حضرت حسینؓ فرماتے تھے "اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ میں نفاق سے بری ہوں تو یہ بات مجھ کو دنیا اور اس کی ہر چیز سے اچھی معلوم ہو''۔

اصحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے نفاق کی ایسی تفسیر کی ہے جس سے بجز صدیق کے اور کوئی خالی نہیں۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''ظاہر کا باطن سے اور دل کا زبان سے مختلف ہونا نفاق ہے''۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ''عہدِ مبارک آنحضرت خاتم النبیین ﷺ میں آدمی ایسا لفظ کہا کرتا تھا جس سے منافق ہوجاتا تھا اور وہی لفظ میں تم سے دن میں دس دفعہ سنتا ہوں، صحابہ کرامؓ فرماتے تھے کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے زیادہ باریک ہیں مگر ہم ان کو آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے عہد میں کبیرہ جانتے تھے''۔

روایت ہے کہ چند لوگ حضرت حذیفہؓ کے دروازے پر بیٹھے انتظار کر رہے تھے آپؓ کا حال کچھ آپس میں بیان کرتے تھے، جب آپ گھر سے نکلے تو سب لوگ حیا کر کے چپ ہوگئے، آپؓ نے فرمایا "جو باتیں کرتے تھے وہ کرتے رہو"، سب خاموش رہے آپؓ نے فرمایا "اس کو ہم عہد آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے دور میں نفاق جانتے تھے" اور حضرت حذیفہؓ وہ ہیں جو منافقین کے جاننے اور اسباب نفاق کے پہچاننے میں مخصوص تھے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے "دل پر ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ ایمان سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ ان میں نفاق کی ایک سوئی کے برابر بھی گنجائش نہیں ہوتی اور ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ نفاق سے بھر جاتا ہے یہاں تک کہ ایمان کی گنجائش سوئی چھپانے کے برابر بھی نہیں رہتی۔ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ میں نفاق سے خالی ہوں تو یہ بھی نفاق ہے کیونکہ یہ قول ہے کہ ''جو شخص نفاق سے بے خوف ہوگا وہ منافق ہے''۔

چنانچہ مطرفؒ بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ ''اس بات پر تعجب نہیں کہ ہلاک ہونے والا کیسے ہلاک ہوا، مجھے تو تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ نجات پانے والا کیسے نجات پا گیا''؟

حامد لفافؒ کہتے ہیں "جب بندہ مومن کی روح فرشتے اوپر لے کر جاتے ہیں اور خیر اور اسلام پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے تو فرشتے تعجب سے اس کو دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں "یہ شخص دنیا سے کیسے بچ گیا جس میں ہم میں سے بہت سے بگڑ گئے"، حضرت سفیانؒ ایک دن رو رہے تھے لوگوں نے پوچھا" کیوں روتے ہو"؟ آپؒ نے فرمایا کہ'' کچھ روز ہم گناہ پر روئے اب اسلام پر روتے ہیں''، یعنی اندیشہ ہے کہ ساتھ دے گا یا نہیں؟ یعنی خاتمہ بخیر ہوگا یا نہیں۔ کیونکہ ایمان رکھنا آسان ہے لیکن ایمان کے ساتھ جانا مشکل کام ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جس کی کشتی گرداب میں پڑگئی ہو طوفان کے باعث موجوں کا بھی پتہ نہ ہو اس شخص کے حق میں تباہ ہونے کی نسبت بچنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور مومن کا دل کشتی کی نسبت زیادہ مضطرب ہے اور وسوسوں کے سمندر کی موجیں اسے زیادہ صدمہ پہنچاتی ہیں اور ڈرنے کی صرف یہی چیز ہے کہ مرتے وقت اندیشہ بد دل نہ گزرے۔

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں گیا ہوں تین سو پیغمبروں سے ملاقات کی ان سب سے میں نے پوچھا" دنیا میں آپ سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتے تھے" سبھی نے فرمایا "سوء خاتمہ سے (برے خاتمہ سے)''

سو خاتمہ کی حقیقت اور جو چیز اس میں خوفناک ہے معلوم ہوچکی تو اس کی تیاری کے لیے مشغول ہو اور ذکر الٰہی کی مداومت کر اور اپنے دل سے محبت دنیا نکال دے۔ ایسا نہ کرنا کہ اسباب میں لیت و لعل کرے اور یوں ہے کہ جب خاتمہ کا وقت آئے گا تو تیاری کرلوں گا کیونکہ موت کا وقت مقرر نہیں اور خاتمہ کا یقین نہیں۔ اللہ سے

ڈر، اللہ سے ڈر۔

انبیاء اور فرشتوں پر خوف خداوندی کے حالات :- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں ''جب ہوا چلتی اور آندھی چلتی تو آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا اور باہر اندر جاتے تھے اور یہ سب باتیں خدا کے خوف کی وجہ سے ہوتیں تھیں کہ شاید، قیامت آنے والی ہے''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''میرے پاس جبرائیل علیہ السلام کبھی نہیں آئے مگر اس صورت سے کہ خوف خدا میں کانپتے ہیں''۔ (سنن ابی داؤد)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ''یہ کیا بات ہے کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا''، انہوں نے فرمایا کہ ''جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے وہ کبھی نہیں ہنسے''۔

محمد بن معکدرؒ روایت کرتے ہیں "جب دوزخ پیدا ہوئی تو فرشتوں کے دل اپنی جگہ سے اڑ گئے مگر جب بنی آدم پیدا ہوئے تو دل پھر اپنی جگہ واپس آ گئے"۔

حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو ان کے دل کے دھڑکنے کی آواز ایک کوس تک سنائی دیتی''۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں "حضرت داؤدؑ اپنے گناہ کے بعد چالیس روز تک سجدے میں روئے اور سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں سے سبزہ اُگ آیا اور ان کا سر چھپ گیا۔ آواز آئی "اے داؤد! اگر تو بھوکا ہے تو کھانا ملے گا، اگر پیاسا ہے تو پانی ملے اگر ننگا ہے تو کپڑا دیا جائے"، آپؑ نے ایسی دھاڑ ماری کہ آپؑ کے خوف کی حرارت سے سامنے کی لکڑی جل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کی اور مغفرت فرمادی، عرض کیا کہ ''الٰہی میرا گناہ میرے ہاتھ میں لکھ دے''۔ ان کا گناہ ان کی ہتھیلی پر لکھ دیا گیا جب کھاتے پیتے یا کسی مقصد کے لیے ہاتھ بڑھاتے اس خطا کو دیکھ کر روتے، راوی کہتے ہیں "پانی کا پیالہ جب ان کے ہاتھ میں آتا تو تہائی خالی ہوتا تھا، جب آپ اپنی خطا دیکھتے تو ہونٹوں سے ملانے تک آنسوؤں سے لبریز ہو جاتا تھا" اور یہ بھی آپ کے احوال میں مروی ہے " کبھی اپنا سر مارے حیا کے آسمان کی طرف نہیں اٹھایا یہاں تک کہ وفات پائی" اور دعا میں یوں عرض کیا کرتے تھے'' الٰہی اگر میں اپنی خطا یاد کرتا ہوں تو زمین باوجود وسعت کے مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے، جب تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو جان میں جان آتی ہے تو پاک ہے۔ یا خدایا! میں تیرے بندوں میں سے جو طبیب ہیں ان کے پاس گیا وہ سب کے سب تیرے پاس ہی علاج بتلاتے ہیں تو خرابی ہے اس کے لیے جو تیری رحمت سے آس توڑ دے'' حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں "ایک روز حضرت داؤدؑ نے اپنا گناہ یاد کیا کہ اسی وقت چیختے ہوئے اپنا ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے پہاڑوں میں چلے گئے، آپ کے پاس درندے اکٹھے ہو گئے، آپؑ نے فرمایا "تم چلے جاؤ مجھے تم سے کوئی کام نہیں، مجھے تو وہی چاہیے جو اپنی خطا پر روئے جو میرے سامنے روتا ہی آئے اور جو خطاوار نہیں اس خطا کار کے پاس کیا کام؟'' اور جب لوگ آپ کو رونے سے منع فرماتے تو آپؑ فرماتے "مجھ کو رونے دو اس سے پہلے کہ رونے کا دن بھی ہاتھ سے جاتا رہے اور ہڈیاں جل جائیں اور آنتیں بھڑک اٹھیں اور میں فرشتوں کے حوالے کر دیا جاؤں''-

حضرت داؤدؑ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے کہا ''الٰہی تو میرے رونے پر رحم نہیں کرتا''، حکم ہوا کہ ''اے داؤد اپنا گناہ بھول گیا اور رونا یاد ہے'' عرض کیا کہ ''اے آقا! میں اپنے گناہوں کو کیسے بھولوں گا؟ میرا یہ حال تھا کہ میں زبور پڑھتا تھا تو پرندے میرے سر پر سایہ کرتے تھے، وحشی مانوس رہتے تھے، اے اللہ! اب یہ کون سی وحشت ہے جو مجھ میں اور تجھ میں ہے؟'' حکم ہوا ''اے داؤد وہ انس طاعت کا تھا یہ وحشت گناہ کی ہے۔ اے داؤد! میری ایک مخلوق ہے جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنی روح اس میں پھونکی، اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کروایا اور اپنے اکرام کا خلعت اس کو پہنایا اور تاج اپنے وقار کا اس کے سر پر رکھا اور جب شکایت تنہائی کی کی تو حوا کو بنایا اور جنت میں رہنے کو جگہ دی، مگر جب اس نے نافرمانی کی ہم نے اس کو اپنے پاس سے نکال دیا - اے داؤد! میرے قول سن اور میں سچ کہتا ہوں کہ تو نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے تیرا کہنا مانا جو مانگا سو دیا، نافرمانی کی تو ہم نے تجھے چھوڑ دیا اب اگر تو ہماری طرف رجوع کرے گا تو ہم تجھے قبول کر لیں گے''۔

یحیٰی بن ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ''حضرت داؤد علیہ السلام جب نوحہ کرنا چاہتے تو سات روز پیشتر سے کھانا پینا بند ہو جاتا تھا جب ایک روز رہ جاتا تو جنگل کا رخ کرتے اور حضرت سلیمانؑ اپنے بیٹے کو فرماتے "شہروں، جنگلوں، پہاڑوں اور ٹیلوں اور بت خانوں میں کہہ دیں کہ لوگو حضرت داؤد علیہ السلام کا نوحہ اپنے نفس پر سننا منظور ہے تو آ جاؤ"، جنگلوں اور ٹیلوں سے وحشی درندے، پہاڑوں سے جانور، گھونسلوں سے پرندے اور شہروں سے مرد اور عورتیں (پردوں میں) آ جاتیں، لوگ جمع ہو جاتے، حضرت داؤدؑ آ کر منبر پر چڑھتے تھے آپؑ کے گرد بنی اسرائیل ہوتے، اور حضرت سلیمانؑ آپ علیہ السلام کے سر کے پاس کھڑے ہوتے۔ اول آپؑ اللہ کی ثنا بیان کرتے اور لوگ روتے، چیختے، اور دھاڑیں مارنے لگتے، پھر جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے تو زمین کے اندر رہنے والے جانور اور وحشی جانور مارے خوف کے مر جاتے۔ پھر قیامت کی وحشت کا ذکر کرتے اور اپنے اوپر نوحہ کرتے تو ہر قسم کے جانداروں میں سے پَرے کے پَرے الٹ جاتے۔ حضرت سلیمانؑ مُردوں

کی کثرت دیکھتے تو آپؑ سے کہتے، " آپؑ نے سننے والوں کے ٹکڑے بکھیر دیئے ہیں اور بنی اسرائیل کے بہت سے گروہ مر گئے ہیں اور زمین کے بہت سے حشرات فنا ہو گئے ہیں"، تب آپؑ دعا مانگنا شروع کر دیتے وہ دعا ہی میں ہوتے تھے کہ بنی اسرائیل کا کوئی عابد ان کو پکارتا تھا اور کہتا تھا ''اے داؤد جزا کے مانگنے میں آپ نے جلدی فرمائی ہے'' یہ سن کر آپؑ بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے، جب حضرت سلیمانؑ آپ کا یہ حال دیکھتے تو ایک چارپائی لاتے اور اس پر ان کو ڈالتے پھر پکارتے اور یوں کہتے کہ ''اگر کسی کا کوئی ساتھی، دوست، آشنا داؤد کے ساتھ تھا تو وہ چارپائی لے کر اسے اٹھالائے کیونکہ جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو جنت اور دوزخ کے بیان نے مار ڈالا ہے یہ وہ شخص ہے جس کو خوف خدا نے فنا کیا ہے''۔

پھر حضرت داؤدؑ کو افاقہ ہوتا تو کھڑے ہوتے اور اپنا ہاتھ سر پر رکھتے اور اپنے عبادت خانے میں جا کر دروازہ بند کر لیتے اور کہتے کہ ''اے داؤد کے مالک کیا تو داؤدؑ سے ناراض ہے؟'' اور اسی مناجات میں رہتے پھر حضرت سلیمانؑ دروازے پر آ کر اندر آنے کا اذن چاہتے اور ایک ٹکیہ جو کی لے کر اندر آتے اور عرض کرتے "بابا اس کو کھا کر جو بات چاہتے ہیں اس کے کہنے کی قوت پیدا کر لیں"، آپؑ اس میں سے کسی قدر کھا لیتے۔

یزید رقاشیؒ راویت کرتے ہیں کہ ''حضرت داؤدؑ ایک روز چالیس ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلے آپ ان کو وعظ سناتے تھے اور ڈراتے تھے ان میں سے تیس ہزار موقع پر مر گئے اور دس ہزار کے ساتھ آپ واپس آئے، آپ کی دو لونڈیاں تھیں ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ جب آپ پر خوف آتا اور گر کر تڑپتے تو وہ دونوں سینے اور پاؤں پر بیٹھ جاتیں تا کہ آپ کے جوڑ علیحدہ نہ ہو جائیں اور آپ مر نہ جائیں۔

صحابہ اور تابعین میں خوف خدا کا غلبہ

روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک پرندے کو دیکھ کر فرمایا کہ ''کاش میں ایک پرندہ ہوتا''۔ حضرت ابو ذرؓ کہا کرتے ''کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ کر برابر کر دیا جاتا'' روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب کوئی قرآنی آیت ڈر کی سنتے تو خوف کے مارے بے ہوش ہو جاتے۔ عمران بن حسینؓ فرماتے ہیں کہ ''میں اچھا سمجھتا ہوں کہ راکھ ہو جاؤں اور میرے اجزا ہوائیں آندھی کے دن میں اڑا دیں''

حضرت ابو عبید بن جراحؓ کا قول ہے کہ ''مجھ کو اچھا معلوم ہوتا کہ میں مینڈھا ہوتا میرے گھر والے مجھے ذبح کرتے، کھاتے اور شوربہ پی جاتے'' حضرت امام زین العابدینؓ وضو کرتے تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا ان کے گھر والے پوچھتے کہ وضو کے وقت آپ کا یہ کیا حال ہو جاتا ہے تو فرماتے ''تم کو معلوم ہے کہ کس کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا ہوں؟''

حضرت فضیلؒ عرفہ کے دن خوب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے، جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تو اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا "اگر تو مجھ کو بخش بھی دے گا تب بھی مجھ کو تجھ سے بڑی حیا ہے'' (اپنے گناہوں کی وجہ سے)۔۔۔۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں طواف خانہ کعبہ کر رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان عورت کعبہ کا غلاف پکڑے کہہ رہی ہے'' الٰہی بہت سی شہوتوں کی لذت تو ختم ہو گئی گناہ باقی رہ گئے، الٰہی تیرے پاس مجھے سزا دینے کے لیے دوزخ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے کہ میرے گناہ تو بہت بڑے ہیں اسی طرح روتے روتے صبح کر دی'' میں نے یہ حال دیکھ کر اپنے سر پر ہاتھ مارا اور چیخ ماری کہ ''ہائے تف ہمارے حال پر'' (تو نہ ڈرا اللہ سے)

حضرت حسن بصریؒ ایک جوان پر گزرے کہ اپنی ہنسی میں ڈوبا ہوا تھا اور ایک مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ ''تو پل صراط سے گزر چکا ہے؟'' اس نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ ''کیا تجھے معلوم ہے کہ دوزخ میں جائے گا یا جنت میں؟'' اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ ''پھر یہ ہنسی کیسی ہے؟'' راوی کہتے ہیں کہ پھر اس شخص کو کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں "اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر غفلت ڈال دی ہے، یہ بھی رحمت ہے تا کہ خوف خدا سے مر نہ جائیں"۔

انصار میں سے ایک جوان خوف دوزخ کی وجہ سے ہمیشہ رویا کرتا یہاں تک کے رونے کے باعث گھر سے بھی نہ نکلا کرتا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اس کے گھر خود تشریف لے گئے اس کو گلے سے لگایا وہ اسی وقت مردہ ہو کر گر پڑا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے لوگوں کو فرمایا ''اپنے ساتھی کے دفن کا انتظام کرو خوف آتش نے اس کے جگر کے ٹکڑے کر دیئے''۔

کچھ لوگ ایک عابد کے پاس گئے جو کھڑے کھڑے رو رہا تھا، لوگوں نے پوچھا "اس رونے کا باعث کیا ہے"؟، اس نے کہا "ایک خوف ہے، جس کو ڈرنے

والے اپنے دلوں میں پاتے ہیں"، انہوں نے پوچھا" وہ کیا ہے"؟ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے جو ندامت ہوگی اس کا خوف ہے''۔

حجاج نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے پوچھا کہ ''میں نے سنا ہے کہ آپ کبھی نہیں ہنستے'' آپ نے فرمایا ''ہنسنے کی کیا صورت رہ گئی ہے؟ دوزخ گھات میں ہے، طوق تیار کر دیئے گئے ہیں اور فرشتے دوزخ میں ڈالنے کے لیے مستعد اور آمادہ کھڑے ہیں''

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا" اے ابوسعیدؒ کیا حال ہے"؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ''میرا حال پوچھتا ہے یہ بتا کہ اگر کچھ لوگ کشتی میں سوار ہو کر بیچ سمندر کے پہنچیں اور کشتی ٹوٹ جائے اور ایک ایک آدمی ایک ایک تختے سے لگ کر رہ جائے تو ان کا حال تمہارے ذہن میں کیسا ہے؟'' اس نے کہا" بہت سخت مصیبت کا ہے"۔ آپ نے فرمایا ''تو جان لے کہ میرا حال اس سے بھی زیادہ سخت ہے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک لونڈی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا" امیر المومنین میں نے اس وقت (تہجد کی نماز کے بعد) ایک عجیب معاملہ دیکھا۔ آپ نے پوچھا" کیا معاملہ"؟ اس نے کہا" میں نے دیکھا کہ دوزخ دوزخیوں کے واسطے دھڑا دھڑ جل رہی ہے، پھر پل صراط لا کر اس کی پشت پر رکھ دیا گیا"۔ آپ نے فرمایا" پھر کیا ہوا"؟ اس نے کہا" پھر عبدالملک بن مروان کو لائے اور اس پل پر اس کو چڑھایا وہ ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل الٹ گیا اور وہ دوزخ میں گر گیا"۔ آپؒ نے فرمایا" پھر"؟ اس نے کہا" پھر عبدالملک کے بیٹے ولید کو لائے اور اس کو پل پر سوار کیا وہ بھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل نے کروٹ لی اور دوزخ میں جا پڑا"، آپؒ نے پوچھا "پھر"؟ اس نے کہا" پھر سلیمان بن عبدالملک کو لائے اور پل پر چڑھایا وہ بھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پل ترچھا ہو گیا اور وہ دوزخ میں گر پڑا"، آپ نے فرمایا" پھر"؟ اس نے کہا" پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کو لائے"۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے وہ لونڈی اٹھی اور ان کے کان میں پکار پکار کر کہنے لگی "اے امیر المومنین میں نے دیکھا کہ آپ بچ گئے۔ میں نے دیکھا کہ بخدا آپ پل سے صحیح وسالم گزر گئے۔ آپ نے نجات پائی" ہر چند کہ وہ کان میں چیختی رہی مگر آپ برابر آہ و بکا کے نعرے مارتے رہے اور پاؤں دے دے کر زمین پر مارتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ ''مومن کو خوف جب تک نہیں چھوٹتا جب تک دوزخ کے پل کو پیچھے نہ چھوڑ دے''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں" دوزخ میں سے ایک شخص ایک ہزار برس کے بعد نکلے گا کیا اچھا ہو کہ وہ شخص میں ہوں" اور یہ اس لیے فرمایا" خوف سوء خاتمہ کا تھا یعنی نکل تو جاؤں گا"۔

عیسیٰ بن مالک خولانیؒ جو بڑے عمدہ عابدوں میں سے ہیں ایک راہب کا حال کہتے ہیں۔ انہوں نے اس کو بیت المقدس کے دروازے پر غمگین صورت میں دیکھا کہ کثرت گریہ سے آنسو نہیں نکلتے تھے میں نے اسے دیکھا اور ڈر گیا پھر کہا کہ "اے راہب مجھے کچھ نصیحت کر کہ تجھے یاد رکھوں"، اس نے جواب دیا کہ ''اے عزیز کیا نصیحت تجھ کو کروں اگر ہو سکے تو دنیا میں اس طرح رہنا گو یا درندوں اور زہریلے جانور نے گھیر لیا ہے اور تو ہراساں اور خائف ہے کہ ذرا سی غفلت پر درندے چیر ڈالیں گے یا چوک جائے تو زہریلے جانور کاٹ لیں گے۔ غرض رات دن دل خوف وہراس میں رہے'' پھر راہب جانے لگا میں نے کہا" کچھ اور کہتے تو شاید اور زیادہ نفع دیتا"، اس نے کہا" پیاسے کو جتنا پانی مل جاتا ہے کافی ہوتا ہے اور یہ اس نے درست کہا۔ اس واسطے کے صاف دل کو تو ذرا سا خوف ہلا دیتا ہے اور کٹھن دل واعظ اور نصیحت سے بھی نرم نہیں ہوتا"۔ اور اس نے جو مثال بیان کی کہ اس طرح رہنا جیسے وہ شخص جس کے چاروں طرف درندے اور زہریلے جانور ہوں تو اس کو یوں نہ جاننا چاہیے کہ یہ مثال فرضی ہے بلکہ یہ صورت واقعی ہے کیونکہ اگر آدمی نور عقل سے اپنے باطن دیکھے تو معلوم ہوگا کہ بہت قسم کے درندے اور زہریلے جانور سے پُر ہے، مثلاً غضب اور شہوت، کینہ اور حسد، کبر اور عُجب اور ریا اور منافقت جو ہمیشہ اس کو چیرتے اور ڈنگ مارتے رہتے ہیں، بشرطیکہ ایک لمحہ بھی ان سے غافل رہے لیکن آدمی کو ان کا گزند پہچانا اور تکلیف دینا دکھائی نہیں دیتا یہاں تک کہ پردہ اٹھا لیا جائے اور آدمی قبر میں رکھ دیا جائے۔ اس وقت دیکھے گا یہ سب صفات اپنے اپنے معنی کی صورت بن کر آئیں گے۔ اس وقت یہ نظر آئے گا کہ سانپ اور بچھو نے قبر میں آ کر بدن کو گھیر لیا ہے۔ پس اگر یہ منظور ہو کہ ان کو مار ڈالے اور ان پر غالب رہے تو مرنے سے پہلے یہ بات آدمی کے اختیار میں ہے تو اس سے ہر گز نہیں چوکنا چاہیے مگر ان کا کاٹنا اور نوچنا خوب اچھی طرح دل میں جان لینا چاہیے اور ہر وقت خوف خدا سے لرزتے رہنا چاہیے۔

****

سخاوت،مروت اور مدارت (خرچ کرنا،لحاظ کرنا اور خاطر تواضع کرنا)

1- سخاوت:　　زائد ضرورت کا مال دوسروں کا دے دینا سخاوت ہے-

صوفیاءِ کرام کے اخلاق کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی پر یقین نہیں رکھتے بلکہ جود وسخا،عطاء وبخشش ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے کیونکہ صوفی کا تمام تر سرمایہ اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل اور پورا بھروسہ ہوتا ہے۔اس کے نزدیک دنیا ایک سرائے کی مانند ہے جہاں وہ کوئی ذخیرہ نہیں رکھتا اور نہ زیادہ طلب کرتا ہے۔

ذاتِ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور جود وسخا:- حضور خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''اگر تم اللہ پر ویسا ہی بھروسہ کرتے جیسا اُس پر توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے رزق دیتا جیسا کہ ان پرندوں کو رزق ملتا ہے جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کے وقت سیر ہو کر آتے ہیں''-(جامع ترمذی)

حضور خاتم النبیین ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:''سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے اور لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے (اسکے برعکس) بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور لوگوں سے دور ہے جبکہ جہنم کے قریب ہے''-(جامع ترمذی)-----اب رسول خاتم النبیین ﷺ کا حال دیکھو کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے پاس ایک کافر مہمان آیا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے لیے بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، بکری دوہی گئی، وہ دودھ پی گیا، پھر دوسری دوہی گئی، اس کو بھی پی گیا، اس طرح وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر اگلی صبح وہ اسلام لے آیا، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری (دوہنے کا) حکم دیا، وہ دوہی گئی، وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے دوسری کا حکم دیا تو وہ اس کا پورا دودھ نہ پی سکا، (اس پر) رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے''۔(جامع ترمذی)

1- سخا:- سخا جود کا ابتدائی درجہ ہے جس میں سخی کسی غرض یا سبب کا لحاظ رکھتے ہوئے بخشش وعطاء میں امتیاز برتتا ہے-

2- جود: - جود یہ ہے کہ بخشش وعطاء میں امتیاز نہ برتے۔ بےغرض تقسیم کرے اور اس کا فعل بے سبب ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے غزوہ بنی النضیر میں انصار سے فرمایا "اگر تم چاہو تو اپنے مال اور گھروں میں مہاجرین کو شریک کرلو اور مال غنیمت میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ اور اگر چاہو تو تمہارا مال اور تمہارے گھر تمہارے پاس رہیں، مگر مال غنیمت میں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا"-اس پر انصار نے عرض کی "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم انہیں مال اور گھروں میں شریک کریں گے اس کے علاوہ مال غنیمت میں بھی ان کے حق میں ایثار کرتے ہیں"-اس پر یہ آیت نازل ہوئی:وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ 'وہ ایثار کرتے ہیں خواہ انہیں کسی قدر بھی تنگی ہو'-(سورۃ الحشر، آیت نمبر 9) (روح المعانی-ابن ہشام)----- حضرت انس ؓ فرماتے ہیں "ایک صحابی کو بکری کی بھنی ہوئی سری تحفہ میں بھیجی گئی، وہ بہت تنگ حال تھے تاہم انہوں نے یہ تحفہ اپنے پڑوسی کو پیش کردیا اس طرح یہ تحفہ سات آدمیوں میں گردش کرتا رہا بالاخر پہلے آدمی کے پاس واپس آ گیا اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی"۔

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں "میں جنگ یرموک میں اپنے چچیرے بھائی کی تلاش میں نکلا کہ اگر اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہوئی تو پانی پلادوں گا کیونکہ میرے پاس کچھ پانی موجود تھا جب میں اس کے پاس پہنچا تو پوچھا" تمہیں پانی پلاؤں "؟اس نے اشارے سے کہا"ہاں" اتنے میں قریب کے آدمی کے منہ سے آہ نکلی وہ ہشام بن العاص ؓ تھے، بھائی نے فرمایا" پانی اس کو پلاؤ"-جب میں ان کے پاس آیا عرض کی "پانی پلاؤں"-ان الفاظ کو سن کر دوسرے ہشام نامی شخص نے آہ بھری تو انہوں نے کہا" یہ پانی اسے پلاؤ"-جب میں پانی لیکر اس کے پاس آ گیا تو وہ خالق حقیقی سے مل چکے تھے-اب میں ہشام بن العاص ؓ کے پاس آیا وہ بھی اس دنیا سے کوچ فرما چکے تھے۔ بالاخر میں اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

2- مروت:-　　مروت کا مطلب دوسرے کی عزت کرتے ہوئے اس کا لحاظ رکھنا ہے-

دوسرے لفظوں میں: ☆ ناشکروں کو عطا کرنا مروت ہے- ☆ بدلحاظوں کو دینا مروت ہے- ☆ ایسے لوگوں پر احسان کرنا مروت ہے جو احسان نہ مانیں-

صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ کے اخلاق میں سے ایک سخاوت ومروت ہے۔اسلاف کا اتفاق ہے کہ صوفیا کے طریق پر سخاوت ومروت واجب ہے اور اس کا چھوڑنا

منافقین کے اخلاق میں سے ہے اور جس میں سخاوت و مروت نہیں اس میں بھلائی اور خیر میں سے کچھ نہیں اگر چہ وہ بہت زیادہ عابد ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے مروت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا "وہ حق کا عرفان اور دوستوں سے نیک سلوک کرنا ہے"۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "سفر میں مروت یہ ہے کہ آدمی دوستوں پر اپنا توشہ خرچ کر دے اور ان کی مخالفت نہ کرے اور ان کے ساتھ نزاع نہ کرے"۔

بعض علماء کہتے ہیں "تاجر کا اپنے دوست سے نفع لینا خلاف مروت ہے۔ اسلاف کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی کھانا پکانے کیلئے ہنڈیا مستعار لیتا تو اسے کھانے سے بھر کر واپس کرتا اور اکثر ہنڈیا کا مالک بھی مانگنے والے کو بھر کر دیتا اور کہتا کہ مجھے اپنے بھائی کو خالی ہنڈیا دینا برُا معلوم ہوتا ہے"۔

حضرت اصمعیؒ سے مروت کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا ''مروت یہ ہے کہ دستر خوان بچھایا جائے اور زبان شیریں ہو اور مال خرچ کیا جائے اور عفت ایسی جسکو سب مانیں اور کسی کو ایذا نہ دی جائے''۔

سری سقطیؒ فرماتے ہیں "مروت کا مطلب نفس کو کمینہ خصائل سے بچانا اور ہر اس بری حرکت سے بچانا جس سے آدمی لوگوں میں معیوب سمجھا جائے اور تمام معاملات میں لوگوں سے انصاف کرنا جو شخص اس سے زیادہ کرے تو وہ اس کی سعادت ہے''۔ بزرگوں کا قول ہے کہ "مروت کی آنکھ جہاد کی آنکھ سے باری ہوتی ہے"۔

3- مدارت (خاطر تواضع):- اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی اخلاقی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر انہیں مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف یا اذیت پہنچے تو اس کا انتقام نہیں لیتے بلکہ تحمل و مدارت کے ساتھ اس کو بخوشی برداشت کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ تورات میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی مدح یوں بیان فرماتے ہیں کہ ''محمد خاتم النبیین ﷺ اللہ کے رسول اور میرے منتخب بندے ہیں، نہ بدمزاج ہیں نہ بدخو، نہ بازاروں میں شور کرنے والے، آپ خاتم النبیین ﷺ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرماتے اور درگزر کرتے ہیں''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ اگر کسی نے بدسلوکی کی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی انتقام نہیں لیا، بجز اس کے کہ کسی نے حدود اللہ کی بے حرمتی کی ہو، اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کسی کو نہیں مارا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی کو مارنا پڑے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے کسی کھانے کی برائی نہیں کی، جو مل جاتا کھا لیتے اور نہ ہی آپ خاتم النبیین ﷺ نے کسی خادم کو جھڑکا، تحمل و مدارت آپ خاتم النبیین ﷺ کی طبعیت کا ایک اہم خاصہ ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں "میں نے دس سال تک حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت کی مگر آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھے اف تک نہیں کہا"۔ جب کبھی مجھ سے کوئی کام آپ خاتم النبیین ﷺ کی مرضی کے خلاف ہو گیا آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی یہ نہیں فرمایا "تم نے ایسا کیوں کیا"؟ اور جب کبھی ازواج مطہراتؓ میں سے کسی نے مجھے ملامت بھی کی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں فرمایا "اس کو چھوڑ دو جو کچھ ہوا قضا و قدر (تقدیر الٰہی) سے ہوا"۔ (مسند احمد)

ایک مرتبہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے کسی صحابی کو یہودیوں کے درمیان مقتول پایا تو ان پر سختی و زیادتی نہ کی بلکہ اپنی طرف سے سو اونٹوں کی دیت ادا کی (حالانکہ جنگی طاقت کے فروغ کیلئے صحابہ کرامؓ کو اونٹوں کی اشد ضرورت تھی)۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ رہتا ہو اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہو ان لوگوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھتے ہوں" اور مزید فرمایا۔ "کیا تم میں سے کوئی ابوضمضمؓ جیسا نہیں ہو سکتا"؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ابوضمضمؓ کیا کرتے تھے"؟ فرمایا "وہ روزانہ صبح کے وقت بارہ گاہ خداوندی میں عرض کرتے تھے ''اے خدا! میں نے اپنی عزت و آبرو کو تیرے بندوں پر صدقہ کر دیا''۔

مزید فرمایا ''بدترین انسان وہ ہے جس کو لوگ اس کی فحش کلامی کے ڈر سے چھوڑ دیں''۔ (سنن ابی داؤد)

حسن مدارات سے نفس کی حدت طیش کا ازالہ:- انسان کے اندر ایک نفس ہے جس کو نفس امارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کیا جائے تو اسے ناپسند کرتا ہے، اور اس وقت اس میں غیض و غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے صبر و تحمل سے حسن مدارات کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں، اور نفس امارہ پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں، یوں حسن مدارت سے نفس کی حدت طیش اور نفرت کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''جو غصے کو ایسی حالت میں ضبط کرے جبکہ وہ اس کو نافذ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب لوگوں کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہو پسند کرو''۔ (حور کا مطب ساتھی ہے) (سنن ابن ماجہ، مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس سے گفتگو شروع کی تو وہ کانپنے لگا۔ اس پر

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں قریش کی ایک ایسی عورت کا فرزند ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھیں"۔(سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص کو نرم برتاؤ کا حصہ مل گیا، اسے اس کی بھلائی کا حصہ بھی مل گیا اور جو شخص نرم برتاؤ کے حصہ سے محروم رہا وہ بھلائی سے بھی محروم رہا"۔(جامع ترمذی)

وھب بن منبہؒ فرماتے ہیں" جو شخص تحفہ دینے والے کو بدلہ دے اس کا شمار کم تولنے والوں میں ہوگا"----مہلب بن ابی صفرہؒ اپنی اولاد سے فرماتے" جب تم کسی فقیر کو صبح وشام دروازے پر دیکھو تو سمجھ لو محتاج ہے پس اس کو دو تا کہ اس کو سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ اس کا صبح وشام کا پھیرا ہی اس کے سوال کیلئے کافی ہے"۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں" ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اپنے دوست کی غیر حاضری میں اس کے گھر جاتے اور اگر کھجوروں کی بھری ٹوکری پاتے تو خود بھی کھاتے اور لوگوں میں بھی تقسیم کرتے پھر جب ان کا دوست آتا اور اس کو خبر ہوتی تو بہت خوش ہوتا"۔

محمد بن سرینؒ کی ایک خچر دہلیز میں بندھی رہتی تھی جب کسی کو سواری کی ضرورت ہوتی تو اسکو کھولتا اور بلا اجازت سوار ہو جاتا۔

مسلم بن زیادؒ دعوت ولیمہ میں مدعو ہوئے لیکن آپ کو دیر ہو گئی جب آپ گئے تو صاحب ولیمہ نے دیکھ کر کہا" آپ نے دیر کر دی لوگ کھا کر چلے گئے اور اب کچھ باقی نہیں رہا"۔حضرت مسلمؒ نے جواب دیا" پیالوں میں شاید کچھ لگا ہو میں وہی صاف کر لوں گا"۔صاحب خانہ نے کہا" ہم نے تمام برتن دھو ڈالے ہیں"-آپ نے فرمایا" شاید دیگوں میں کچھ لگا ہو"،صاحب خانہ نے کہا" وہ بھی دھو چکے ہیں"،آپ نے فرمایا" شاید روٹی کا کوئی ٹکڑا پڑا ہو"، مالک نے کہا" ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا اور اس وقت ایک لقمہ بھی نہیں ہے"۔راوی کہتا ہے مسلم بن زیادؒ اس پر ہنسے اور واپس چلے آئے،لوگوں نے کہا" آپ اس بات سے رنجیدہ کیوں نہیں ہوئے اور ہم آپ کو ہنستا دیکھتے ہیں"؟ آپؒ نے فرمایا" اس شخص نے ہم کو نیک نیتی سے بلایا تھا اور اب اس نے نیک نیتی سے واپس کر دیا ہے پس اس پر رنجیدگی کیوں ہو"؟۔

ایک جماعت سفیان ثوریؒ کے گھر گئی آپ گھر پر موجود نہ تھے انہوں نے کھانا اٹھایا اور کھانے لگے اور سفیان ثوریؒ کی صالحیت کی باتیں کرنے لگے۔اتنے میں آپ آ گئے اور انہیں دیکھ کر رونے لگے انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا" میں کیوں نہ روؤں تم میری باتیں سلف صالحین کے اخلاق واحوال جیسی کرتے ہو حالانکہ میں ان میں نہیں ہوں"۔

جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" بُرا دوست وہ ہے جس کا دوست اس کی غیر حاضری میں اتنی جرأت نہ کر سکے کہ اس کی روپوں کی تھیلی کھول کر اس میں سے اپنی حاجت کی مقدار بلا اجازت لے لے"------مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ فرماتے تھے" اگر کسی کو مجھ سے کچھ ضرورت ہو تو وہ کاغذ پر لکھ کر بھیج دے اس لیے کہ میں مسلمان کے چہرے پر سوال کی ذلت کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ سوال بخشش سے بڑھ کر ہے خواہ بخشش بہت ہی زیادہ ہو"۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ فرماتے تھے" نیکی یہ ہے کہ اگر دوست نے تجھ سے کچھ لیا ہے تو تو اس کا احسان مند ہو، کیونکہ اگر وہ نہ لیتا تو تجھے ثواب نہ ملتا نیز اس نے تجھ سے سوال کیا اور اس کو تیرے سوا کسی سے بھلائی کی امید نہ تھی"۔

محمد بن واسع رحمۃ اللہ جب کسی سے کوئی حاجت چاہتے تو فرماتے" ہم نے اس کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اگر اللہ نے تیرے ذریعے پورا کر دیا تو ہم اللہ کی حمد کریں گے اور تیرا شکریہ ادا کریں گے اور اگر تیرے ذریعے پورا نہ ہوا تو ہم اللہ کی حمد کریں گے اور تجھے معذور سمجھیں گے"۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں" ضرورت کے پورا کرنے کی چابی ہدیہ ہے"،حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے" ہر اندر آنے والے پر ایک رعب ہوتا ہے پس تم اسے مرحبا کہتے ہوئے ملو اور سلام کی ابتداء کرو"۔

ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ کسی شخص کو روٹی کا ٹکڑا یا کوئی ٹوٹی ہوئی چیز نہ دیتے تھے اور نہ کوئی استعمال کیا ہوا کپڑا دیتے تھے اور فرماتے تھے" مجھے شرم آتی ہے کہ میرا اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہو اور اس میں ردی اشیاء ہوں جو میں نے اس کی راہ میں دی ہوں"۔

عطاء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں" جب میں کسی آدمی سے کوئی بات سنتا ہوں، اگرچہ وہ مجھے پہلے سے معلوم ہو اور بارہا اس کو سنا ہو میں کان لگا کر توجہ سے سنتا ہوں گویا اب اس سے سن رہا ہوں اور پہلے کبھی سنی ہی نہیں۔اس خیال سے کہا کہ اگر پہلے اسے بتا دوں گا تو وہ شرمندہ ہوگا"۔

حسن بن علیؓ سے جب کسی کی ضرورت کا سوال ہوتا تو فی الفور پورا کر دیتے اور فرماتے" مجھے ڈر ہے کہ میں اس میں دیر کروں تو میرا دوست اس سے مستغنی ہو جائے اور مجھ سے ثواب جاتا رہے"---**اس کا مطلب یہ ہوا کہ نفس کے سرکش گھوڑے کو کنڑول کرنے کے لئے سخاوت، مروت اور مدارت کی حیثیت کیمیاء کی سی ہے-**

احسان،تحمل اور بردباری

احسان:

لفظِ احسان کا مادہ ''حسن'' ہے جس کے معنی ''عمدہ وخوبصورت ہونا'' کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی لفظ حسن کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس سے مراد ایسا حَسین ہونا ہے جو ہر لحاظ سے پسندیدہ اور عمدہ ہو اور اس کا عمدہ ہونا عقل کے پیمانے پر بھی پورا اترتا ہو، قلبی رغبت اور چاہت کے اعتبار سے بھی دل کو بھلا لگتا ہو اور تیسرا یہ کہ حسّی طور پر یعنی دیکھنے سننے اور پرکھنے کے اعتبار سے بھی پرکشش ہو۔(راغب اصفہانی، مفردات القرآن:119)

اسی سے باب افعال کا مصدر ''احسان'' ہے۔ گویا احسان ایسا عمل ہے جس میں حسن و جمال کی ایسی شان موجود ہو کہ ظاہر و باطن میں حسن ہی حسن ہو اور اس میں کسی قسم کی کراہت اور ناپسندیدگی کا امکان تک نہ ہو۔ پس عمل کی اسی نہایت عمدہ اور خوبصورت ترین حالت کا نام ''احسان'' ہے اور اس کا دوسرا قرآنی نام ''تزکیہ'' ہے اور تزکیہ کے حصول کا طریقہ اور علم تصوف وسلوک کہلاتا تھا۔

قرآن پاک میں احسان کا مفہوم:

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر لفظ ''احسان'' کے ساتھ علم الاحسان کی اہمیت اور فضیلت کا بیان مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:(سورہ المائدہ، آیت نمبر 93)

ترجمہ:''پھر پرہیزگاری کرتے رہے اور ایمان لائے پھر صاحبان تقویٰ ہوئے (بالآخر) صاحبان احسان (اللہ کے خاص محبوب ومقرب ونیکوکار بندے) بن گئے اور اللہ احسان والوں سے محبت فرماتا ہے۔''

ترجمہ:''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کی سنگت اختیار کرو۔''(سورہ التوبہ، آیت نمبر 119)

ان آیات کریمہ میں پہلے تقویٰ کا بیان ہے۔ تقویٰ، دراصل شریعت کے تمام احکام، حلال وحرام پر سختی سے عمل کرنے کا نام ہے۔ اس سے پہلے عقائد وایمانیات کا ذکر بھی آ گیا یعنی ایمان واسلام پر مبنی شریعت کے تمام احکام کی تکمیل کے ساتھ احسان کا ذکر کیا گیا ہے جو طریقت وتصوّف کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اہل ایمان نہ صرف شریعت کے ظاہری احکام پر عمل کر کے اپنے باطنی احوال کو تقوی کے نور سے آراستہ کریں، بل کہ اگر ان کو ایمان، اسلام اور احکام شریعت کی بجا آوری اور تقوی کے کمزور پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو انہیں چاہیے کہ سچے بندوں کی سنگت اختیار کرلیں جو صادقین اور محسنین ہیں اور یہی صاحبان احسان درحقیقت احسان وتصوّف کی راہ پر چلنے والے صوفیائے کرام ہیں، جو اللہ کے نہایت نیک اور مقرب بندے ہوتے ہیں۔ یہی وہ انعام یافتہ بندے ہیں جن کی راہ کو اللہ نے صراط مستقیم قرار دیا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں سیدھے رستے کی نشان دہی کرتے ہوئے دعا کرنے کی تلقین فرمائی گئی:''اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تُو نے اپنا انعام فرمایا۔''

انعام یافتہ بندوں کی وضاحت خود قرآن مجید نے یہ کہہ کر فرمائی ہے:(سورہ النساء، آیت نمبر 69)

ترجمہ:''تو یہی لوگ (روز قیامت) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام فرمایا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔''

حدیث مبارکہ میں احسان کا مفہوم:

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ ایک روز حضرت جبریل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ میں انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور امت کی تعلیم کے لیے عرض کیا:" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے کہ ایمان کیا ہے"؟ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''ایمان یہ ہے کہ تُو اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، اس کے نازل کردہ صحیفوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت پر ایمان لائے اور ہر خیر وشر کو اللہ تعالی کی طرف سے مقدر مانے۔'' انہوں نے پھر پوچھا" اسلام کیا ہے"؟ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''اسلام یہ ہے کہ تُو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد خاتم النبیین ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ تُو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور تو ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو اس کے گھر کا حج کرے۔'' اس کے بعد حضرت جبریل امین علیہ السلام نے تیسرا سوال احسان کے بارے میں کیا تو حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تُو نہیں دیکھ رہا تو (کم از کم یہ یقین ہی پیدا کرلے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ کے فرمان کے مطابق احسان عبادت کی اس حالت کا نام ہے،جس میں بندے کو دیدار الٰہی کی کیفیت نصیب ہوجائے یا کم ازکم اس کے دل میں یہ احساس ہی جاگزیں ہوجائے کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔

احسان،صحابہ اکرامؓ اور صوفیاء اکرامؒ کی نظر میں:

حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے "احسان کرو خواہ ناشکرے پر ہو کیونکہ وہ میزان میں شکرگزار کے احسان سے بھاری ہوگا"۔

محمد بن حنیفہؒ فرماتے ہیں "احسان کرنے والا کبھی نہیں گرتا اور اگر بالفرض گرجائے تو ذلیل نہیں ہوتا"۔

جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے سود صرف اسی لیے حرام کیا کہ لوگ احسان سے نہ رکیں"۔

حضرت معمرؒ فرماتے ہیں " آج کل نیکی اور احسان برائی کی سیڑھی بن گیا ہے حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں اس شخص کی شرارت سے بچو جس پر احسان کیا ہے"۔ نیز فرماتے ''بُرا احسان یہ ہے کہ سائل کو تیرے پاس سوال کی ضرورت ہو اور وہ تجھ سے شرم کھائے اس صورت میں تیرا احسان اس کی شرمندگی کی مکافات نہ کرے گا۔ مناسب یہ ہے کہ تم خود اپنے دوست کے حالات کی تفتیش کر کے اس کی ضرورت پوری کرو اور اس کو سوال کی نوبت نہ آئے"۔

سری سقطی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں "احسان اٹھ گیا اور تجارت باقی رہ گئی۔لوگ اپنے دوست کو کوئی چیز اس لیے دیتے ہیں کہ وہ انہیں اسکا بدلہ دے"۔

احسان کی قسمیں:

1- مالی احسان:

مالی بھلائی یہ کہ مال خرچ کرے،صدقہ،زکوۃ دے۔سب سے عمدہ ''مالی احسان'' زکوۃ ہے۔کیونکہ زکوۃ اسلام اور اس کی عظیم عمارت کا ایک رکن ہے۔اس کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوسکتا۔یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب نفع ہے۔اس کے بعد نمبر آتا ہے ان واجب نفعات کا جو انسان اپنی بیوی، والدین، بچے، برادران، بھتیجے، بھانجیوں، چچاؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں وغیرہ پر صرف کرتا ہے۔پھر وہ صدقہ جو مستحقین صدقہ مساکین پر صرف کرتا ہے جیسے طالب علم وغیرہ۔

2-علمی احسان:

''علمی احسان'' یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے لیے علم صرف کیا جائے (یعنی دینی علم سکھایا اور پڑھایا جائے)۔

3-جسمانی احسان:

لوگوں کے ساتھ ''جسمانی احسان'' کے بارے میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارا سواری کے سلسلے میں آدمی کی اعانت کرنا،اسے سواری پر سوار کرادینا،یا اس کے لیے سواری پر اس کا سامان چڑھا دینا صدقہ ہے۔(رواہ البخاری)

ایک آدمی جس کی ہم اعانت کرتے ہیں،اس کے ساتھ اس کا سامان لدوا دیتے ہیں یا اسے راستہ بتا دیتے ہیں یا اسی جیسے کام سب کے سب ''احسان'' ہیں۔یہ ساری باتیں اس احسان سے متعلق ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

تحمل اور بردباری:

کسی کی زیادتی پر ضبط اور اس کی غلطی سے چشم پوشی کرنے کا نام تحمل و بردباری ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے اخلاق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اگر اللہ کے ان بندوں کے ساتھ کوئی عداوت رکھے اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے تو حلم و بردباری کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں اس طرح اسکا فتنہ سرد ہوجاتا ہے اور اپنے کیے پر شرمسار ہو کر ان کے قدموں میں آگرتا ہے۔معافی مانگتا ہے اور بالاخر وہ ان کا دوست بن جاتا ہے،جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (سورۃ حم السجدہ،آیت نمبر 34)

ترجمہ:''تم بہترین طریقے سے مدافعت کرو تا کہ وہ شخص جس کے ساتھ تمہاری عداوت ہے جلد اس طرح ہوجائے جیسا کہ وہ تمہارا گہرا دوست ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے دلوں میں کینہ اور نفوس میں جھگڑے کا وجود نہیں ہوتا اگر نفس میں کینہ کا وجود ہو تو یہ باطنی کشمکش کے مترادف ہے جب باطنی کشمکش دور ہوجائے تو ظاہری نزاع بھی دور ہوجاتا ہے۔

شیخ ابوحفصؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے قلوب میں کینہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ جو ہر وقت یاد الٰہی میں مست ذکر خداوندی کے ترانے الاپتے ہیں۔ یوں ان کے دل نفسانی وسوسوں اور طبیعتوں کی تاریکیوں سے پاک وصاف نور یقین سے منور طریقت کی شرائط بجالاتے ہیں اور تحقیق کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں"۔ نیز فرمایا"دنیا کے لوگ دو قسم کے ہیں:

1۔ وہ لوگ جو خدا کے طالب ہیں خود کو اور دوسروں کو راہ حق کی دعوت دیتے ہیں ایسے لوگوں کے خلاف ایک صوفی کے دل میں کسی قسم کا کینہ اور رنجش نہیں کیونکہ یہ لوگ اس کے ساتھ ایک ہی راہ اور سمت پر گامزن ہیں بلکہ اس کے بھائی اور مددگار ہیں یہ سب مومن ہیں جو دیواروں کی طرح ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

2۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو جاہ وجلال،عزت وشہرت،حسن وجمال اور نمود ونمائش کے پجاری ہیں۔ لہٰذا ایک صوفی کا ان کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کیونکہ ان لوگوں کو جو چیز پسند ومحبوب ہے اس سے اس نے کنارہ کشی کر رکھی ہے بلکہ وہ اس قسم کے لوگوں کو رحم وشفقت کی نظروں سے دیکھتا ہے کیونکہ ان پر پردہ پڑا ہوا ہے اور وہ فریب خوردہ ہیں۔ لہٰذا وہ ان کے ساتھ نہ کینہ رکھتا ہے اور نہ ظاہراً ان کے ساتھ جھگڑتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے لڑنے جھگڑنے سے نفس امارہ جو انسان کا دشمن ہے غالب آجاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا مت کرواور نہ ہی اس کے ساتھ ایسا وعدہ کرو جو پورا نہ کرسکو‘‘ایک اور روایت میں ارشادگرامی ہے’’جو جھگڑے کو ایسی حالت میں ترک کردے کہ وہ باطل پر ہو تو اس کے لیے جنت کے کنارے میں ایک گھر بنایا جائے گا اور جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ کرے اس کے لیے جنت کے درمیان میں ایک گھر تعمیر کیا جائے گا اور جو خوش اخلاقی سے پیش آئے اس کے لیے جنت کے بلند مقام پر ایک مکان بنایا جائے گا‘‘۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’جو اس لیے علم حاصل کرے گا کہ علماء کے سامنے اس پر فخر کرسکے یا اس کے ذریعے بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑا کرے یا مقصد یہ ہو کہ معزز اشخاص کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا‘‘۔(سنن ابن ماجہ)

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے،کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل وزبان درست نہ ہو اور وہ اس وقت تک مومن نہیں سمجھا جاسکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو‘‘۔(مشکوۃ المصابیح)

حضرت ابوذر غفاریؓ کے ایک غلام نے ایک بکری کی ٹانگ توڑ دی،پوچھنے پر اس نے کہا"میں نے قصداً اس کی ٹانگ توڑ دی ہے تاکہ آپ غیض وغضب میں مبتلا ہوکر مجھے ماریں اور گنہگار بنیں"اس پر ابوذر غفاریؓ نے فرمایا"میں تمہارے بھڑکانے سے ناراض نہیں"اور پھر آپ نے اِس غلام کو آزاد کردیا۔

مومن،مومن کے لیے مثل آئینہ

صوفیاءِکرام کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ ضبط نفس اور دلجمعی کو برقرار رکھیں اور پراگندہ خیالی کو دور کریں اس سلسلے میں صوفیاءِکرام کا آپس میں روحانی اتحاد ہوتا ہے ،کیونکہ وہ سب خدائی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں،تزکیہ نفس وتصفیہ باطن کے لیے ایک دوسرے سے خانقاہوں میں رابطہ کرتے ہیں ان کے درمیان الفت ومحبت اور خیر خواہی بہت ضروری ہے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار کا شکار ہوکر بیدار رہتا ہے۔‘‘(صحیح بخاری۔صحیح مسلم)

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’مومن ایک مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے،جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے پیوستہ ہے یعنی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔‘‘(صحیح بخاری)

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا’’لوگوں پر جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا،جو معاف نہیں کرتا اسے معاف نہیں کیا جائے گا،اور جو توبہ نہیں کرتا اسے توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی‘‘(السلسلۃ الصحیحۃ)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"اگر کسی مسلمان نے دوسرے بھائی سے معافی مانگی اور اس نے قبول نہ کی تو اس کو حوض کوثر پر آنے سے محروم کردیا جائے گا‘‘۔(حاکم)

صوفیاء اکرامؒ کا عمل اور تحمل وبردباری:

شیخ ابو عمر والزجاجیؒ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کچھ عرصہ مقیم رہا جب کبھی انہوں نے مجھے دیکھا تو میں کسی نہ کسی عبادت میں مشغول ہوتا اس عرصے میں آپ نے مجھ سے کوئی بات نہ کی ایک دن آپ کا گھر لوگوں سے خالی تھا۔ میں نے کپڑے اتار کر اس مقام کو جھاڑ و دے کر صاف کیا اور پاک مقام کو دھو یا اتنے میں شیخ جنیدؒ واپس آئے، آپ نے مجھ پر گرد وغبار کے آثار دیکھے تو میرے لیے دعا فرمائی اور خیر مقدم کیا فرمایا "تم نے بہت اچھا کام کیا" آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے۔

اس لیے مشائخ نو جوانوں کو خدمت پر مامور کرتے ہیں تا کہ بیکاری سے بچے رہیں اور نہ صرف روحانی مراتب سے بہرہ ور ہوں بلکہ خدمت بھی کریں۔

حضرت ابو مخدورہؓ سے منقول ہے " حضور خاتم النبیین ﷺ نے ہمارے لیے اذان دینے کا کام مقرر فرمایا بنو ہاشم کیلئے پانی پلانے اور بنو عبدالدار کیلئے دربانی کے لیے فرائض متعین فرمائے"۔

اسی طرح مشائخ درویشوں کی خدمت کیلئے تقسیم کار کرتے تھے اور اسی کو خدمت کی ہر قسم سے معذور سمجھا جاتا تھا جو ہر وقت ذکر واذکار میں مشغول ہو جائے۔ کبھی قلب وجسم کے ساتھ اور کبھی صرف قلبی طور پر مشغول رہے اور کمی بیشی سے بالکل غافل ہو جائے کیونکہ درویش کا مشغلہ یہی ہے کہ وہ وقت کے صحیح حقوق ادا کرے۔ اس طرح وہ فرحت اور صحت کی نعمت کا شکر ادا کرے گا، مگر بیکاری کی صورت میں فرصت اور صحت دونوں کی ناشکری ہوتی ہے۔

شیطانی حملے اور صوفیاء اکرامؒ کا ردعمل

شیطان لعین انسان پر مختلف شکلوں میں حملہ کرتا ہے اور انہیں اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ ان جالوں میں سے ایک غصہ ہے۔ شیطان نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ''میرا سب سے بڑا مکر غصہ ہے جس کے سبب میں لوگوں کو قید کرتا ہوں اور جنت کے راستے سے روکتا ہوں''۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ سے جب کہا جاتا کہ فلاں شخص آپ کی بدگوئی کرتا ہے تو فرماتے "بخدا میں اس کے فعل سے ابلیس کو ناراض کروں گا" پھر فرماتے ''اے اللہ اگر وہ سچا ہے تو معاف مجھے کر دے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس سے درگزر فرما''۔

ایک آدمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا" تو ابو ہریرہؓ ہے"؟ تو آپؓ نے فرمایا" ہاں" پھر اس نے کہا" تو بلی کا چور ہے"؟ ابو ہریرہؓ نے جواب میں فرمایا ''اے اللہ مجھے اور میرے اس بھائی کو معاف فرما دے" پھر فرمایا" ہمیں حضور خاتم النبیین ﷺ کا یہی حکم ہے کہ جو تم پر ظلم کرے اس کیلئے استغفار کرو''۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں" ظالم کے ظلم پر صبر کرنے کا پہلا بدلہ یہ ہے کہ تمام لوگ مظلوم کے مددگار ہو جاتے ہیں "۔

ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا تم ہی ہو جس کو امیر معاویہؓ نے جلاوطن کر دیا تھا اگر تم نیک ہوتے تو تمہیں جلاوطن نہ کرتے۔ اس پر آپؓ نے فرمایا ''اے دوست میرے سامنے ایک سیاہ گھاٹی ہے اگر اس سے بچ گیا تو تیرا برا کہنا مجھے کچھ نقصان نہ دے گا اور اگر نہ بچا تو جو تو کہتا ہے میں اس سے بھی برا ہوں''۔

ایک عورت نے مالک بن دینارؒ سے کہا'' اے ریا کار'' آپؒ نے فرمایا'' اے فلانی تو نے میرا وہ لقب معلوم کر لیا جسے اہل بصرہ نہیں جانتے تھے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے" جو کوئی ایک برا کلمہ برداشت کرتا ہے اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں" جب تم کوئی برا کلمہ سنو تو اس سے اعراض کرو جواب نہ دو کیونکہ اس کے کہنے والے کے پاس اور بھی ایسے کلمات ہیں جو وہ ان کے جواب میں کہے گا"۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں" بے وقوف آدمی کو اس کی بات کا جواب نہ دینا یا اس کے کہنے پر کسی اثر کا اظہار نہ کرنا سخت برا معلوم ہوتا ہے۔ بے وقوف کی سزا کے لیے یہی کافی ہے"۔

اِس لیئے جو شخص روز محشر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی ہو وہ احسان، تحمل اور بردباری کو اپنا شعار بنائے۔ اِس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بندوں کے دِلوں سے دعائیں ملتی ہیں۔ نیک بخت وہ ہوتا ہے جس نے کمایا اور کمائی سے اوروں کی حاجات بھی پوری کیں اور باقی کو ورثا کے لیئے چھوڑا۔ بندوں کے لیئے لازم ہے کہ وہ اخروی زندگی کی بہتری کے لیئے بہتر عمل اور نیکی کے کام کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے امور سرانجام دیں۔

****

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے روکنا دین کا ایک اہم کام ہے۔اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کو معبوث فرمایا اور فلاح اس کام سے وابستہ بتائی۔قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ:تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے اور وہی ہیں فلاح پانے والے''۔(سورۃ آل عمران،آیت نمبر 104)

ترجمہ'':مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"۔(سورۃ توبہ آیت نمبر 71)

ترجمہ:''منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں''۔(سورۃ توبہ آیت نمبر 67)

ترجمہ:''اچھی بات کا حکم کرو اور بری بات سے منع کرو اور جو افتاد تم پر پڑے اس پر صبر کرو''۔(سورہ لقمان،آیت نمبر 17)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین نہیں ہے۔(یعنی سب پر فرض نہیں جیسے نماز،روزہ وغیرہ) بلکہ فرض کفایہ ہے۔یعنی امت میں سے کچھ لوگ اگر یہ کام کرنے کا ذمہ اٹھالیں تو باقی سب کو یہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔لیکن اگر پوری قوم میں سے کوئی بھی نہیں کرے گا تو پوری قوم گناہ گار ہوگی۔اس لئے یہ ارشاد نہیں فرمایا گیا"تم سب ایسے ہو جاؤ" بلکہ کہا گیا"تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں جو لوگوں کو نیکی کا حکم کریں اور بری باتوں سے روکیں۔اور یقیناً یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا"اچھی بات کا حکم دیا کرو اور بری بات سے روکو اس سے پہلے کہ تم دعا کرو اور تمھاری دعا بھی قبول نہ ہو"۔(سنن ابن ماجہ)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" ایمان کے تین درجے ہیں:

1-ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی برا کام کرتے دیکھو تو اسے جبراً روک دو۔ 2-ایمان کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ کوئی برا کام کرتے دیکھو تو زبان سے منع کرو کہ ایسا نہ کرو۔ 3-ایمان کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ برا کام کرتے دیکھو تو بس دل سے برا جانو اور ایسا ادنیٰ درجے کے ایمان والے کیا کرتے ہیں"۔(صحیح مسلم)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا گاؤں تباہ ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں نیک آدمی ہوں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''ہاں''۔اس نے پوچھا اس کی کا کیا وجہ ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اس لئے کہ نیک لوگوں نے سستی کی اور اللہ کی معصیت ہوتے دیکھ کر نافرمانی ہوتے دیکھ کر سکوت اختیار کیا''۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ''اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو جا کر اُلٹ دو" جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا" یا اللہ اس میں آپ کا ایک ایسا بندہ رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی"،اللہ تعالیٰ نے فرمایا"اسکے سمیت بستی کو اُلٹ دو،اور سب پر عذاب نازل کر دو کیوں کہ اس کے سامنے میری نافرمانیاں ہوتی تھی لیکن کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں آیا نہ کبھی اس نے کسی کو روکا اس کو بھی ہلاک کر دو''۔(بیہقی،مشکوٰۃ شریف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا"اے میرے رب! تیرے بندوں میں تیرے نزدیک کونسا محبوب تر ہے"؟ فرمایا"جو کوئی میری خواہش پر جھپٹے جیسا کہ اپنی خواہش پر جھپٹتا ہے اور جو میرے نیک بندوں پر ایسا عاشق ہو جیسے شیر خوار بچہ ماں کی پستان پر ہوتا ہے اور جس وقت میری حرام کردہ چیزوں میں داخل ہو تو ایسا غصہ کرے جیسے چیتا اپنے انتقام کے لئے غضب کرتا ہے''۔

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" بنی آدم میں سے ہر انسان کو تین سو ساٹھ مفاصل (جوڑوں) پر پیدا کیا گیا ہے تو جس نے تکبیر کہی،اللہ کی حمد کہی،اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا،اللہ کی تسبیح کہی،اللہ سے مغفرت مانگی،لوگوں کے راستے سے کوئی پتھر ہٹایا لوگوں کے راستے سے کانٹا یا ہڈی (ہٹائی) ،نیکی کا حکم دیا یا برائی سے روکا،ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر تو وہ اس دن اس طرح چلے گا کہ وہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے دور کر چکا ہوگا"۔(صحیح مسلم)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"تم لوگ راستوں میں بیٹھنے سے بچو" لوگوں نے عرض کیا"اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! ہمیں اپنی مجالس سے مفر نہیں ہم ان میں (ضروری امور پر) گفتگو کرتے ہیں"،آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" پھر اگر تم نہیں مانتے تو راستے کا حق ادا کرو"لوگوں نے عرض کیا" راستے کا حق کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"نگاہ نیچی رکھنا،ایذا نہ دینا،سلام کا جواب دینا،نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا"۔(سنن ابی داؤد)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا"اے میرے رب جو اپنے بھائی کو دعوت دے اسے نیکی کا حکم کرے برائی سے روکے اس کی جزا کیا ہے"؟ فرمایا" میں

اس کی ہر بات پر ایک سال کی عبادت کا ثواب دیتا ہوں اور مجھے اسے جہنم کی آگ سے سزا دینے میں حیا آتی ہے''۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''آخیری زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کم عمر اور کم عقل، باتیں بنائیں گے سب سے بہترین مگر خود ان کے حلق سے نیک بات نیچے نہیں اترے گی (یعنی عمل نہیں کریں گے) وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے''۔ (جامع ترمذی)

حضرت امام مالکؒ جنہوں نے اپنی ساری زندگی امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بسر کی بستر مرگ پر بھی اس اہم فریضہ کو نہ بھولے آخیری وقت میں انہوں نے بھائیوں کو نصیحت کی۔ چنانچہ ان کے آخیری کلمات نقل کئے جاتے ہیں انہوں نے فرمایا ''کسی کو نماز کے مسائل بتا دینا روئے زمین کی تمام دولت صدقہ کرنے سے بہتر ہے کسی شخص کی دینی الجھن دور کر دینا سو حج کرنے سے افضل ہے۔ کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے''۔

سیدنا حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور ضرور نیکی کا حکم دو گے اور ضرور ضرور برائی سے منع کرو گے ورنہ قریب ہوگا کہ اللہ اپنی طرف سے کوئی عذاب تم پر مسلط کردے اور پھر تم اس کو پکارو گے، لیکن وہ تمہیں جواب نہیں دے گا"۔ (مسند احمد)

عبدالرحمن بن العلاء حضرمی بیان کرتے ہیں، مجھے اس شخص نے حدیث بیان کی جس نے نبی خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''اس امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے لیے ان کے پہلے لوگوں کا سا اجر ہوگا، وہ نیکی کا حکم کریں گے، برائی سے منع کریں گے اور وہ فتنے والوں سے قتال کریں گے۔'' (مشکوۃ المصابیح)

ابوموسی اشعریؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا "اگر وہ نہ دے پائے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اپنے ہاتھوں سے کمائی کرے اور اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے''۔ انہوں نے عرض کیا "اگر وہ استطاعت نہ رکھے یا نہ کر پائے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ضرورت مند مجبور شخص کی مدد کرے"۔ انہوں نے عرض کیا "اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "نیکی کا حکم کرے''، انہوں نے عرض کیا "اگر نہ کر سکے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''برائی سے رک جائے کیونکہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے''۔ (مشکوۃ المصابیح)

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں ''جو کوئی سنے کہ فلاں شخص فعل بد کا مرتکب ہوا ہے اور پھر (باوجود قدرت) وہ اسے نہ روکے تو قیامت کے دن وہ کٹے ہوئے کانوں والا بہرہ ہوگا''۔ مدینہ منورہ کا گورنر مروان بن حاکم روضہ اطہر پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک سے چمٹا ہوا پڑا ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر اس کو اٹھایا اور کہا کہ ''اے شخص تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کر رہا ہے''؟ اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا کہ ''ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں''۔ پھر اس نے مروان بن حاکم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اے مروان میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں دربار رسالت خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے مروان جب پرہیزگار لوگ حاکم بنیں گے تو رونے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن جب نا اہل لوگ دین کے والی بنیں گے تو رونا چاہیے''۔ مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی سے چلا گیا۔

یہ بزرگ جنہوں نے مروان گورنر کو اس طرح ڈانٹا کہ اسے یہاں سے نکلنے میں ہی عافیت نظر آئی۔ یہ جلیل القدر صحابی حضرت سیدنا ابوایوب انصاریؓ تھے۔

یہاں پر ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مروان سے کہا " میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں" - صحابی رسول خاتم النبیین ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثابت ہوگئی کہ روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر حاضری دینے والا ہمیشہ یہ نیت رکھے کہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے آیا ہوں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں اور میرے تمام اعمال آپ خاتم النبیین ﷺ کی نگاہ میں ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ حسن اخلاق کیا ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ　　(سورۃ الاعراف آیت 199)

ترجمہ: ''معاف کرنا اختیار کرو۔ اچھی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو''۔

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے مسلمانوں کی عطایا (وظائف) کو روک لیا ایک دن وہ منبر پر تھے تو ابومسلم خولانیؒ نے ان کے سامنے آکر کہا ''اے معاویہؓ یہ مسلمانوں کا مال جو تم نے روکا ہے یہ نہ تو تمہاری محنت کا ہے نہ تمہارے باپ کی محنت کا اور نہ ہی تمہاری ماں کی محنت کا'' امیر معاویہؓ کو یہ باتیں سن کر غصہ آگیا۔ منبر سے اترے اور کہا "ایسے ہی بیٹھے رہنا" اور آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور کہا میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ ''غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھتی ہے۔ اس لئے اگر کسی کو غصہ آجائے تو اسے غسل کر لینا چاہیے۔ اس لئے میں اندر جا کر غسل کر آیا ہوں اور

اب کہتا ہوں ابو مسلمؓ نے درست کہا ہے وہ مال نہ میری محنت کا ہے نہ میرے باپ کی محنت کا اور نہ میری ماں کی محنت کا اس لئے آؤ اور اپنی عطایا مجھ سے لے جاؤ‘‘۔

غبتہ بن عنتریؓ کہتے ہیں "بصرہ میں ہمارے حاکم حضرت ابوموسیٰ ؓ تھے ان کا دستور تھا کہ جب خطبہ پڑھتے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے پھر محمد خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجتے، پھر حضرت عمر فاروقؓ کے لئے دعا کرتے۔ ایک دن میں کھڑا ہو گیا اور کہا" تم کو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول کا خیال نہیں آتا؟ تم حضرت عمر فاروقؓ کو ان پر فضیلت دیتے ہو"؟ پھر میں ایسا ہی کرتا۔ انہوں نے چند جمعہ مجھے برداشت کیا پھر حضرت عمر فاروقؓ کو میری شکایت دی کہ "غبتہ اثنائے خطبہ میرا مزاحم ہوتا ہے"۔ حضرت عمر فارقؓ نے انہیں لکھا کہ ’’غبتہ کو ہمارے پاس بھیج دو‘‘۔ انہوں نے غبتہ کو ان کے پاس روانہ کر دیا۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت عمر فاروقؓ کے دروازے پر دستک دی آپؓ باہر تشریف لائے اور پوچھا کہ ’’تم کون ہو‘‘؟ انہوں نے جواب دیا" میں غبتہ عنتریؓ ہوں" آپؓ نے فرمایا ’’نہ مرحبا ہے اور نہ اہل‘‘۔ میں نے عرض کیا کہ "مرحبا تو اللہ کی طرف سے ہے اور اہل کا یہ حال ہے کہ میں اہل وعیال دونوں نہیں رکھتا مگر یہ فرمائیے کہ آپؓ نے مجھے میرے شہر سے بغیر وجہ کے بلایا ہے تو یہ کس طرح آپ نے جائز سمجھا"؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ’’تجھ میں اور ہمارے عامل (گورنر) میں کیا جھگڑا ہے؟‘‘۔ میں نے کہا"ان کا حال میں آپ سے کہے دیتا ہوں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مجھے ان کی اس حرکت پر اس لئے غصہ آتا ہے کہ وہ صدیق اکبرؓ کا دھیان نہیں کرتے۔ اور آپ کو ان پر فضیلت دیتے ہیں۔ انہوں نے کئی جمعہ ایسا کیا ہے میں نے مزاحمت کی تو میری شکایت آپ کو لکھ کر بھیج دی"۔ حضرت عمر فاروقؓ یہ واقعہ سن کر بے اختیار رونے لگے۔ اور کہتے جاتے تھے ’’بخدا تو ہمارے عامل کی نسبت زیادہ توفیق یافتہ ہے‘‘۔ پھر کہا کہ ’’بھلا تو میرا قصور معاف کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ تیرا قصور معاف کر دے‘‘۔ میں نے کہا "امیر المومنین اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپؓ بے اختیار رونے لگے اور کہنے لگے کہ ’’ابوبکر صدیق ؓ کا ایک روز وشب عمرؓ اور آل عمرؓ سے بہتر ہے۔ میں تجھے اس رات اور دن کے بارے میں بتاؤں‘‘۔ میں نے عرض کیا ضرور امیر المومنین آپؓ نے فرمایا ’’صدیق اکبرؓ کی رات تو وہ ہے جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے مکہ سے نکلنا تھا دشمن سے بچنے کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ رات کے وقت نکلے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ لیا۔ راستے بھر ابوبکرؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے کبھی آگے آتے کبھی پیچھے، کبھی دائیں آتے اور کبھی بائیں ہو کر چلتے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ابوبکر یہ کیا بات ہے؟ میں تو نہیں جانتا کہ تم نے کبھی پہلے ایسا کیا ہو"؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا ’’یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں یاد کرتا ہوں کہ یہاں کھائی تھی کہیں کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو۔ اس لئے اس طرف کو ہو جاتا ہوں۔ پھر مجھے دوسری طرف سے کھٹکا ہوتا ہے تو میں اس طرف آجاتا ہوں تاکہ کوئی آپ خاتم النبیین ﷺ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ مجھے آپ خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے خوف لگا ہوا ہے"۔ غرض یہ کہ رات بھر یہ دونوں حضرات چلتے رہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی انگلیوں کی طرف دیکھا کہ پیر کی انگلیاں زخمی ہو گئیں ہیں تو انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو اپنے کندھے پر بیٹھا لیا۔ یہاں تک کہ جبل ثور پر پہنچ کر آپ خاتم النبیین ﷺ کو اتارا۔ پھر عرض کیا ’’یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ خاتم النبیین ﷺ اس غار میں نہ جائیے گا پہلے میں اندر گھس کر دیکھ لوں کہ اندر کوئی چیز آپ خاتم النبیین ﷺ کو نقصان پہنچانے والی تو نہیں‘‘؟۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں داخل ہو گئے۔ جب وہاں پر کچھ نہ پایا تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو اٹھا کر اس کے اندر لے گئے۔ غار میں کچھ دراڑ تھی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ آتے ہی آرام فرمانے لگے اور حضرت ابوبکرؓ نے غار کی دراڑ کے اوپر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ اس ڈر سے کہ دراڑ کے اندر سے کوئی زہریلی چیز نکل کر آپ خاتم النبیین ﷺ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اس پیر پر سانپ نے کاٹ لیا۔ تکلیف کی شدت سے آپ ؓ کے آنسو نکل آئے اور وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے رخسار مبارک پر گرے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے آنکھیں کھول کر حضرت ابوبکرؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا ’’ابوبکرؓ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے‘‘ سورۃ توبہ آیت نمبر 40۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر اپنی طرف سے تسکین نازل کی یہ تو تھی رات کی بات۔

اور دن وہ ہے کہ عرب کے لوگ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد جب مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا" ہم نمازیں تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے"۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے ساتھ جہاد کا قصد کیا۔ میں ان کی خدمت میں گیا کہ حتی الوسع نصیحت کروں گا میں نے کہا ’’اے نائب رسول خاتم النبیین ﷺ آپ لوگوں کے ساتھ نرمی کیجئے‘‘ انہوں نے کہا ’’عجب ہے عمرؓ تم کفر میں تو بڑے سخت تھے۔ اب اسلام میں اتنے ڈھیلے ہو گئے ہو؟ بخدا اگر لوگ مجھے وہ رسی زکوٰۃ میں دینے سے بھی انکار کریں گے جس کو وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو بھی میں ان لوگوں سے جہاد کروں گا‘‘۔ غرض کہ ہم نے ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا تو معلوم ہوا کہ بخدا وہی ٹھیک تھے۔ اس معاملے میں ان ہی کی تجویز ٹھیک تھی یہ تھا ’’ابوبکرؓ کے دن کا حال‘‘۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ملامت لکھ

بھیجی اور لکھا کہ قصور تمہارا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا"۔

اصمعیؒ کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان اپنی حکومت میں حج کرنے کو آیا۔ مکہ میں تخت پر بیٹھا اور ارد گرد اشراف جمع ہو گئے۔ عطا بن ابی رباحؒ (حج پر فتویٰ دیا کرتے تھے) ان کے پاس تشریف لائے۔ عبدالملک دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور کہا" آپ نے کیوں تکلیف فرمائی" ؟ انہوں نے فرمایا ''امیر المومنین اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے حرم میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور ان کی آبادی کی خیر گیری رکھنا۔ مہاجرین اور انصار کی اولاد کے لئے خوف خدا رکھنا کہ تم تخت پر انہیں کی بدولت بیٹھے ہو اور جو لوگ مسلمانوں میں سے دار اسلام کی حدود پر کفار کے روکنے کو متعین ہیں ان کے بارے میں خوف خدا رکھنا اور مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں ڈرنا کہ تم سے انکی باز پرس ہوگی اور جو لوگ تمہارے دروازے پر آئیں ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا اللہ سے ڈرنا اور ان کے حال سے غافل نہ ہونا''۔ خلیفہ نے عرض کیا" بہتر ہے میں ایسا ہی کروں گا"۔ پھر آپ اٹھے خلفیہ نے انکو پکڑ لیا اور کہا" ابو عبداللہ یہ تو آپ نے دوسروں کے مطلب بیان کئے ہیں۔ ان کو ہم کہہ چکے کہ پورا کریں گے اب آپ اپنی کوئی حاجت فرمایئے" انہوں نے عرض کیا'' مجھے مخلوق سے کوئی حاجت نہیں'' یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد عبدالملک نے کہا کہ '' شرف اس کو کہتے ہیں''۔

ایک روز ولید بن عبدالملک نے اپنے دربان سے کہا" دروازے پر کھڑا ہو جا اور جو کوئی شخص یہاں سے گزرے اس کو اندر لے آنا کہ مجھ سے باتیں کرے"۔ دربان دروازے پر کھڑا تھا کہ عطا بن ابی رباحؒ وہاں سے گزرے یہ ان سے ناواقف تھا ان کی خدمت میں عرض کیا" امیر المومنین کے پاس چلو ان کا حکم ہے" - وہ خلیفہ کے پاس تشریف لے آئے۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی وہاں موجود تھے جب عطاؒ ولید کے قریب آئے تو فرمایا" اسلام علیک یا ولید"، خلیفہ دربان پر بہت خفا ہوا " کم بخت میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میرے پاس ایسے شخص کو لانا جو مجھے قصے کہانی سنائے تو ایسے شخص کو بلا لایا ہے جس کو یہ بھی پسند نہیں کہ جو نام اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پسند فرمایا ہے اس نام سے مجھے پکارے؟" دربان نے کہا" ان کے سوا اور کوئی میرے پاس آیا ہی نہیں"۔ پھر خلیفہ نے ان کو بلایا اور کہا" بیٹھیں" اور ان کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرنے لگا۔ عطاؒ نے ایک روایت ان کے سامنے بیان کی کہ '' ہم کو خبر پہنچی ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام ہَب ہَب ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے گا وہ اس وادی میں ڈال دیا جائے گا''۔ یہ سن کر ولید نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوا اور دیوان خانہ میں بیہوش ہو کر گر گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عطاؒ سے فرمایا" تم نے امیر المومنین کو مار ڈالا" عطاؒ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور کہا کہ "اے عمرؒ یہ حقیقی بات ہے اور واقعی ایسا ہوگا"۔ پھر عطاؒ اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ ان کے ہاتھ دبا دینے کا اثر مجھ کو کئی برس رہا کہ میرا ہاتھ دکھتا رہا۔

ابن ابی شمیلہؒ جو عقل وادب اور علم میں مشہور و معروف تھے عبدالملک بن مروان کے پاس گئے۔ عبدالملک نے ان سے کہا" کچھ فرمایئے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ " کیا کہوں؟ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ متکلم جو کلام کرتا ہے۔ وہ اس پر وبال ہوتا ہے۔ بجز اس کلام کے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو"۔ یہ سن کر عبدالملک رو پڑا پھر کہا" اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ لوگ تو ہمیشہ سے ایک دوسرے کو نصیحت کرتے اور وصیت کرتے چلے آئے ہیں"۔ انہوں نے کہا'' امیر المومنین قیامت میں لوگ کلام کی تلخی کے گلے میں پھنسنے سے ہلاک ہوں گے۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس کو خفا کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا''۔ عبدالملک پھر رویا اور کہا کہ '' میں ان کلمات کو بلا شبہ تازیست آنکھوں کے سامنے تعویذ کی طرح رکھوں گا''۔

عامر شعبیؒ کہتے ہیں کہ حجاج نے بصرہ اور کوفہ کے فقہا کو بلایا تو ہم سب گئے حضرت حسن بصریؒ سب سے پیچھے تشریف لائے۔ صحابہ کرامؓ نے ان کی تعظیم کی اور مرحبا کہا۔ ایک کرسی منگوائی اپنے تخت کے قریب بچھائی اور اس پر آپ کو بٹھایا۔ پھر ہم سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ پھر حضرت علیؓ کا ذکر کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ حضرت علیؓ کی بدگوئی کرنے لگا۔ ہم بھی وہاں بیٹھے ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور خوف کے مارے بجز تسلیم کے اور کچھ منہ سے نہ نکالا۔ حضرت حسن بصریؒ دانت تلے انگلی دبائے خاموش بیٹھے رہے۔ حجاج نے حضرت حسن بصریؒ دیکھ کر کہا'' آپ خاموش ہیں'' آپؒ نے فرمایا'' میں کچھ نہیں کہہ سکتا''۔ اس نے کہا" آپ اپنی رائے حضرت علیؓ کے متعلق دیجئے" آپ نے فرمایا کہ '' میں نے سنا ہے کہ حضرت علیؓ ان ایماندار لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی تو پھر میری رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے چچازاد بھائی، آپ خاتم النبیین ﷺ کے داماد اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ترین تھے۔ اور یہ بھی میری رائے ہے کہ اگر حضرت علیؓ سے کوئی بری بات ہوتی رہی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔ میرے نزدیک ان کے لئے یہی قول ہے''۔ یہ سن کر حجاج نے ناک چڑھائی اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور غصے میں آ کر تخت سے اٹھا اور اپنے حجرے میں جو تخت کے پیچھے ہی تھا اس میں چلا گیا اور ہم سب باہر نکل آئے۔ عامر شعبیؒ

کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کا ہاتھ پکڑا اور کہا ''اے ابوسعیدؒ آپ نے حجاج کو خفا کر دیا اور اس کے سینے کو کینہ سے بھر دیا ہے"۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ''اے عامر مجھ سے الگ ہٹ جاؤ، عامر شعبیؒ تو کوفہ کا عالم ہے اور تم ایک شیطان سیرت بشر صورت کے پاس آ کر اس کی خواہش کے مطابق کلام کرتے ہو۔ اور اس کی رائے کو درست کہتے ہو۔ تم نے خوف اور تقویٰ نہ کیا کہ جب تم سے سوال ہوا تھا تو یا تو سچ کہا ہوتا یا خاموش رہتے کہ سلامت رہتے''۔ عامرؒ نے جواب دیا "میں نے سوچا تو یہی تھا لیکن جانتا تھا کہ اس میں خرابی ہے"۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ ''یہ بات تو تم پر اور بھی زیادہ حجت اور گناہ ہے۔"

عامر شعبیؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حطیطہؒ حجاج کے سامنے لائے گئے۔ جب وہ روبرو ہوئے تو حجاج نے کہا کہ حطیطہؒ تو ہی ہے۔ اس نے کہا کہ ''ہاں تمہارا جو دل چاہے مجھ سے سوال کرلو میں سچ سچ جواب دوں گا۔ "اس لئے کہ میں نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے تین عہد کر لئے ہیں ایک یہ کہ اگر تو مجھ سے سوال کرے گا تو میں سچ سچ جواب دوں گا۔ دوسرا یہ کہ اگر مجھ پر مصیبت آئے گی تو صبر کروں گا۔ تیسرا یہ کہ عافیت سے رہوں گا تو شکر ادا کروں گا''۔ حجاج نے پوچھا تو میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ''میں یہ کہتا ہوں کہ تو زمین میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ایک ہے۔ لوگوں کی ہتک عزت کرتا ہے، تہمت پر قتل کرتا ہے، حجاج نے کہا کہ تو امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا ''میں کہتا ہوں کہ اس کا جرم تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کی ساری خطاؤں میں سے تیرا وجود سب سے بڑی خطا ہے''۔

حجاج نے حکم دیا اس شخص کو عذاب دو۔ عذاب شروع ہوا بانس کو چیر کر اس کی کھپاچیں جسم پر گھسیٹنی شروع کیں جسم کا گوشت ادھڑ گیا۔ مگر انہوں نے ''اف تک نہ کی''۔ حجاج نے دیکھا کہ اب حالت نزع میں ہے تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔ جعفرؒ کہتے ہیں کہ میں اور اس کا ایک دوست اس حالت میں اس کے پاس گئے اور کہا حطیطہؒ تیری کوئی حاجت ہے؟ اس نے کہا پانی پینا چاہتا ہوں ہم نے اس کو پانی پلایا اور پانی کے ساتھ ہی ''موت کا گھونٹ بھی پی لیا''۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل کرے۔

ایک مرتبہ عمیر ابن ہبیرہ نے بصرہ، کوفہ، مدینہ منورہ اور شام کے بڑے بڑے علماء و فقہا کو بلایا اور ان سے سوال کرنے لگا۔ عامر شعبیؒ سے گفتگو شروع کی تو جو بات پوچھی اس سے ان کو خوب واقف پایا۔ پھر حسن بصریؒ کے طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کچھ سوال کئے پھر کہا" کوفہ اور بصرہ کے عالم یہی دونوں ہیں"۔ دربان سے کہا "باقی سب کو رخصت کر دو"۔ پھر ان دونوں کو تنہائی میں لے جا کر عامر شعبیؒ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "اے ابوعمر میں عراق پر امیر المومنین یزید کی طرف سے عامل اور امین ہوں اور فرمانبرداری پر مامور ہوں۔ میرے ذمہ رعیت کا کچھ کام ہے۔ مجھ پر رعیت کا حق بھی لازم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ رعیت محفوظ رہے اور جس بات میں ان کی بہتری اور خیر خواہی ہو اس کا خواہاں رہتا ہوں۔ پھر ملک والوں سے کوئی ایسی بات سن لیتا ہوں کہ جس کی وجہ سے مجھ کو ان پر غصہ آتا ہے تو میں ان کی کسی قدر عطا یا ضبط کر کے بیت المال میں رکھ دیتا ہوں اور میری نیت یہ ہوتی ہے کہ ان کو واپس کردوں گا مگر اتنے میں امیر المومنین کو اس بات کی خبر مل جاتی ہے کہ کچھ مال میں نے اس طرح سے لے کر بیت المال میں رکھا ہے۔ وہ مجھ کو لکھ بھیجتے ہیں کہ اب واپس نہ کرنا۔ تو اب مجھ سے نہ تو خلیفہ کا حکم ٹالا جاتا ہے اور نہ ہی تعمیل فرمان کا میرا دل مانتا ہے۔ مگر میں اطاعت پر مامور ہوں۔ تو اس میں یا اس کام میں مجھ پر گناہ ہے یا نہیں؟ اور اپنی نیت کا حال تو میں نے آپ کو بتا ہی دیا ہے"۔ عامر شعبیؒ نے جواب دیا ''اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی کی توفیق دے سلطان رعایا کا باپ ہوتا ہے۔ خطا بھی کرتا ہے اور ثواب بھی کرتا ہے۔ اس پر مواخذہ نہیں''۔ پھر وہ حضرت حسن بصریؒ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "اے ابوسعید آپ کیا فرماتے ہیں"؟ آپ نے کہا" میں نے تمہارا یہ قول سنا ہے کہ تم عراق پر امیر المومنین کے عامل اور امین ہو اور اطاعت پر مامور ہو اور رعیت کے کام کے لئے ہو اور اپنے ذمہ ان کا حق اور خیر خواہی اور بہتری کی جستجو اور خیر گیری کو لازم جانتے ہو اور تم پر رعیت کا حق واقعی لازم ہے۔ اور رعیت کو خیر خواہی کے ساتھ محفوظ رکھنا تم پر واجب ہے کہ میں نے عبدالرحمن سحرۃ قریش محاسبی سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص رعیت کا حاکم ہو اور اس نے ان کی حفاظت، خیر خواہی سے نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام فرما دے گا'' (السلسلۃ الصحیحۃ) اور تم یہ بھی کہہ رہے ہو کہ میں رعیت کی عطا یا ضبط کر لیتا ہوں اور نیت ان کی بہتری اور اطاعت کی ہوتی ہے۔ مگر یزید کو خبر ہو جاتی ہے کہ اتنا مال اس وجہ سے لے لیا ہے تو لکھ بھیجتا ہے کہ اس مال کو واپس نہ کرنا۔ تو نہ مجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی حکم عدولی کروں اور نہ ہی اس کے فرمان کی تعمیل کر سکتا ہوں۔ حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا حق یزید کے حق کی نسبت زیادہ لازم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا حق ہے اور رب تعالیٰ کو نظر انداز کر کے کسی مخلوق کی اطاعت کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ پس یزید کے نوشتہ کو قرآن پر پیش کیا کرو اگر اس کو اللہ کے حکم کے موافق پاؤ تو اس پر عمل کرو اور اگر مخالف پاؤ تو اس کو پس پشت ڈال دو۔ اے ابن ہبیرہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کہ عنقریب پروردگار کا قاصد تیرے پاس آئے گا اور تجھ کو تیرے تخت سے اتار دے گا اور اس وسیع محل سے نکال کر تنگ و

تاریک قبر میں پہنچا دے گا۔ تو یہ سلطنت اور دنیا سب اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جیسی کرنی ویسی بھرنی کا مصداق ہوگا۔ اے ابن بہیرہ اللہ تعالیٰ تجھ کو یزید سے بچالے گا۔ مگر یزید تجھ کو اللہ تعالیٰ سے نہ بچا سکے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سب حاکموں سے برتر ہے اور میں تجھ کو اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو گناہ گاروں سے نہیں پھرتا"۔ ابن بہیرہ نے کہا ''اے شیخ چھوٹا منہ بڑی بات نہ کرو۔ امیر المومنین کی بات نہ کرو کہ وہ علم والا، حاکم اور اہل فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس امت کا حاکم بنایا ہے تو کچھ سمجھ کر اس کی فضیلت اور نیت دیکھ کر بنایا ہوگا''۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ''اے بہیرہ حساب تیرے سر پر ہے کہ کوڑا عوض کوڑے کے اور غصہ عوض غصہ کے۔ اللہ تعالیٰ گھات میں ہے اور جان لے کہ اگر کوئی شخص تجھ کو ایسا ملے کہ دین کے بارے میں تجھ کو نصیحت کرے اور معاملہ آخرت کی ترغیب دے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو تجھ کو مغالطہ دے اور جھوٹی امید دلائے''۔ ابن بہیرہ یہ سن کر کھڑا ہوا اور نیلا پیلا ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے زبور میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب مدعی اور مدعا علیہ تیرے سامنے بیٹھیں اور تجھ کو ان میں سے کسی ایک طرف میل ہو تو ہرگز اپنے دل میں نہ سوچنا کہ حق اس کو ملے اور وہ دوسرے پر فتح یاب ہو۔ ورنہ میں تجھ کو اپنی نبوت کے دفتر سے مٹا دوں گا۔ پھر نہ تو خلیفہ ہی رہے گا نہ ہی بزرگی پائے گا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے داؤدؑ میں نے اپنے رسولوں کو بندوں پر ایسا کیا ہے جیسے اونٹوں کے چرانے والے کہ وہ طریق حفاظت سے واقف ہوتے ہیں اور دیکھ بھال نرمی سے کرتے ہیں۔ ٹوٹے ہوئے کو باندھتے ہیں اور دبلے کو چارہ اور پانی سامنے لا کر ڈالتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے یہ دعا مانگی ''الٰہی اگر تو جانتا کہ جب مدعی اور مدعا علیہ میرے سامنے بیٹھتے ہیں تو ان میں سے جو حق سے ہو خواہ قریب ہو یا بعید اگر میں اس کی رعایت کروں تو تو مجھ کو ایک لحہ کی مہلت نہ دینا''۔ ابی عمران جونیؒ کہتے ہیں "جب ہارون رشید کو خلافت ملی تو علماء ان کی ملاقات کو گئے اور ان کو خلافت کی مبارک باد دی اور اس نے بیت المال کھول کر بڑے بڑے انعامات اور خلعت سے علما کو نوازا"۔

خلیفہ ہارون رشید عہد خلافت سے پہلے زاہدوں اور علماء کے پاس بیٹھتا تھا اور بظاہر زہد اور خستہ حالی رکھتا تھا۔ حضرت سفیان ثوریؒ اور خلیفہ ہارون رشید میں بھائی چارہ (دوستی) تھا، لیکن حضرت سفیان ثوریؒ نے ان سے خلافت کے بعد ترک ملاقات کی اور ان کو مبارکباد نہ دی۔ یہ بات خلیفہ ہارون رشید کو بہت شاق تھی انہوں نے خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں ایک رقعہ اس مضمون کا لکھا۔

بِسۡمِ اللہ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

''بندہ خدا ہارون رشید امیر المومنین کی طرف سے اس کے بھائی سفیان ثوریؒ کو بعد حمد و نعت و سلام کے معلوم ہو کہ برادرمَن اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے درمیان بھائی چارہ فرمایا ہے اور اس بھائی چارہ کو اپنے لئے اور مومن کے بارے میں فرمایا ہے اور جان لو کہ میں نے تم سے بھائی چارہ کیا ہے اور اس کا رشتہ منقطع نہیں کیا ہے اور نہ ہی آپ کی دوستی کو ختم کیا ہے بلکہ اب تک مجھے آپ سے افضل محبت اور اکمل عقیدت حاصل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری گردن پر خلافت کا بار نہ ڈال دیا جاتا تو میں آپ کی خدمت میں گھٹنوں کے بل چل کر آتا۔ کیونکہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میرے اور آپ کے دوستوں میں سے کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ کو مبارک باد دینے نہ آیا ہو اور میں نے بیت المال کھول کر ان کو بڑے بڑے انعام اس قدر دیئے ہیں کہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو فرحت ہوئی۔ مگر جب آپ نہ تشریف لائے تو میں نے یہ خط اپنے سخت اشتیاق سے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے اور اے ابو عبداللہ تم کو معلوم ہی ہے کہ ایک ایماندار سے ملنے کا ثواب کیا ہے؟ تو جب یہ اشتیاق نامہ آپ کے پاس پہنچے تو آپ ضرور میرے پاس قدم رنجہ فرمائیں''۔

ہارون رشید نے جب خط لکھ لیا تو جو لوگ ان کے پاس موجود تھے ان سے پوچھا کہ کوئی یہ نامہ سفیان ثوریؒ کو پہنچائے گا مگر سب کے سب حضرت سفیان ثوریؒ کی تندمزاج طبیعت کو جانتے تھے اس لئے کسی نے جرأت نہ کی۔ یہ دیکھ کر خلیفہ نے کہا" کسی درباری کو طلب کرو"۔ چنانچہ ایک شخص عباد طلقانی نام کا بلایا گیا۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ ''اے عباد یہ میرا نامہ لو اور کوفہ جاؤ، بستی میں داخل ہو کر بنی ثور کا قبیلہ دریافت کرنا پھر وہاں سے سفیان ثوریؒ کے بارے میں پوچھنا اور جب ان سے ملاقات ہو تو میرا یہ خط ان کے حوالے کرنا اور خبردار اپنے کان اور دل دونوں حاضر رکھنا اور جو حال ان کا ہو اور جو کیفیت ہو ذرا ذرا یاد رکھنا اور من وعن مجھ سے آکر کہنا''۔

عباد اس خط کو لے کر منزل مقصود کو چلا۔ جب کوفہ میں پہنچا تو قبیلہ بنی ثور کا معلوم کیا اور پھر قبیلہ بنی ثور میں پہنچ کر حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں معلوم کیا۔ کسی نے بتایا کہ مسجد میں ہیں۔ عباد کہتے ہیں" میں نے مسجد کا راستہ معلوم کیا اور مسجد پہنچ گیا۔ جب سفیان ثوریؒ نے مجھے دیکھا (میں درباری کے لباس میں تھا) تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سننے اور جاننے والے کی شیطان مردود سے اور الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس آنے والے سے جو ہمارے پاس خیر کے

سوا کسی اور طرح آئے''۔آپ کے ان الفاظ نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میں تنگ ہو گیا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا کہ میں سواری سے اتر رہا ہوں تو آپ نماز پڑھنے لگے حالانکہ اس وقت کسی نماز کا وقت نہ تھا۔ میں نے گھوڑا مسجد کے دروزے سے باندھا۔آپ کے تمام ساتھی گردن جھکائے بیٹھے تھے گویا چور ہیں کہ ان پر بادشاہ چلا آیا ہے۔ اور اس کی سزا سے ڈر رہے ہیں۔ میں نے سلام کیا تو کسی نہ سر اٹھا کر مجھ کو نہ دیکھا اور پوروں کے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ کسی نے مجھ سے کہا "بیٹھ جاؤ" اور ان کی ہیبت مجھ پر طاری ہوگئی میں نے اندازہ لگا لیا کہ سفیان ثوریؒ ہی وہ بزرگ ہیں جو نماز میں مشغول ہو گئے ہیں۔ میں نے خط ان کے سامنے رکھ دیا وہ خط دیکھ کر کانپے اور اس سے ایسے بچے گویا سجدہ گاہ پر کوئی سانپ آ گیا ہے۔ پھر رکعتوں کو پورا کر کے سلام پھیرا اور اپنا ہاتھ آستین میں کر کے چوغے میں لپیٹا اور پھر اس طرح ہاتھ سے خط کو پلٹا پھر اس کو اپنی پشت کی طرف لوگوں میں پھینک دیا اور فرمایا ''تم میں سے کوئی اس کو کھول کر پڑھے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں کہ ایسی چیز کو ہاتھ لگاؤں کہ جس کو ظالم نے چھوا ہو''۔

غرض یہ کہ ایک شخص نے ڈرتے ڈرتے اس کو کھولا گویا اس میں سانپ ہے کہ اس کو کاٹ لے گا۔ اور اس کو ابتدا سے انتہا تک پڑھ کر سنایا۔ جب خط ختم ہو گیا تو فرمایا کہ "اس خط کو الٹو اور ظالم کے خط کی پشت پر جواب لکھ دو۔ اگر اس نے اس خط کے کاغذ کو وجہ حلال سے حاصل کیا ہو گا تو اس کا جواب پائے گا اور اگر حرام سے حاصل کیا ہو گا تو عذاب بھگتے گا۔ جس چیز کو ظالم نے چھوا ہو وہ ہمارے پاس نہیں رہنی چاہیے ورنہ ہمارا دین خراب کرے گی پھر فرمایا لکھو۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

''بندہ منیب سفیان بن سعید ثوری کی طرف سے اس بندے کے نام جو مغالطہ کھائے ہوئے ہے اور ایمان کا مزہ اس سے چھن گیا ہے یعنی ہارون رشید کو بعد سلام وحمد وخدائے تعالیٰ اور نعت سید رسول خاتم النبیین ﷺ معلوم ہو کہ میں نے یہ خط تم کو اس اطلاع کے لئے لکھا ہے کہ میں تمہاری الفت کا رشتہ توڑ چکا ہوں اور دوستی کا علاقہ کاٹ چکا ہوں اور اب میں تمہارا دشمن ہو گیا ہوں کیونکہ تم نے خود اقرار کیا ہے کہ تم نے علماء کی الفت میں بیت المال کو کھول کر خرچ کیا ہے اور مجھ کو اس بات کا گواہ بنایا ہے کہ تم نے مسلمانوں کا مال بے جا اور بے دریغ اڑایا ہے۔ یاد رکھو کہ ہم سب فرداً فرداً قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری اس حرکت بے جا کی گواہی دیں گے۔ اے ہارون تم نے مسلمانوں کا جو مال اڑایا تو اس میں قرآن کے حکم کے مطابق سات فرقوں کا حق تھا۔ تمہارے اس فعل سے کونسا فرقہ راضی ہوا؟ مولفۃ القلوب یا صدقات کے عامل، یا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا مسافر یا قرآن پاک کے حافظ اور علماء یا بیوہ عورتیں یا یتیم اب تم اس سوال کے جواب کے لئے مستعدر ہو اور اپنی اس مصیبت کو دور کرنے کی فکر کرو۔ اور جان لو کہ تم عنقریب عادل حاکم کے سامنے کھڑے ہو گے اور پھر تم سے تمہارے نفس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تم نے علم و زہد اور قرآن مجید اور ابرار کے پاس بیٹھنے کا مزہ کھو دیا اور اپنے نفس کے لئے ظلم اور ظالموں کا ساتھ دینا پسند کیا۔ اے ہارون تم مسند پر بیٹھے، حریر پہنا، اپنے دروازے پر پردہ ڈالا اور ان چیزوں سے تم نے رب العالمین کی مشابہت پیدا کی۔ پھر اپنے ظالم سپاہیوں کو دروازے پر بٹھایا جو انصاف نہیں کرتے خود شراب پیتے ہیں اور لوگوں کو شراب پینے پر مارتے ہیں۔ خود چوری کرتے ہیں اور لوگوں کو چوری کرنے پر ہاتھ کاٹتے ہیں۔ اے ہارون کل جب ایک پکارنے والا پکارے گا ظالم اور اس کے مددگار کہاں ہیں؟ تو تم خدائے تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ اس صورت میں کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے اور ان کو بجز تمہارے عدل کے اور کوئی چیز نہ کھول سکے گی اور پھر ظالم اور اس کے مددگار دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے۔

اے ہارون تمہارا حال میرے سامنے ہے۔ تمہاری گردن پکڑ لی گئی ہے اور قیامت میں پیشی کے مقام پر حاضر کئے گئے ہو اور تم اپنی نیکیاں دوسروں کے پلڑے میں رکھ رہے ہو اور اپنی برائیوں کے علاوہ غیروں کی برائیاں بھی اپنے پلڑے میں دیکھتے ہو اور یہ کہ مصیبت پر مصیبت اور اندھیرے پر اندھیرا ہے۔ پس ہارون میری اس نصیحت کو یاد رکھنا اور اسی پر کار بند رہنا اور جان رکھو کہ میں نے تمہاری خیر خواہی کی ہے اور کوئی دقیقہ نصیحت کا میں نے نہیں چھوڑا ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا لحاظ آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کے بارے میں رکھنا اور جان لینا کہ اگر خلافت، خلیفوں کے پاس رہتی تو تمہارے پاس نہ پہنچتی یہ تمہارے پاس سے بھی جانے والی ہے۔ اس طرح دنیا سب لوگوں کو ایک ایک کر کے قبر میں پہنچا دیتی ہے تو ان میں سے بعضوں نے تو ایسا توشہ ساتھ لیا جو ان کو مفید ہوا اور بعض دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے میں رہے اور میرے گمان کے مطابق تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جن کو دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ ہے۔ اب خبردار اس کے بعد کوئی خط مجھ کو نہ لکھنا اور نہ میں اس کا جواب تم کو تحریر کروں گا۔ والسلام۔"

عباد کہتا ہے کہ ''میں نے اس خط کا پورا پورا مضمون سنا۔ اس خط کو لکھوا کر بغیر تہہ کئے اور بغیر مہر لگائے میری طرف پھینک دیا گیا میں اس کو لے کر کوفہ کے بازار

میں آیا آپ کی باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا میرا دل دنیا کی بے ثباتی سے پریشان ہوگیا میں نے بازار میں آکر لوگوں کو پکارا "اے کوفہ والو، اے کوفہ والو"، لوگ میرے گرد جمع ہوگئے۔ میں نے کہا "ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھاگا ہوا تھا اب اس نے اس کی طرف رجوع کیا ہے کوئی تم میں سے اس کا خریدار ہے"۔ لوگوں نے میرے سامنے اشرفیاں پیش کیں۔ میں نے کہا" مجھے مال کی حاجت نہیں ہے۔ میں تو ایک سوت کا کرتہ اور ایک کنگھی چاہتا ہوں"۔ لوگوں نے مجھے یہ دونوں چیزیں لا کر دے دیں۔ میں نے ان کو پہن لیا اور وہ لباس جو میں خلیفہ کے دربار میں ایک درباری کی حیثیت سے پہنا کرتا تھا اتار ڈالا۔ وہ لباس اور ہتھیار جو میرے لباس پر لگے ہوئے تھے اور جو میرے پاس تھے سب میں نے گھوڑے پر رکھ دیئے۔ گھوڑے کی باگ پکڑ کر پیدل روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب میں خلیفہ ہارون رشید کے دروازے پر پہنچا اور باہر لوگوں نے اور دوسرے درباریوں نے مجھے دیکھا تو کچھ نے ہنسی اڑائی اور کچھ حیران ہوئے اور جب گھوڑے کو باہر کھڑا کر کے میں خلیفہ کے پاس پہنچا اور اس نے مجھے دیکھا تو فوراً کھڑا ہوگیا اور پھر اپنا سر پیٹتا، حسرت کرتا اور واویلا کرتا تھا کہتا تھا افسوس ایلچی نے فائدہ اٹھایا، اور بھیجنے والا محروم رہا اور کہا کہ مجھے دنیا سے سروکار نہیں۔ یہ سلطنت میرے کس کام آئے گی؟ یہ واقعی ڈھلتے سائے کی طرح جلد چلی جائے گی۔ پھر سفیان ثوریؒ نے مجھے جس طرح کھلا ہوا خط دیا تھا اسی طرح میں نے خلیفہ ہارون رشید کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ہارون رشید وہ خط پڑھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے اس خط کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ہر نماز کے بعد اس کو پڑھا کرتا تھا یہاں تک کہ انتقال فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور کرم والا معاملہ کرے"۔

حاصل یہ کہ علماء کرام کی عادت امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں یہ تھی کہ بادشاہوں کے رعب و دبدبہ کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے اور چونکہ انہوں نے اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر لی تھی اس لئے ان کے کلام کی تاثیر دلوں میں پیدا ہوتی تھی کہ وہ نرم ہوجاتے تھے اور سختی دور ہوجاتی تھی۔ جبکہ آج کل طمع نے علماء کی زبان روک دی ہے۔ اس لئے یہ کچھ کہتے ہی نہیں ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں تو ان کا قول ان کے حال کے موافق نہیں ہوتا (یعنی جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں) اس لئے اس سے کچھ فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ اگر وہ سچے ہوتے اور علم کا حق ملحوظ رکھتے تو فلاح پاتے۔ کیونکہ رعیت کی ساری خرابیاں بادشاہوں کے خراب ہونے سے ہوتی ہیں اور بادشاہوں کی ساری خرابیاں علماء کے خراب ہونے سے ہوتی ہیں۔ اور علماء کی خرابی مال اور جاہ (شہرت) کی محبت سے ہوتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''اگر تو کسی عالم کو بادشاہ کے دربار میں دیکھے تو سمجھ لینا چور ہے''۔

تو جس شخص پر دنیا کی محبت غالب آگئی وہ رذیلوں اور ذلیلوں پر بھی جست نہ کر سکے گا۔ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کا ذکر ہی کیا؟

شام کے ایک بزرگ کا واقعہ:

ملک شام کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ شام میں ابدال رہتے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے شام کے لئے دعا کی ہے۔ ملک شام میں ایک بزرگ قلندرانداز کے رہتے تھے ترکی میں اس وقت خلافت عثمانیہ کا زمانہ تھا۔ ترکی میں ایک گورنر تھے۔ انہیں ان قلندر بزرگ کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے اس بزرگ کی خدمت میں جانے کا فیصلہ کیا۔ گورنر صاحب ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ بزرگ ٹیک لگائے پیر پھیلائے ہوئے تھے۔ گورنر سے بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ مصافحہ کیا۔ بٹھایا، حال احوال معلوم کیا۔ بہت محبت سے باتیں کیں لیکن اسی طرح پاؤں پھیلائے بیٹھے رہے۔ جب گورنر جانے لگا تو ان کے دل میں خیال آیا میں گورنر اور حاکم تھا۔ انہوں نے اتنا بھی لحاظ نہ کیا کہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتے لیکن پھر اس بات کو دل سے نکال دیا۔ انہیں بزرگ کا اخلاق متاثر کر گیا۔ گھر جا کر انہوں نے اشرفیوں کی ایک تھیلی اپنے نائب کے ہاتھ بزرگ کی خدمت میں بھیجی۔ بزرگ نے لینے سے انکار کر دیا۔ گورنر نے نائب کو دوبارہ بھیجا لیکن انہوں نے تھیلی کو قبول نہ کیا۔ تیسری مرتبہ وہ خود حاضر ہوئے اور کہا حضرت آپ میرا بھیجا ہوا تحفہ کیوں واپس کر دیتے ہیں کیا مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے؟ بزرگ نے کہا ''نہیں تم نے کوئی قصور نہیں کیا بس بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم نے پاؤں پسار لئے ہیں اور ہاتھوں کو سمیٹ لیا ہے۔ کیونکہ ہاتھ پھیلانے والا پاؤں نہیں پھیلا سکتا''۔ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو برائی سے روکے یقیناً یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 104)

یہاں پر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ تعلیم اور تبلیغ میں ایک نمایاں فرق ہے اور وہ یہ کہ **تعلیم طلب والوں کو دی جاتی ہے اور طلب والے خود سیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ جبکہ تبلیغ بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کے لئے اور بے حسوں میں احساس پیدا کرنے کے لئے اور سوئے ہوؤں کو جگانے کے لئے کی جاتی ہے۔**

طالب علم، علم کی طلب میں خود چل کر آتے ہیں اور بے طلب ہمارے پاس خود چل کر نہیں آئیں گے۔ ہمیں ان کے پاس خود چل کر جانا ہوگا۔ یہی انبیاء کرامؑ کا طریقہ تھا۔ اور اسی کو تبلیغ کہتے ہیں۔ علماء اور عوام میں فاصلے نہیں ہونے چاہئیں۔

تبلیغی جماعت اور اصلاح نفس

اصلاح نفس کے چار جز اور طریقے ہیں اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں، صحبت صالح بھی ہے، ذکر وفکر بھی ہے، مواخاۃ فی اللہ بھی ہے، (دشمن سے عبرت و موعظمت بھی) اور محاسبہ ءنفس بھی ہے اور انہی چاروں کے مجموعہ کا نام تبلیغی جماعت ہے عام لوگوں کے لیے اصلاح نفس کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ اس طریقہ کار سے دین عام ہوتا جارہا ہے اور ہر ملک کے اندر یہ صدا پہنچتی جارہی ہے۔ اس کے ذریعے لوگوں کے عقائد درست ہوتے جارہے ہیں لوگ تیزی سے اعمال کی جانب بڑھ رہے ہیں اور اپنے آپ کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کررہے ہیں۔

حقیقت

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شر و برائی اس عالم میں اصلی ہے اور یہ خود بخود چیزوں کے اندر پیدا ہوجاتی ہے، مگر بھلائی محنت کر کے لانی پڑتی ہے، تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ آدمی محنت کرتا ہے بھلائی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اگر محنت نہیں کرتا تو برائی خود بخود ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ مثال کے طور پر کھانا ہے اس کو خوش رنگ، خوشبودار اور خوش ذائقہ باقی رکھنے کی لیے نعمت خانہ بنوانا پڑتا ہے، اسے ہوادار کمرے میں رکھنا پڑتا ہے، تب کہیں کھانا اپنی خوبیوں کے ساتھ باقی رہتا ہے، لیکن اگر یہ محنت نہ کی جائے تو کھانا خود بخود سڑ جائے گا، خراب ہوجائے گا۔ اس کے اندر بدبو پیدا کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح ایک باغ ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ سرسبز ہو، چمن بندی ہوئی ہو، پھول کھلے ہوئے ہوں، اس کا منظر نگاہوں کو اچھا معلوم ہوتا ہے، دیکھنے سے آنکھوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہو، سونگھنے سے ناک میں خوشبو آتی ہو، مگر یہ ساری خوبیاں اس وقت پیدا ہوں گی جبکہ ہم مالی رکھیں گے۔ اور برابر باغ کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے درختوں کی جڑوں کو صاف کریں، اس کو پانی دیں جہاں مناسب سمجھیں کتر بیوست کریں، لیکن اگر ہم باغ کو جھال جھنکال بنانا چاہیں تو اس کے لیے ہم کو نہ تو کسی مالی کو رکھنے کی ضرورت ہوگی اور نہ کسی ہالی وموالی رکھنے کی ضرورت۔ بس بنانے کی محنت چھوڑ دیجیے تو خود بخود ہی چند دنوں میں باغ کی ساری سرسبز شادابی ختم ہوجائے گی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی اور شر کے لیے کائنات میں محنت نہیں کرنی ہوتی نفس امارہ برائی کی طرف خود لے آتا ہے۔ انسان محنت کرتا ہے تو خیر آجاتی ہے نہیں کرتا تو شر خود بخود ابھر آتا ہے۔ یہ اس عالم کا ایک طرز ہے اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے چونکہ اس عالم کا ایک بڑا فرد انسان بھی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے اس اصول اور اس قاعدہ سے جدا ہونا ممکن نہیں، چنانچہ بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ برائی ہر انسان کی ذات میں موجود ہوتی ہے، شیطان انسان کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتا ہے اور بھلائی لانی پڑتی ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے آپ اس کی تربیت کرتے ہیں، تعلیم دیتے ہیں تب جاکر وہ انسان بنتا ہے ورنہ شیطان اولین اس پر حاوی ہوجاتا ہے اور اگر آپ یہ محنت نہ کریں، تو اس کے اندر جو برائیاں ہیں ان کو بروئے کار لانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوگی، خوبیاں پیدا کرنے کے لیے عالم بنانے کے لیے سینکڑوں ادارے ہیں، مدرسے ہیں مگر کیا جاہل بنانے کے لیے بھی آپ نے کوئی مدرسہ دیکھا؟ جاہل تو انسان خود بخود بن جاتا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورۃ نحل آیت نمبر 78)

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم ذرہ برابر علم نہیں رکھتے تھے اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو''۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان میں علم کی استعداد اور صلاحیت رکھتا ہے، مگر کوئی ماں کے پیٹ سے علم و ہنر لے کر نہیں آتا۔ یہ تو انسان کے علم کا حال ہے اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں سورۃ یوسف آیت نمبر 53 میں موجود ہے

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ ترجمہ: ''میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا بیشک نفس تو برائی کا ہی حکم دیتا ہے''۔

معلوم ہوا کہ نفس انسانی میں ذاتی طور پر شر موجود ہے اس لیے وہ انسان کو برے اعمال ہی کی طرف لے جائے گا آپ اس کی تربیت کریں گے تو بن جائے گا اور بھلائی کی طرف آجائے گا ورنہ برائی پیدا ہونے اور اس کی تربیت کے لیے کسی مدرسہ اور کالج کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس مقصد کے لیے نفس امارہ موجود ہے۔ ایک نادان اور چھوٹا بچہ جب سالہا سال کسی مکتب اور مدرسے میں پڑھتا ہے، استاد کی مار اور سختیاں برداشت کرتا ہے اس کے بعد جاکر یا وہ عالم بنتا ہے یا شاعر۔ تو عالم بنانے اور خوش

اخلاق بنانے کے لیے سالہا سال کی مدت درکار ہوتی ہے۔ مدرسے قائم کئے جاتے ہیں، معلمین وملازمین رکھنے پڑتے ہیں، تب جاکے آدمی، آدمی بنتا ہے لیکن جاہل وبد اخلاق بنانے کے لیے نہ تو کہیں مدرسہ قائم کیا جاتا ہے اور نہ کوئی ادارہ۔ اصل یہ کہ کسی چیز کو قیمتی بنانے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے، محنت کی ضرورت پڑتی ہے، مگر بے قیمت بنانے کے لیے کسی محنت کی ضروت نہیں ہوتی، یہ کام نفس خود بخود کر دیتا ہے۔

انسان کی قدر و قیمت اوصاف سے ہے:- ہم جانتے ہیں کہ اللہ میں بالذات خوبیاں ہیں، کمالات ہیں اور مخلوق میں ذاتی طور پر خوبی وکمال نام کی کوئی چیز نہیں اور یہ بھی مسلمہ قاعدہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز کی قدر و قیمت اوصاف سے ہوتی ہے۔ جس شئی کے اندر اوصاف زیادہ ہوں گے اس کی اسی قدر توقیر ہوگی، عزت ہوگی اور اسی اعتبار سے اسے بلند مرتبہ اور مقام حاصل ہوگا۔ ایک شخص عالم ہے اس کی ہم عزت کرتے ہیں اس کے علم کی وجہ سے اور اگر وہی ہمارا استاد بھی ہو تو عزت کا ایک درجہ بڑھ جائے گا اور اتفاق سے وہی حاکم بھی ہو تو اس کی عزت کا ایک درجہ اور بڑھ جائے گا۔

حاصل یہ کہ انسان کے اندر جس قدر اوصاف بڑھتے جائیں گے، اس کی قدر و قیمت اور عزت و وقار میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ بالذات انسان میں کوئی کمال نہیں، کمال ایک عارضی شئی ہے، جو محنت کر کے لایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم بچے کی تربیت کرتے ہیں، تعلیم دیتے ہیں اور اگر وہ تعلیم سے جی چراتا ہے تو لالچ دلاتے ہیں، اس لیے کہ ہم چاہتے ہیں کہ بچہ کسی ہنر اور کمال کا مالک بن جائے۔

حقیقت آدمیت:-

اس کا حاصل یہ نکلا کہ جب انسان کے اندر اوصاف وکمال جمع ہوجائیں وہ علم وفضل کا مالک بن جائے تو اس کی توقیر ہوتی ہے، عزت ہوتی ہے۔ اگر آدمی کی صورت ہی کا نام انسان ہوتا تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا، صورت تو دونوں کی یکساں ہی تھی اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت دراصل آتی ہے سیرت سے، اخلاق سے، اگر صورت اچھی ہوئی لیکن باطن خراب ہے یا ظاہر درست ہے لیکن اندر ناقص اور نکما تو اس سے کوئی بات پیدا نہ ہوگی۔ بلکہ یہ صورتِ حال عیب ہے ہنر نہیں اور اسی طرح باطن کے خراب رہتے ہوئے ظاہر کو بنانے اور سنوارنے کی جدوجہد بالکل ایسی ہے کہ جیسا کہ نجاست کے اوپر چاندی کا ورق لگا دیا جائے اس طرح نجاست کا پاک ہونا تو درکنار ورق بھی ناپاک اور ناقابل استعمال ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی بہترین لباس پہن لے مگر دل گندگی سے بھرا ہوا ہو تو لباس کی وجہ سے وہ نہ تو واجب الاحترام ہوگا اور نہ اس کے کمال میں کسی طرح کا اضافہ ہوگا۔

ارسطو مشہور حکیم اور فلسفی گزرا ہے، رات دن جڑی بوٹیوں کی تلاش میں رہتا اور ان کا امتحان لیا کرتا تھا، وہ اپنے کام میں اتنا مشغول رہتا ہے کہ اسے نہ دن کی خبر ہوتی اور نہ رات کی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سارے دن کا تھکا ہارا راستہ پر سو گیا، اتفاق سے اسی دن بادشاہ کی سواری نکلی ہوئی تھی، آگے آگے نقیب وچوبدار ہٹو بچو، ہٹو بچو، کی صدائیں لگاتے آرہے تھے مگر یہ نیند میں اس طرح مست کہ اسے کچھ بھی خبر نہیں پڑا سوتا رہا۔ ان بے چاروں کو کسی قسم کی فکر نہیں ہوا کرتی ہے، بادشاہ کی سواری کا گزر اس کے پاس سے ہوا، اسے اس طرح سوتے دیکھ کر چلتے چلتے بادشاہ نے غصہ میں ایک ٹھوکر ماری اس پر اس نے کہا ''بے ادب'' بادشاہ نے کہا" گستاخ تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں" ارسطو نے کہا ''غالباً آپ جنگل کے درندے معلوم ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہی ٹھوکر مارتے ہوئے چلا کرتے ہیں''۔ بادشاہ کو اس کے اس گستاخانہ کلام کو سن کر اور بھی غصہ آیا اس نے کہا "بدتمیز میں بادشاہ ہوں میرے پاس خزانہ ہے، فوجیں ہیں، قلعہ ہے، تخت وتاج ہے پھر بھی تو مجھ سے یہ گستاخانہ انداز اختیار کئے ہوئے ہے"، ارسطو نے کہا ''یہ ساری چیزیں تو باہر کی ہیں تیرے اندر میں کون سی چیز، کون سی خوبی اور کون سا کمال ہے، تو یقین رکھ کہ جس دن تیرے اوپر سے یہ قبا شاہی اتر جائے گی تو ذلیل ہوجائے گا، تیرا کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا، آدمی کو فخر اپنے اندر کی چیز پر کرنا چاہیے، جب تیرے اندر کوئی کمال نہیں ہے تو تو کپڑوں اور تخت وتاج سے باکمال نہیں بن جائے گا۔ یہ قبا شاہی چھوڑ اور ایک لنگی باندھ۔ پھر ہم دونوں دریا میں کودیں جب معلوم ہوگا کہ تو کون ہے اور میں کون ہوں؟ تیرے اندر کیا کمال ہے، اور میرے اندر کیا کمال ہے؟''۔

حاصل یہ کہ آدمی صورت انسانی کا نام نہیں اور نہ اس کی وجہ سے آدمی باعزت اور باکمال بنتا ہے اسی طرح لباس، وہ انسان کے باہر کی چیز ہے اور دولت تو اس سے بھی باہر ہوتی ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کی وجہ سے باکمال ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، سرچشمہ کمال تو خدا ہی کی ذات ہے اور ہمارے اندر جو کمال آئے گا وہ وہیں سے آئے گا اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا قرب ہو بارگاہ خداوندی سے اور ظاہر ہے کہ قرب حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑے گی، پھر جس قدر جدوجہد بڑھے گی قرب بڑھے گا اور جس قدر قرب بڑھتا جائے گا کمال آتا چلا جائے گا اور جتنا دور ہوگا کمال کے اندر کمی پیدا ہوتی جائے گی اور تنزل آجائیگا۔

کمالات انسانی:-

انسان کے دو کمال ہوتے ہیں ایک تو اس کا علمی کمال اور دوسرا عملی کمال، علمی کمال پیدا کرنے کے لیے مکاتب ہیں، مدارس ہیں، یونیورسٹیاں ہیں اور عملی کمال پیدا کرنے کے بھی مختلف طریقے ہیں اور مختلف ذرائع ہیں، امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں عملی کمال پیدا کرنے کے چار طریقے لکھے ہیں:

1۔صحبت اہل اللہ 2۔مواخاۃ فی اللہ 3۔دشمن کے ذریعے اصلاح 4۔محاسبہ نفس

1۔صحبت اہل اللہ:-

اول یہ کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہا جائے، ان حضرات کی جتنی زیادہ صحبت نصیب ہوگی اتنا ہی ان کا رنگ قلب کے اندر اترتا چلا جائے گا، مثل مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، صحبت نیک سے آدمی کے اندر خیر پیدا ہوتی ہے، خوبی پیدا ہوتی ہے، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، "اچھے ساتھی اور برے رفیق کی مثال، مشک کے ساتھ رکھنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے، پس مشک والا اگر تمہارے پاس سے بھی گزر گیا تو جب بھی نفع، تم اس سے کچھ خرید لو گے تو بھی نفع، ہر حال میں دماغ معطر رہے گا اور بھٹی والے سے تعلق میں کپڑا جلے گا ورنہ تو اس کی بدبو بلا شبہ دماغ کو مکدر رکھے گی "-(بخاری، کتاب الذبائح والصید والتسمیۃ علی الصید، باب المسک، ۳/۵۶۷، حدیث:۵۵۳۴۔)

ہر چیز کے اثرات ہوا کرتے ہیں اگر آپ دریا کے کنارے آباد ہونگے تو آپ کے مزاج میں بھی رطوبت پیدا ہوگی، خشک علاقے میں رہیں گے تو (خشکی) پیدا ہوگی، گلاب کے پھول کو کپڑے میں رکھ دیجئے، تھوڑی دیر بعد نکالیں گے تو کپڑے میں سے بھی گلاب کی خوشبو آئے گی، ریشمی کپڑوں میں عورتیں برسات کے موسم میں گولیاں رکھ دیتی ہیں، اگلے موسم میں جب نکالی ہیں تو کپڑوں سے گولیوں کی بدبو آتی ہے، حالانکہ کپڑے کی ذات میں نہ خوشبو ہے، نہ بدبو، مگر مصاحبت کا اثر پڑتا ہے۔

اگر گلاب کو اس کا مصاحب بنا دیا جائے تو کپڑے میں خوشبو آتی ہے اور اگر گولیوں کو مصاحب بنا دیا جائے تو اس کے اثرات کپڑوں کے اندر رچ بس جاتے ہیں اور کپڑے سے بدبو آنے لگتی ہے اسی طرح اہل اللہ کی صحبت کے اثرات ہوتے ہیں جن سے متاثر ہوئے بغیر انسان نہیں رہ سکتا، ایک عالم ربانی اور درویش حقانی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آئے گا یا کہ ان کا ذکر، ذکر خدا کی تمہید ہے۔

فیض صحبت نبوی (خاتم النبیین ﷺ):-

یہی وجہ ہے کہ جو مرتبہ اور مقام حضرات صحابہؓ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں کوئی بڑے سے بڑا قطب ہو، غوث ہو، صحابیت کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے کہ ان حضرات نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ کی مجلس میں شریک رہے ہیں جسے آپ خاتم النبیین ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہو اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی مجلس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا اس کے کمالات کا کیا کہنا، ایک آدمی آفتاب کے نیچے کھڑا ہو تو اس پر جو گرمی ہوگی وہ کمرے میں بیٹھنے والے کو نہیں ہو سکتی اور جو تہہ خانے میں بیٹھا ہوگا اس پر دھوپ اور گرمی کا اثر اور بھی کم ہوگا۔ جتنا آفتاب سے قریب ہوگا حرارت اور نورانیت بڑھتی جائے گی۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ آفتاب نبوت ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ سے جو بلا واسطہ مستفید ہوئے ہیں ان کے فضائل اور کمالات درجہ اولیٰ میں ہیں اور جو بالواسطہ ہیں ان کا ثانوی درجہ ہے اور ان حضرات سے جن لوگوں نے استفادہ کیا اور تیسرے نمبر پر ہیں۔ اسی طرح درجہ بدرجہ کمی ہوتی چلی جائے گی۔

ایک حدیث میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے متصل ہو پھر جو اس سے متصل ہو"-(صحیح بخاری، حدیث نمبر 2652) سلف میں شاگرد و استاد کی اصلاح نہیں تھی بلکہ شاگردوں کو 'صاحب' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا تھا کہ یہ اصحاب ابوحنیفہؒ ہیں، یہ اصحاب مالکؒ ہیں یہ اصحاب فلاں ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ان حضرات نے اپنے استاد اور شیخ سے محض کتاب کے الفاظ اور معنی ہی نہیں حاصل کئے ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنے استاد کے رنگ کو بھی قبول کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے وہ رنگ قبول کیا تھا جو آقائے رحمت خاتم النبیین ﷺ کا تھا حاصل یہ کہ سب سے بڑی چیز ہے صحبت۔ اس کے ذریعہ ایک کے قلب کا رنگ اور اس کے جذبات دوسرے کے اندر آتے ہیں۔ معقولہ ہے کہ ''نرا علم کام نہیں آتا، نری صحبت کام آجاتی ہے''۔ یعنی تم اگر محبوب سے ملنا چاہتے ہو تو پہلے اس کے پاس جانے والوں سے رسم و راہ پیدا کرو، وہ کسی دن تذکرہ کر دیں گے، تمہاری بھی رسائی ہو جائے گی، ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کے لیے پہلے اللہ والوں سے ملا جائے، ان کے رنگ کو قبول کیا جائے، قلوب کے بدلنے کی کوشش کی جائے۔ اخلاق کو درست کیا جائے، نفس کی اصلاح کی جائے تو پھر بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قبول فرمالیں گے اور

اپنا بنالیں گے۔ اگر کسی کے پاس علم ہے مگر اس نے اچھی صحبت نہیں اختیار کی ہے اس کا رنگ نہیں قبول کیا ہے تو وہ علم صرف لفظی ہوگا حقیقی نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ توبہ، آیت نمبر 119 میں فرمایا:

اِتَّقُو اللّٰہَ وَ کُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ترجمہ: ''اللہ سے ڈرو اور معیت اختیار کرو سچے لوگوں کی''۔

سچوں کی معیت اختیار کرنے سے ان کے اثرات تمہارے اندر پیدا ہوں گے اور سچائی کی خوبی تمہارے ذہن میں بیٹھتی چلی جائے گی۔ صحبت ہی کی بات ہے کہ محدثین کے یہاں ان راویوں کی روایت زیادہ قابل قبول ہوتی ہے جنہوں نے محض سنا ہی نہیں بلکہ اپنے شیخ کی صحبت بھی زیادہ سے زیادہ اٹھائی ہو۔

علم حقیقی:۔

ایک علم تو ہوتا ہے رسمی اور لفظی جو پڑھنے اور کتابوں سے آجاتا ہے اور ایک علم ہوتا ہے حقیقی جو علماء ربانی اور اہل اللہ کی صحبت سے آتا ہے، بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھنے میں آئے کہ وہ عالم تو نہیں مگر عالموں کی بھی رہنمائی فرماتے تھے نیک صحبت سے اخلاق بدل جاتے ہیں، روحیں پلٹ جاتی ہیں، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ہزاروں معجزات ہیں اور معجزات کو چھوڑ دیجئے آپ خاتم النبیین ﷺ کا کیا یہی کم کارنامہ اور کیا کم معجزہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے عرب جیسی تہذیب واخلاق سے نا آشنا قوم کے قلوب کو بدل کر رکھ دیا۔ لوہے کا نرم کر دینا آسان ہے مگر قلوب اور روحوں کا بدلنا نہایت ہی مشکل۔ ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہر ہر صحابی ایک معجزہ ہے۔

2) مواخاۃ فی اللہ (اللہ کے لیے دوستی)

لیکن اگر کسی شخص کو اتفاق سے شیخ میسر نہ آئے اور وہ کہے کہ میری بستی میں نہ تو کوئی شیخ ہے نہ کوئی عالم پھر میرے نفس کی اصلاح کی کیا صورت ہوگی؟، ایسے شخص کے متعلق امام غزالیؒ نے لکھا کہ اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بستی میں اس کا کوئی دوست تو ہوگا ہی اور گر نہ ہو تو ایک دو آدمیوں سے دوستی کرکے آپس میں سمجھوتہ کر لینا چاہیے کہ اگر میں کوئی برا کام کروں تو تم میرا ہاتھ پکڑ کر روک دو، تم کروگے تو میں روک دوں گا تم سے کوئی کوتاہی ہوگی تو میں تنبیہ کروں گا، مجھ سے ہوگی تو تم کرنا اگر دوستی اسطرح ہوگئی تو زیادہ نہیں چالیس دن کے اندر سینکڑوں برائیاں ختم ہوجائیں گی۔ تو اگر کوئی شخص نہیں ملتا، کوئی عالم نہیں ملتا، تو اس طرح اپنے نفس کی اصلاح کی جاسکتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسے مواخات فی اللہ کہتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جنہیں اس دن، جس دن کہ کہیں سایہ نہ ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ عرش کے سائے تلے جگہ دیں گے۔ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، ''سات آدمی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں لیں گے جس دن کہ سوائے خدا کے سائے کے کسی کا سایہ نہ ہوگا، ایک انصاف پرور بادشاہ، دوسرے وہ نوجوان جسکی جوانی کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوا اور تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہے، جب مسجد سے نکلتا ہے تو بے چین رہتا ہے، تاوقتیکہ پھر مسجد میں نہ پہنچ جائے اور دو اشخاص جنہوں نے اللہ ہی کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے ترک تعلق کیا اور ایک وہ شخص ہے کہ جس نے خدا کو یاد کیا ہو تنہائی میں اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور ایک وہ ہے کہ جسے ایک ایسی عورت نے زنا کی دعوت دی جو خوبصورت بھی تھی اور بلند خاندان سے تعلق بھی رکھتی تھی، اس پر اس نوجوان نے یہ کہہ دیا کہ مجھے تو خدا کا خوف اس کام کی اجازت نہیں دیتا اور ایک وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اتنا چھپایا کہ بائیں ہاتھ کو بھی نہیں معلوم کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا''۔ (صحیح بخاری)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو دو شخص آپس میں فی اللہ محبت کرتے ہیں ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو دوسرے سے زیادہ محبت رکھتا ہے"۔ (مستدرک حاکم)

انتخاب دوست: دوست کی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک تو **''دسترخوانی دوست''** اگر خدا نے آپ کا دسترخوان سلامت رکھا ہے تو پھر آپ کے لیے دوستوں کی کمی نہیں جتنے چاہے جمع کر لیجئے اور بعض **''زبانی دوست''** ہوتے ہیں ان کی بھی دنیا میں کوئی کمی نہیں اور بعض جگری اور **''حقیقی دوست''** وہ ہوا کرتے ہیں جو صرف آرام اور راحت میں ہی نہیں بلکہ تکلیف اور مصیبت میں بھی پورا پورا ساتھ دیتے ہیں، ایسے دوستوں کی تعداد یقیناً کم ہے۔ بہر حال اصلاح نفس کے لیے اگر شیخ نہیں ملتا تو اپنے ہی دوستوں سے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

3۔دشمن کے ذریعے اصلاح:- لیکن اگر کوئی کہے کہ میرا دوست ہی نہیں تو پھر اس کے لیے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اُسے اپنے دشمنوں کے ذریعے اپنی اصلاح کرنی چاہیے، ایسا تو شاید ہی کوئی ہوگا کہ آج کے دور میں جس کا کوئی دشمن نہ ہو، آپ کے دشمن چھانٹ چھانٹ کر آپ کے عیوب اور برائیاں نکالتے اور پھیلاتے رہیں گے اب آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ کے اندر جو برائیاں ہیں انہیں چھوڑتے چلے جائیں۔

4۔محاسبہ نفس:- اور اگر کوئی کہے کہ میں تو پہاڑ کی کھوہ میں رہتا ہوں، مجھے نہ کسی شیخ کی صحبت میسر ہے اور نہ کوئی میرا دوست ہے نہ دشمن ہے پھر میرے لیے اصلاح کا کیا طریقہ ہوگا۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اس کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے لیے چوتھا طریقہ محاسبہ نفس کا ہے روزانہ سوتے وقت کم از کم پندرہ منٹ مراقبہ کرے اور سوچے کہ آج میں نے کتنی بھلائیاں کیں اور کتنے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے، جو بھلائیاں کی ہوں ان پر شکر ادا کریں اس لیے کہ شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ زیادتی کی توفیق دیں گے۔ قرآن پاک میں سورۃ ابراہیم آیت نمبر 7 میں ارشاد خداوندی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ”ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم تمہاری نعمتوں کو بڑھا دیں گے“ تو جتنا شکر ادا کریں گے خدا تعالیٰ نعمتوں کو بڑھا دیں گے اور جو گناہ سرزد ہوئے ہوں ان پر سچے دل سے توبہ کریں، جب صدقہ دل سے توبہ کرلیں گے تو تمہارے گناہ جھڑ جائیں گے۔

حاصل یہ کہ اولاً شیخ کے ذریعے نفس کی اصلاح کیجئے، شیخ نہ ملے تو پھر دوست کے ذریعے خوبیاں پیدا کیجئے اور اگر دوست نہ ہو تو پھر دشمن کو آلہ کار بنائیے اور اگر دشمن بھی نہیں ہے تو اپنا شیخ خود ہی کو بنا لیجئے۔ اصلاح کے یہی چار طریقے ہیں، ان میں سے اگر ایک بھی میسر آجائے تو نجات کیلئے کافی ہے اور اگر اتفاق سے چاروں چیزیں میسر آجائیں تو وہ شخص کیمیا بن جائے گا کہ (1) شیخ رہبر بھی ہو (2) مواخاۃ فی اللہ بھی ہو (3) دشمن بھی ہو اور (4) محاسبہ بھی ہو۔ گویا اگر کسی کو یہ چار چیزیں میسر آجائیں تو پھر زہے قسمت وزہے نصیب۔

جماعت کی برکات:- جماعت کی برکات: جماعت اگر چھوٹی بھی ہو تو دس پندرہ لوگ تو ہوتے ہیں۔ انہی دس پندرہ آدمیوں کی جماعت میں کوئی نہ کوئی مقبول خداوندی تو ضرور ہی ہوگا اور ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کی مقبولیت کا اثر دوسروں پر یقیناً پڑے گا، یہی وجہ ہے کہ مومن کو نماز باجماعت پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لیے کہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ سارے جماعت کے نمازی بھی کمزور کیوں نہ ہوں، پھر بھی مجموعہ میں خدا کا مقبول بندہ ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے پوری جماعت کی نماز قبول ہو جاتی ہے، معلوم ہوا کہ جماعت میں خواہ کتنے ہی ضعیف کیوں نہ ہوں، لیکن خدا کا کوئی مقبول بندہ ضرور ہوگا جسکی وجہ سے اس کی مقبولیت ضرور ہوگی۔ پھر اگر جماعت کا ہر فرد ذاتی غرض سے بالا ہو کر صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے کام کرے گا تو یہ جماعت اللہ کے نزدیک کتنی مقبول ہوگی؟۔ بہت زیادہ۔(اللہ اکبر)

تبلیغ میں محاسبہ:- تو تبلیغی جماعت میں یہ چاروں دوائیاں موجود ہیں، جو ہدایت کے لیے ایک ایسا معجون مرکب ہیں کہ اس کے بعد پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی، یعنی جماعت میں صحبت استاد یا رہبر بھی ہے، اچھے لوگوں کا ساتھ بھی، خدا کو یاد کرنے اور عمل کرنے کے مواقع بھی ہوتے ہیں۔ اصلاح نفس کے مواقع اور محاسبہ کی کیفیت بھی ہوتی ہے اور جب ان تمام باتوں کے ساتھ ہم رات کو سوئیں گے تو یقیناً سوچیں گے کہ آج ہم نے کتنی نیکیاں کیں اور کتنی برائیاں اور پھر نیکیوں پر شکرانے کا خیال آئے گا۔ اس طرح نیکیوں کا سلسلہ بڑھ جائے گا اور برائیاں گھٹتی چلی جائیں گی۔

تبلیغ ایک انعام خداوندی ہے یہ اللہ کی دی ہوئی توفیق اور ہماری قسمت کی بات ہے کہ ہمارے حصے میں کام کرنا آیا اور دوسروں کے حصے میں اعتراض کرنا آیا۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اعتراضات سے بچا لیا اور تبلیغ میں اصلاح نفس کے تمام طریقے موجود ہیں جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی کرے گا اور جتنا عمل کرے گا اتنے ہی ثمرات مرتب ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تعلیم وتبلیغ

مشرکین کے برتاؤ سے آپ خاتم النبیین ﷺ کے دل میں جو دکھ اور تکلیف ہوتی تھی اس پر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا یَحزُنکَ قَولُھُم اِنَّ العِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیعًا ھُوَ السَّمِیعُ العَلِیمُ

ترجمہ: ''اوران کی بات پر رنج مت کر- اصل میں سخت زور اللہ تعالیٰ کا ہے- وہی سننے والا اور جاننے والا ہے'' -(سورہ یونس، آیت نمبر 65)

آپ خاتم النبیین ﷺ کو مجنون، کاہن، جادوگر اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا- آپ خاتم النبیین ﷺ پر پتھر پھینکے گئے، آپ خاتم النبیین ﷺ کو زہر دیا گیا، کوئی نازیبا حرکت نہ تھی جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ نہ کی گئی ہو- لیکن ان سب کے باوجود آپ خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہؓ انتہائی صبر و ثبات کے ساتھ اپنے مشن کی کامیابی کیلئے سعی وکوشش کرتے رہے- خدا کی طرف سے بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کو یہی حکم ملا کہ:

فَاصبِر کَمَا صَبَرَ اُولُوا العَزمِ مِنَ الرُّسُلِ

ترجمہ: ''آپ صبر کیجئے جیسا کہ آپ سے قبل دوسرے اُولوالعزم (صاحب ہمت) رسولوں نے کیا''- (سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 35)

اورفرمایا اللہ تعالیٰ نے **فَاصبِر صَبرًا جَمِیلًا** ''صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیئے''- (سورۃ المعارج، آیت نمبر 5)

اوراگراس پر بھی یہ جاہل اعتراض کریں تو آپ خاتم النبیین ﷺ ان پر اپنے دل کو نہ کڑاہیے:

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لَستَ عَلَیھِم بِمُصَیطِرٍ** ترجمہ: ''آپ ان پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں-'' (سورۃ الغاشیہ، آیت نمبر 22)

جہاد اکبر: - یہ بات اسلام کے منافی معلوم ہوتی ہے کہ پٹتے رہنے اور مصائب وتکالیف برداشت کرنے کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا، بات یہ نہیں بلکہ خدا کا یہ حکم تھا کہ ہر قسم کی تکالیف ومصائب کو برداشت کرو اور زبان سے اُف بھی نہ کرو- اس کا مطلب یہ نہیں کہ جواب نہ دیا جائے، جواب دیا جائے اور اس سے بھی سخت دیا جائے اگر تلوار سے جسم پر حملہ کیا جائے تو اس کا جواب زبان سے روح پر حملہ کر کے دیا جائے اگر تکلیف پہنچائی جائے تو دین کی بات انہیں پہنچا کر تکلیف پہنچائی جائے لیکن جب حکم خداوندی ہو- ایک مرتبہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے دریافت کیا ''بہادر کون ہے''؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ''جو حملہ کر کے قتل کردے'' حضور انور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''نہیں جو اپنے نفس کو قتل کردے'' یہ دعوت تبلیغ کا جہاد اکبر ہے- اس میں انسان طعنے سنتا، گالیاں کھاتا، تکلیفیں اٹھاتا، مصیبتیں جھیلتا اور اذیتیں برداشت کرتا ہے لیکن صبر کرتا ہے- جبکہ میدان کارزار میں آدمی جا کر جنگ کرتا ہے پھر یا تو قتل کرتا ہے یا قتل ہوجاتا ہے-

ہماری نجات کا ذریعہ: -حق بات کو دوسروں تک پہنچانا اور دین کی تبلیغ واشاعت کا کام انتہائی امانت ودیانت سے کرنا اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا کام کرنے والا اللہ کی نگرانی میں ہے- اگر دل میں یہ تصور جاگ اٹھے کہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو کس بات کا ڈر اور کس کا خوف؟ یہی تصور دین کا کام کرتے وقت ہمارے دل میں ہونا چاہیے، ہم اس ملک میں اور ان حالات میں اگر اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو صرف مذہب کے نام سے، اس کے علاوہ ہماری نجات کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے-

قوت ایمان: - تاریخ دیکھی جائے، آدمؑ سے لے کر آج تک فتح ان ہی قوموں کی ہوئی جو ایمان والے تھے اور جن لوگوں نے ایمان والوں کی مخالفت کی، ان کو تکلیفیں دیں، ایذائیں پہنچائی وہ ذلیل وخوار ہوئے، فرعون، ہامان، شداد، ابوجہل، ابولہب اور ان جیسے تمام مال ودولت والے جنہوں نے اپنے اپنے وقتوں میں ایمان والوں کو ستایا، پریشان کیا اور ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کی لیکن انجام کار خود ہی ذلت وخواری سے دوچار ہوئے-

عام تبلیغ ہر شخص پر ضروری ہے: -دین کی تبلیغ واشاعت کا کام اس لیے شروع کیا گیا، کیونکہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ کام صرف علماء سے متعلق ہے، وہ مسائل جن میں اختلاف ہوا انہیں نہ بیان کیا جائے، وہ علماء کا کام ہے اور علماء اس کو بوقت ضرورت بیان کریں جبکہ عام تبلیغ ہر شخص پر لازمی ہے- نیکی کی بات سن کر دوسروں تک پہنچا دینا عام تبلیغ ہے- سورہ توبہ، آیت نمبر 71 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں- بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں'' -

تبلیغ میں باہر نکلنے کا فائدہ: -تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے وہ گھر کے ماحول سے نکل کر دوسرے کے گھر میں پہنچتا ہے، یہاں اسے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے، وہ داعی بن کر آتا ہے اور عامل بن کر جاتا ہے- (یعنی دعوت دوسروں کو دے گا تو خود عمل کر کے بھی دکھائے گا)

مقصد تبلیغ:- تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ قلب کی صفائی ہو اور وہ تمام دنیاوی آلودگیوں سے پاک ہو، تزکیہ نفس ہو، انشراح قلبی اور روحانی قوتیں غالب ہوں، شیطانی قوتیں دبیں اور مغلوب ہو جائیں۔

جماعتی تبلیغ کے فوائد: - ہمیشہ دین ایک رہا اور شریعت حسب مزاج اقوام نازل پر ہوتی رہیں۔ اللہ کا دین ایک ہی ہے، جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہوا، تمام انبیاءؑ کا دین ایک ہی رہا، شریعتیں مختلف ہوئیں مگر اصل دین ایک رہا۔ **اصل دین میں بنیادی چیزیں داخل ہیں۔ جیسے وجود خداوندی، توحید الٰہی، رسالت ونبوت، عالم، برزخ، عالم حشر، جنت ودوزخ، میزان، پل صراط، یہ تمام چیزیں تمام انبیاءؑ کو دی گئیں، جو بنیادی اصول ہیں۔**

آگے شریعتیں یعنی عملی پروگرام ہیں، جو ان اصولوں کے تحت ہیں وہ اقوام کے مختلف مزاج ونفسیات اور ان کی طبعی افتاد کے باعث مختلف رہی ہیں، جیسی ضرورت ہوئی اسی انداز کا عمل ان کو بخشا گیا۔ اگر قوم سخت مزاج ہوئی تو شرعی احکام سخت نازل ہوئے اگر کسی قوم کے مزاج میں نرمی تھی تو احکام میں بھی نرمی رکھی گئی، اگر اعتدال ہے تو احکام میں بھی اعتدال رکھا گیا۔ غرض احکام نفسیات اقوام کے مزاج کے مطابق حق تعالیٰ نے نازل فرمائے۔ **مثلاً**

1- حضرت آدمؑ کا دور مبارک ہے:- اسے یوں سمجھئے کہ وہ اس عالم بشریت کی طفولیت اور لڑکپن کا زمانہ ہے گویا عالم بشریت ایک لڑکا ہے جو آگے جا کے جوان اور بوڑھا ہوا اس زمانے کے احکام بہت ہلکے تھے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ ''چیزوں کے نام یاد کرائے گئے'' (سورۃ البقرہ آیت نمبر 31) جیسے بچوں کی ابتداء میں ہم یاد کر ادیتے ہیں یہ آسمان ہے، یہ زمین ہے، روٹی ہے، لوٹا ہے وغیرہ، عمل کے درجے میں صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ نام یاد کرا دیئے گئے کہ صبح وشام رٹ لیا کرو، لوگ یہی عمل کرتے تھے تو عالم بشریت بالکل سادہ تھا جیسے بچے کا مزاج ہوتا ہے تو احکام بھی بالکل ابتدائی تھے یہ مکمل احکام نہیں تھے جو بعد کی شریعتوں میں نازل کیے گئے۔

2- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا:- اس میں لوگ فلکیات کی طرف چل پڑے تھے سورج، چاند کو پوجنا، اور ستاروں سے اثرات لینا، تو ابراہیم علیہ السلام نے اس زمانے کے طریق کو سامنے رکھ کر وجود خداوندی اور توحید خداوندی کو سمجھایا جس کا قرآن کریم میں تذکرہ فرمایا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ستاروں اور فلکیات کی نفسیات سمجھا دی گئی انہوں نے اس طریق پر قوم کی اصلاح فرمائی اور اس کے مناسب ہی احکام بھی دیئے گئے۔

3- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا:- یہود کا مزاج بہت سخت تھا، ابتداء ہی سے یہ قوم تلخ اور سخت مزاج ہوئی ہے۔ ان میں کبر ونخوت تھا، بہرحال اولاد انبیاء علیہم السلام تھی، تو بزرگ زادوں میں نسبت کے لحاظ سے کچھ یوں بھی نخوت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ کہتے تھے :

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللہِ وَأَحِبَّاؤُہ، (''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں'' -) (سورہ المائدہ، آیت نمبر ۱۸)

تو وہ جلدی ماننے والے نہیں تھے۔ اسی واسطے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا۔ بعض انبیاءؑ کی تکفیر کی، بعض کو قتل کیا، یہ ساری گستاخیاں کیں اور جو احکام نازل ہوتے، ان کے مقابلے پر آجاتے تھے۔ مانتے نہیں تھے، تو شریعت بھی سخت قسم کی نازل ہوئی اگر گوسالہ پرستی (بچھڑے کی پوجا) کی تو معافی کی صورت یہ رکھی گئی کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ تو آپس میں باپ نے بیٹے کو اور بیٹے نے باپ کو قتل کیا، ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ بعض احادیث میں فرمایا گیا کہ وہ لوگ رات کو جو عمل کرتے تھے، صبح ان کے دروازوں پر لکھا ہوتا تھا کہ گھر والے نے یہ گناہ کیا ہے (یہ بدعملی کی ہے،) گویا دنیا میں ہی رسوا کر دیا جاتا تھا۔ اتنے سخت احکام دیئے گئے تھے۔ اگر کپڑے پر نجاست لگ گئی تو پانی سے پاک نہیں ہوتا تھا، قینچی سے اسے کاٹنے کی نوبت آتی تھی حتیٰ کہ اگر بدن پر نجاست لگ گئی تو صرف پانی سے پاک نہ ہوتی یہاں تک کہ کھال کو کھرچا نہ جائے۔ ایسے شدید ترین احکام تھے اس لیے کہ قوم کے مزاج میں شدت تھی۔ یہود کی شریعت میں انتقام لینا واجب تھا، اگر کوئی تمہارا دانت توڑے تمہارا فرض ہے تم بھی اس کا دانت توڑو، آنکھ پھوڑے تمہارا فرض ہے تم بھی آنکھ پھوڑ دو۔

غرض جیسا عمل کرے، بدلہ لینا واجب ہے، معاف کرنا جائز نہیں تھا، معافی نرم خو لوگوں کیلئے ہوتی ہے۔ جو تند مزاج ہوں ان کو معافی کارگر نہیں ہوتی، وہاں تو بدلہ لینا ہی ضروری ہوتا ہے۔ جبھی وہ سیدھے ہو سکتے ہیں۔ تو شریعت موسوی کے اندر انتقام لینا واجب تھا۔ معاف کرنا جائز نہیں تھا۔

4- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا:- وہ اس پہلے عمل کا ردعمل تھا۔ اس قوم میں نرمی بے حد تھی، احکام بھی نرم دیئے گئے، فرمایا گیا، اگر تمہارے دائیں گال پر کوئی تھپڑ مارے تو تم اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو کہ ایک اور مار دے، خدا تیرا بھلا کرے۔ گویا انتقام لینا اس شریعت میں ممنوع تھا - نہ صرف انتقام لینا ہی جائز نہیں بلکہ معاف کرنا واجب تھا۔ اور اگر سارا بدن نجاست میں لت پت ہو جائے، دل کو پاک رکھو، عبادت کرتے رہو، بدن چاہے کیسا ہو، اتنی نرمی کی گئی، مطلب یہ ہے کہ شرعی احکام

حسب مزاج اقوام نازل کیے گئے ہیں دین اوراصول سب ایک رہے ہیں۔

5.1 امت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کو اجروثواب زیادہ دیا گیا اور عمل کا بار کم ڈالا گیا:- جب آخر میں امت مسلمہ آئی تو یہ بوڑھی امت تھی بوڑھے آدمی کے دماغ کے اندر عقل وتجربہ بڑھ جاتا ہے۔مگر عملی قوت گھٹ جاتی ہے۔ بوڑھے سے عمل ہونا مشکل ہےمگر دماغ اتنا روشن ہوتا ہے کہ نوجوانوں کا فرض ہوتا ہے کہ ان سے مشورہ لیں۔ان کی رائے پر عمل کریں وہ زمانے کا سرد اور گرم دیکھ چکے ہوتے ہیں۔تو کوئی تجربے کی بات بتائیں گے۔ یہ امت بوڑھی امت تھی، آخری امت تھی، دنیا کا اختتام اسی امت کے اوپر تھا گویا یہ عالم بشریت کے بڑھاپے کا دورتھا جیسا کہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں طفولیت کا دور تھا، وہاں بچوں کے مناسب احکام تھے، یہاں بوڑھوں کے مناسب احکام ہیں، بوڑھوں کیلئے یہ ہوتا تھا کہ عمل کا بار توان پر کم ڈالتے ہیں مگر تحسین وآفریں زیادہ کرتے ہیں، اگر کوئی شادی بیاہ ہو، تو بڑے میاں کو کہتے ہیں کہ آپ کا بڑا کام یہ ہے کہ آپ کھانے کے اوپر بیٹھے نگرانی کرتے رہیں، نوجوان کھانا تقسیم کریں گے، بڑے میاں صبح سے شام تک بیٹھے ہوئے ہیں۔

شام کو لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بڑے میاں نے بڑا کام کیا، بڑی ہمت کے آدمی ہیں حالانکہ صبح سے شام تک بیٹھے رہے اور بڑے میاں نے کیا کیا؟ مگر کہتے ہیں کہ بڑا کام کیا اور بڑے باہمت ہیں حالانکہ ایک رکابی اٹھا کر انھوں نے نہیں دی، غرض بوڑھوں پر عمل کا بوجھ کم ڈالتے ہیں، تحسین وآفریں زیادہ کرتے ہیں۔البتہ نوجوانوں پر فرض ہوتا ہے کہ وہ بوڑھوں کی رائے پر چلیں۔اس لیے کہ بوڑھے لوگوں کی رائے میں وزن ہوتا ہے- یہی صورت اس امت (امت محمدیہ) کی ہوئی کہ تمام امتوں کے احوال اس کے سامنے تھے۔تو اس امت کا علم کامل اور تجربہ وسیع ہوا۔پچھلی امتوں کے سامنے بعض باریک مسئلوں کے احکام نہیں تھے جو اس امت کے بارے میں رائج ہوسکتے تھے۔ کیونکہ یہ امت جو تھی اس کے سامنے امت آدمؑ، امت نوحؑ، امت موسیٰؑ، امت عیسیٰؑ کے احوال کھلے ہوئے تھے، قرآن کریم نے ایک ایک چیز روشن کردی۔احادیث نبویہ خاتم النبیین ﷺ نے تمام تاریخی چیزیں واضح کردیں گویا یہ امت سب کے احوال سامنے رکھے ہوئے ہے، اس لیے یہ روشن ضمیر ہے اور اس کا علم وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن اس امت کی شہادت سے دنیا کے فیصلے ہوں گے۔ چونکہ یہ امتوں کے احوال کو جانتی تھی (قرآن پاک میں تمام امتوں کے احوال درج ہیں) اس لیے جس امت کے بارے میں گواہی دے گی کہ یہ باطل پر تھی وہ عنداللہ بھی باطل سمجھی جائے گی۔عذاب وثواب کے سارے معاملات اس امت کی شہادت پر ہوں گے۔اس لیے کہ جاننے والی امت عالم میں اس کے سوا کوئی نہ ہوگی۔قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

ترجمہ : ''یہ امت وسط، امت معتدل بنائی گئی اس کو دنیا کی امتوں کے حق میں گواہ بنایا جائے گا اور رسول خاتم النبیین ﷺ ان کے حق میں گواہ بنیں گے''۔(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 143)

کہ میری امت نے سچ کہا، بہرحال اس امت کو علم دیا گیا لیکن عمل کا بار اس پر کم ڈالا گیا جتنے مشکل عمل پچھلی امتوں پر اتارے گئے تھے اس امت پر اُس کے نصف بھی نہیں ہیں۔بہت ہلکے ہلکے احکام دیئے گئے ہیں۔

مگر اجر زیادہ دیا گیا ہے ایک نیکی کروگے تو دس نیکیاں ملیں گی اور دس ہی نہیں بلکہ سات سو ملیں گی اور سات سو ہی نہیں بلکہ :

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ترجمہ : ''اللہ جس کے لیے چاہے جتنا چاہے اجر بڑھادے''۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 261)

تو ایک نیکی دس نیکی کے برابر اور وہ سات سو نیکی بلکہ ہزار نیکی کے برابر پہنچ سکتی ہے (بندے کے اخلاص کے مطابق)۔

امت محمدیہ سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی مراعات : -تو اس امت پر عمل ہلکا رکھا گیا اور اجر زیادہ دیا گیا، اگر کوئی ایک نیکی کا ارادہ کرے، تو ارادہ کرتے ہی ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے، اور اگر وہ نیکی کرلی، تو ایک نیکی کا دس گنا ثواب بڑھادیا جاتا ہے۔لیکن اگر کوئی بدی کا ارادہ کرے تو بدی لکھی نہیں جاتی، اگر بدی کرگزرے تو ایک کے بدلے ایک ہی لکھی جاتی ہے لیکن اگر بدی کے ارادے سے رک گیا تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے- کیوں؟؟ کیونکہ بدی سے رک جانا بھی ایک مستقل نیکی ہے یعنی ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا''-(ابن ماجہ 4250) یعنی عمل کا بار کم اور اجر زیادہ دیا گیا-

آگے وعدہ دیا گیا کہ:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ترجمہ:''تمہاری اگر نیکیاں ہیں تو وہ خود تمہاری بدیوں کو مٹادیں گی''-(سورۃ ہود، آیت نمبر 114)

پچھلی امتوں کو یہ کہا گیا کہ اگر تم نے نبی کی نافرمانی کی تم پر عذاب نازل ہوجائے گا۔قوم عاد کو ہوا سے تباہ کردیا گیا، قوم ثمود کو حضرت جبرائیلؑ کی ایک چنگھاڑ نے

تباہ کیا،قوم شعیبؑ پر آگ برسادی گئی وہ تہس نہس ہوگئے،قوم فرعون کو دریائے قلزم میں غرق کردیا گیا،توشدید ترین عذاب آئے تھے۔امت محمدیہ کے لئے فرمایا:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

ترجمہ:''اور اللہ تعالٰی ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں ''۔(سورہ انفال،آیت نمبر 33)

وحدت دین اور اختلاف شرائع کا قرآن سے ثبوت:- الغرض دین آج تک وہی دین ہے،شریعتیں مختلف ہیں،تمام انبیاءؑ کا دین ایک ہی رہا،یعنی توحید خداوندی،اسی توحید سے پھر سارے اعمال پیدا ہوئے اسی کو فرمایا۔

کان دین الانبیاء لا الہ الا اللہ یعنی دین ایک اور شریعتیں مختلف،اگر غور کیا جائے تو قرآن کریم میں سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 13 اس کا اشارہ نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے جہاں دین کے بارے میں ارشاد ہے وہاں فرمایا''ہم نے جو وصیت حضرت نوح علیہ السلام کو کی تھی،وہی وصیت حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کی،وہی وصیت حضرت ابراہیمؑ،حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو کی کہ دین قائم کرو۔اس میں تفریق مت ڈالو"-وہ اول سے لے کر آخیر تک ایک تھا۔شرع الکم کے لفظ میں مجموعہ استعمال کیا گیا کہ تم سب کیلئے اللہ نے ایک دین کو مذہب کردیا،دین میں تفریق نہیں ہے اور شریعت کے بارے میں فرمایا :

لِكُلٍّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجاً ''تم میں سے ہر ایک جماعت اور امت کیلئے ہم نے شریعتیں اور راستے مختلف بنادیئے''۔(سورۃ المائدہ،آیت نمبر 48)

جہاں دین کا لفظ ہے وہاں مجموعے کو کہا گیا کہ تمہارے لیے ایک دین ہے اور جہاں شریعتوں کا ذکر ہے وہاں''لکل امۃ''فرمایا ہر طبقہ اور ہر امت کیلئے فرمایا۔غرض قرآن کریم سے بالکل تائید ہوتی ہے کہ دین واحد ہے اور شریعتیں مختلف ہیں یعنی---شریعتیں مزاج اقوام کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔

فقہ میں اختلاف مسلک ہے مگر بنیاد سب کی ایک ہے:- اس لیے ضرورت تھی کہ شریعت کے اندر ایسے آئمہ ہدایت پیدا ہوں،جو مزاج اقوام کے مناسب شریعت کو سمجھائیں-

آئمہ ہدایت مختلف ہیں:- حضرت امام ابوحنیفہؒ،امام شافعیؒ،امام مالکؒ اور امام ابن حنبلؒ یہ چار آئمہ تو چاند اور سورج ہیں کہ پوری عالم میں ان کی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور بھی بہت سے آئمہ فقہ ہیں،امام بخاریؒ،حماد بن سلمہؒ سفیان ثوریؒ،سفیان ابن عینیہؒ یہ سب صاحب فقہا تھے۔لیکن ان چاروں آئمہ کی فقہ دنیا میں پھیل گئی اور عام طور پر دنیا میں انہیں کو فقہاء مانتے ہیں،پوری ترکی،پورا افغانستان،ہندوستان کا ایک بڑا حصہ حنفی ہے،مغربی ممالک میں اکثریت مالکیوں کی ہے،نجد میں حنابلہ کی اکثریت ہے اور حجاز ومصر میں شوافع کی اکثریت ہے،غرض پوری دنیا انہی چار فقہوں کے اندر گھری ہوئی ہے،انہیں چار کا مجموعہ اہلسنت والجماعت کہلاتا ہے گویا اس وقت اہل السنت و الجماعت پوری دنیا میں چھائے ہوئے ہیں انہیں کا مذہب رائج ہے۔تو انبیاء آنہیں سکتے تھے،نئی کتابیں نہیں آسکتیں تھیں،مگر قرآن کریم کو اللہ تعالٰی نے اتنا جامع بنایا کہ اس کے اندر سے ہی مختلف فقہ نکل آئیں،ہر فقہ ہر قوم کے مناسب ہے،ایک فقہ شافعی ہے،جس کو اس سے مناسبت ہو وہ اس پر عمل کرے،فقہ حنفی ہے،جس کو اس سے مناسبت ہو وہ اس کا پابند ہو جائے،فقہ مالکی ہے جس کو اس سے مناسبت ہے وہ اس کا تابع ہو جائے اسی طرح فقہ حنبلی ہے-غرض ایک شریعت اصلی ہے اور ایک شریعت فروعی ہے۔اصلی شریعت تو ایک ہی ہے جو نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمائی یعنی عقائد اور فروعی مسائل (نئے مسائل جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ ہو) یعنی اجتہادی امور میں اختلاف ہے-آئمہ سلف وآئمہ ہدایت نے دنیا میں پیش آنے والے واقعات وحوادث کے لیے قرآن وحدیث سے احکام نکالے۔جو خود ایک مستقل فقہ بن گیا۔ان فقہوں میں ظاہر ہے کہ مزاجوں کا دخل ہے اس لیے جس مزاج کی قوم ہوگی اسی فقہ کی طرف چل پڑے گی جبکہ وہ سب کے سب حق پر ہوں گے اور عند اللہ قبول ہوں گے۔

تصوف میں بھی صرف اختلاف مسلک ہے مگر بنیاد سب کی ایک ہے:- یہی صورت صوفیاء میں بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ صوفیاء کا جو اصل بنیادی طریقہ ہے جس کو احسانی سلوک کہتے ہیں وہ ایک ہی ہے اور وہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ قلب کو پاک بناؤ،ذکر اللہ کی کثرت کرو،یہ بنیادی چیز ہے،**اب قلب کو پاک بنانے کے طریقے کیا ہیں؟اس میں تجربات ہیں کہ چشتیہ نے اور طریقہ رکھا،نقشبندیہ نے اور طریقہ رکھا،سہروردیہ نے اور طریقہ رکھا اور یہ تمام طریقے**

حقیقت میں قلوب کو مانجھنے کی تدابیر ہیں، جب قلوب منجھ گئے تو آگے ذکر اللہ وہی ہے جو قرآن وحدیث میں ہے۔یعنی ان حضرات نے کوئی ذکر نیا تجویز نہیں کیا وہی اذکار ہیں، تسبیح، تحمید، تمجید، تہلیل، تکبیر ہے، سبحان اللہ و الحمدو اللہ و لا الہ الا اللہ، و اللہ اکبر و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور قل، تعوذ، تسمیہ استغفار اور درود شریف یہ سب کتاب وسنت میں موجود ہیں۔تمام طرق (سلسلوں) کے حضرات بھی یہی اذکار بتلاتے ہیں البتہ ان کے طریقے الگ الگ ہیں۔مقصد دل کو صاف کرنا ہے، دل کو مانجھنا ہے، مانجھنے کے طریقے الگ الگ ہیں، ریاضیات ومجاہدات الگ الگ تجویز کئے مگر وہ تدابیر کا درجہ ہیں---بنیاد سب کی ایک ہے یعنی قرب خداوندی (حصول خداوندی)۔

ابلاغ وتبلیغ کے طریقے مختلف ہوتے رہے مگر سب کا ماخذ ایک رہا:- یہ صورت بعینہ دین کے ابلاغ وتبلیغ میں اب واقع ہوئی۔دین کو پہنچانا، وہ تو ایک ہی ہے جسے ہم پہنچائیں گے وہی اذکار، وہی نماز، وہی روزہ، زکوٰۃ، حج اسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا لیکن اسے پہنچانے کے لئے کیا ڈھنگ اختیار کیا جائے؟ کہ کڑوی دوائی کیپسول کے بیچ میں رکھ کے نگلوادی جائے اس میں تدابیر کے طور پر طریقے مختلف ہیں، پھر تدابیر کے درجے مختلف ہوتے رہے ہیں لیکن تدابیروں سے جو چیز پہنچائی گئی وہ ایک ہے اس میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔اب مثلاً مسلمانوں میں ابتدائی دور میں روایت پر زیادہ زور تھا کہ جب تک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تک روایت صحیح نہ ہو لوگ نہیں مانتے تھے۔**اس واسطے اللہ نے محدثین پیدا کئے** انہوں نے روایتوں کی چھان بین کر کے کھرے کو کھوٹے سے الگ کیا۔اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا جس میں پچاس ہزار آدمیوں کی تاریخیں مرتب کیں جو روایان حدیث ہیں ان کے خاندان، کیریکٹر وکردار، حافظہ، ضبط اور ان کی عدالت پر تمام چیزیں لکھیں، گویا پچاس ہزار آدمیوں کی سوانح عمری مرتب کی۔

پھر علم منکرات الحدیث کیا کہ حدیث کے بھی درجات ہیں، صحیح، ضعیف، متروک، مجہول وغیرہ یہ اصطلاحات مقرر کیں کہ سند متصل ہے تو حدیث مرفوع متصل کہلائے گی، اگر بیچ میں منقطع ہوگئی تو اگر صحابی پر منقطع ہوگئی تو مرسل کہیں گے وغیرہ، اصطلاحات مقرر کر کے ایک کانٹا اور میزان بنادی کہ حدیث میں غیر حدیث نہ شامل ہو سکے۔اس میزان پر دیکھ لو، کھری چیز ایک ہوجائے گی اور کھوٹ الگ ہوجائے گا۔تو ابتدائی دور میں زیادہ زور روایت پر تھا تو روایت اور سن تاریخ کے اصول مدون کئے گئے روایتی طور پر دین کو نکھار کر کے پیش کر دیا گیا، لوگوں نے قبول کیا۔پھر ایک زمانہ روایت کا آیا کہ روایتیں تو کتابوں میں جمع ہوگئیں یکجا ہوگئیں، لیکن ان روایتوں سے مسائل اور احکام کا نکالنا، اس میں اجتہاد کی ضرورت تھی، **یہ دور آئمہ مجتہدین کا دور تھا** تو آئمہ مجتہدین نے مسائل کا استنباط کیا، یہ معلوم کیا کہ حکم نبوی خاتم النبیین ﷺ کی سنت کیا ہے جس پر یہ حکم دائر ہے، اس علت کو نکالا، اس علت میں اختلاف پڑا، فرعات میں اختلاف پڑتا چلا گیا تو مذاہب میں اختلاف پیدا ہوا، مگر کل حق پر ہے اس لیے کہ سب کا ماخذ کتاب وسنت ہے، یہ دور اجتہاد کا تھا۔اس میں روایت پر زور نہیں تھا، یہ دیکھتے تھے کہ تفقہ وفقہ کیسا ہے، جب تفقہ اور روایت معلوم ہوئی تب لوگ قبول کرتے تھے۔**پھر ایک زمانہ صوفیت پسندیت کا آیا** کہ جب تک قرآن وحدیث کو صوفیانہ رنگ میں نہ سمجھاؤ، لوگ سمجھتے نہیں تھے، پورے عالم پر صوفیت چھا گئی تھی۔امام غزالیؒ، شیخ محی الدین عربیؒ وغیرہ پیدا ہوئے، جنہوں نے قرآن وحدیث کو صوفیانہ رنگ میں سمجھایا، بہرحال ڈھنگ بدلتے رہے۔قرآن وحدیث وہی رہا لیکن سمجھانے کے طریقے الگ الگ ہوگئے۔فروعات الگ الگ ہوگئیں مگر ماخذ سب کا ایک تھا۔بنیاد سب کی ایک تھی۔اس لیے کہ سب کے سب اہل حق تھے۔

اس کے بعد **عقل پسندی کا دور آیا** کہ عقلیات سے جب تک نہ سمجھاؤ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔تو شاہ ولی اللہ اور امام غزالیؒ جیسے لوگ پیدا ہوئے۔انہوں نے دین کو عقلی رنگ میں سمجھایا اور جہاں نقلی دلائل تھے وہاں عقلی دلائل بھی پیش کیے۔مگر عقل کو نقل کے تابع رکھا۔عقل دین کے تابع ہے دین پر حاکم نہیں ہوسکتی۔حاکم دین رہے گا۔اس کے خادم کے طور پر عقل بھی چلے گی۔دین ایک دعویٰ کرے گا، عقل اس کی تائید کر کے اسے ثابت اور واضح کرے گی، خدمت کرنا یہ عقل کا کام ہے اس لیے عقل کو خادم دین بنایا گیا تو دور ایسا تھا کہ جب تک عقلیت سے نہ سمجھاؤ، لوگ نہیں سمجھتے تھے۔

اس کے بعد **سائنس کا دور آیا**، یہاں عقلیات سے زیادہ حسیات ہیں، محسوس چیز سے کسی چیز کو سمجھاؤ تب لوگ سمجھتے ہیں، اللہ نے پھر ایسے علماء کرام پیدا کئے حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا نانوتویؒ ان لوگوں نے محسوسات کے انداز سے دین کو سمجھایا اور حسی مثالوں سے واضح کیا کہ دین حق ہے گویا دین ایک دعویٰ کرتا ہے محسوسات اس کی خدمت کرتے ہوئے دلائل مہیا کرتے ہیں جو لوگ منکر تھے وہ منکر مجبور ہوئے۔مثلاً معراج کا مسئلہ تھا، تو قدیم فلاسفر کہتے تھے کہ یہ محال ہے، یہ ممکن نہیں، بالکل صاف انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ بیچ میں کرہ ہے وغیرہ، اس سے آدمی کا گزر نہیں ہوسکتا۔لہٰذا معراج ہو نہیں سکتی۔اب جب لوگ چاند تک پہنچ گئے اور چاند کی مٹی کھودلائے، اب لوگ معراج کو ماننے پر مجبور ہوئے کہ حسیات میں ایک نظیر آگئی، تو خواہ مخواہ مجبور ہیں کہ معراج بھی حق ہے۔ہماری ہاں انور صابری ہندوستان کے مشہور

شاعر ہیں۔ بہت اچھے شاعر ہیں جب لوگ چاند سے لوٹ کر آئے تو اس نے ایک نظم لکھی، اس کا ایک شعر ہے:

سفر سے چاند کے لوٹے جو منکرات معراج
شکست عقل نے کھائی بڑے غرور کے بعد

حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر فرمائی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اعلان کرو، لوگو بیت اللہ بن گیا ہے آ کر حج کرو''۔ عرض کیا ''یا اللہ میری آواز کیسے پہنچے گی؟'' فرمایا ''تم آواز لگاؤ، ہم پہنچائیں گے''۔ تو مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر ابرہیمؑ نے اعلان کیا کہ ''اے لوگو بیت اللہ تیار ہو گیا ہے حج کے لئے آؤ''۔

حدیث میں ہے کہ جن جن کی قسمت میں حج تھا انہوں نے لبیک کہا۔ حتیٰ کہ تمام ارواح نے آواز سن لی اور لبیک کہا---فرمایا گیا جس نے جتنی دفعہ لبیک کہا اتنے ہی حج اس کے لئے مقرر ہو گئے دس دفعہ کہا تو دس حج، بیس دفعہ کہا تو بیس حج۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے تھے کہ بھلا یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ ابراہیمؑ کی آواز مقام ابراہیم سے پوری دنیا میں پہنچ جائے گی؟ اب موجودہ ٹیکنالوجی نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ آواز ایک مقام سے ہزاروں میل کے مقام تک پہنچائی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاءؑ اپنی روحانی قوتوں سے وہ سب کام کرتے ہیں، جن کی حسّی مثالیں آج مادی قوتوں سے دی جا رہی ہیں، اب امت کا مزاج اس پر ہو گیا ہے کہ جب تک دین حسی مثالوں سے نہ سمجھا جائے لوگ نہیں سمجھتے۔ اللہ نے ایسے علماء کھڑے کر دئے کہ حسی مثالوں سے انہوں نے دین کو سمجھایا۔

تو عقل کا دور آیا تو عقلاء کھڑے ہو گئے--حسن کا دور آیا تو سائنس دان کھڑے ہو گئے--صوفیت کا دور آیا تو متکلمین کھڑے ہو گئے---اجتہاد کا دور آیا تو مجتہدین کھڑے ہو گئے--روایت کا دور آیا تو محدثین کھڑے ہو گئے۔ غرض دین ہر حالت میں چلتا رہا اور ہر شعبے میں نمایاں ہوتا رہا۔

جمہوریت پسندی کے زمانے میں دعوت وتبلیغ جماعتی طور پر موثر ہے: اب یہی صورت تھی کہ دین کو دوسروں تک کس انداز میں پہنچایا جائے؟ تبلیغ کی جائے تو کس انداز سے کی جائے؟ دعوت دی جائے تو کس انداز سے کی جائے؟۔ یوں تو علماء دعوت دیتے آ رہے تھے اور سلسلہ دعوت برابر جاری تھا- انفرادی طور پر برابر علماء دین پہنچاتے رہے، اگر نہ پہنچاتے تو آج مسلمان کہاں سے آتے؟ انہی کی محنتوں کا صدقہ ہے کہ آج ہم فخر یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ستر کروڑ مسلمان ہیں یہ انہیں کی جوتیوں کا صدقہ ہے لیکن دین کے راستے تو بند نہیں، آئندہ بھی دین کو پھیلنا ہے اور پھیلانا ہے۔

جماعت میں مادی اور روحانی قوت ہوتی ہے:- اب راستہ یہ آ گیا کہ جماعت میں مادی اور روحانی قوت ہوتی ہے مادی چیزوں میں حتیٰ کہ کھیل کود میں بھی ٹیمیں بنتی ہیں قرآن نے اس کی اصل بتلائی ہے فرمایا: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ

ترجمہ: ''اے پیغمبر! آپ (خاتم النبیین ﷺ) اصحاب قریہ کی مثال بیان کر دیجئے''-(سورۃ یسٓ، آیت نمبر 13)

اِذْجَاءَهَاالْمُرْسَلُوْنَ ''جبکہ اللہ کے نبی اس کے اندر ہدایت کرنے کے لیے پہنچے''-(سورۃ یسٓ، آیت نمبر 13)

آگے فرمایا: اِذْاَرْسَلْنَااِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ ''ہم نے اس قریہ میں دو رسول بھیجے کہ جا کے ہدایت کرو، تبلیغ کرو، اللہ کے احکام پہنچاؤ''-(سورۃ یسٓ، آیت نمبر 14)

فَكَذَّبُوْهُمَا ''ان دونوں کو انہوں نے جھٹلا دیا''-(سورۃ یسٓ، آیت نمبر 14)

فرماتے ہیں: فَعَزَّزْنَابِثَالِثٍ ''ہم نے انہیں قوت دی اور ایک تیسرے کا اضافہ اور کیا"۔(سورۃ یسٓ، آیت نمبر 14)

اب جماعتی حیثیت ہو گئی۔ جماعت کا رد کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ فرد واحد کی بات کو ہم رد کر سکتے ہیں کہ شاید یہ شک یا شبہ میں پڑ گیا ہو گا۔ لیکن جب تین چار مل کر کہیں گے اور ایک دوسرے کی تائید کریں گے پھر یہ وسوسے قطع ہو جاتے ہیں کہ اس سے غلطی ہو گئی ہو گی۔ غلطی ہوتی تو چار مل کر غلطی پر کیسے قائم ہوتے؟ عقلاً وعادةً یہ محال ہے۔ بہر حال تعداد اور جماعتی رنگ میں ایک برکت کا اثر ہے۔ مادی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی۔ مادی تو یوں کہ جب افراد بڑھ گئے، انکار کی گنجائش نہیں رہی، اور روحانی طور پر اس طرح کہ جتنے اہل حق بڑھ جائیں گے۔ حق ہی کو قوت پہنچے گی، حق میں اضافہ ہو گا، غرض جماعت ہی ایک ایسی چیز ہے جو مادی طور پر مضبوط ہوتی ہے اور روحانی طور پر بھی مضبوط ہوتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہمیشہ ایک جماعت اس دین پر حق کے ساتھ قائم رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والا ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے گا اور وہ اسی حق پر برقرار ہوں گے"۔(مسند احمد)

****

دعوت وتبلیغ کے چھ(6)پوائنٹ

1) کلمہ طیبہ   2) نماز   3) علم وذکر   4) اکرام مسلم   5) اخلاص نیت   6) دعوت وتبلیغ

1) کلمہ طیبہ:- لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ

سورۃ الانبیاہ، آیت نمبر 25 میں فرمان الہی ہیں: ترجمہ: "(اے نبی خاتم النبیین ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ جس کے پاس ہم نے وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے میری ہی عبادت کرو"۔

یعنی تمام نبیوں نے توحید اور رسالت کی تبلیغ کی ہے۔ جب کلمہ طیبہ عمل میں آتا ہے تو یہ دل کو پاک صاف کر دیتا ہے۔

توحید کے ساتھ رسالت کا اقرار لازمی ہے۔ بغیر اقرار اور اظہار رسالت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کوئی شخص باایمان ہو کر حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔

کلمہ طیبہ کے دو جز ہیں ایک "لاالہ الااللہ" جس میں توحید باری تعالیٰ کا اظہار ہے۔ دوسرا "محمد رسول اللہ" جس میں رسالت محمدی خاتم النبیین ﷺ کا اقرار ہے جب کوئی بندہ مومن دل سے "لاالہ الااللہ" کہتا ہے۔ تو اس کے بعد دل میں توحید کا راستہ کھل جاتا ہے اور اس کا نفس دریائے وحدت میں غرق ہو جاتا ہے- اس کے بعد جب وہ دل سے "محمد رسول اللہ" کہتا ہے تو دل میں چشمے نور جمال کے پھوٹ پڑتے ہیں اور دل زندہ ہو جاتا ہے-

2) نماز:- اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

1- ترجمہ: "اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز کا خاص اہتمام کرنے والا بنا دے اے میرے رب میری یہ دعا قبول فرما"۔ (سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 40)

2- ترجمہ: "(مومن) وہ اپنی فرض نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں"۔ (سورہ مومنون، آیت نمبر 9)

3- ترجمہ: ''بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''- (سورہ العنکبوت، آیت نمبر 45)

احادیث مبارکہ: حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے طریقہ پر پورا عمل کرنے میں سب سے اہم اور بنیادی عمل نماز ہے۔

1- **حدیث:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے''- (مسند احمد)

2- **حدیث:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''- (مسند احمد، طبرانی)

3- **حدیث:** حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "نماز دین کا ستون ہے"- (جامع صغیر)

3) علم وذکر:-

علم:- زمانے بھر کے علم، دین و دنیا کا علم اور پوری شریعت کا علم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

1- ترجمہ: ''آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما''- (سورہ طہ، آیت نمبر 114)

2- ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں''- (سورۃ فاطر، آیت نمبر 28)

احادیث مبارکہ:

1- **حدیث:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو (دین کا علم) سکھاؤ۔ ان کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرو اور سختی کا برتاؤ نہ کرو''- (سنن احمد)

2- **حدیث:** حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ایک عابد تھا اور دوسرا عالم۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک معمولی آدمی پر'' ۔اس کے بعد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' لوگوں کو بھلائی سکھانے والے پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں پانی میں رحمت بھیجتی اور دعائیں کرتی ہیں'' ۔(ترمذی)

ذکر:- حدیث قدسی ہے(حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کے کسی قول یا فعل کو روایت کریں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے میں ویسا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنے دل میں (تنہائی میں) میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنی تنہائی میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی ان کے مجمع میں (فرشتوں کے مجمع میں) اس کا ذکر کرتا ہوں''۔(مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی)

1- قرآن پاک سورہ العنکبوت، آیت نمبر 45 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " کوئی چیز(عمل خیر) اللہ کے ذکر سے افضل نہیں ہے"۔

2- قرآن پاک، سورہ طٰهٰ، آیت نمبر 14 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے''۔

3۔ قرآن پاک، سورہ البقرہ، آیت نمبر 152 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ:''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا''۔

احادیث مبارکہ:

1- **حدیث:** حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت کے اعلیٰ درجوں تک انہیں پہنچا دیتا ہے"۔ (مسلم، ترمذی)

2- **حدیث:** حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے"۔(مسلم، بخاری، بیہقی)

3- **حدیث:** نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے"۔(طبرانی، ترمذی)

4) اکرام مسلم:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

1-ترجمہ:'' اور ایک مسلمان غلام مشرک آزاد مرد سے کہیں بہتر ہے خواہ وہ مشرک مرد تم کو کتنا ہی بھلا کیوں نہ معلوم ہو''۔(سورۃ بقرہ، آیت نمبر 221)

2-ترجمہ:''جو شخص مومن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہوگا۔ جو بے حکم ہو(کافر) نہیں وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے''۔(سورۃ سجدہ، آیت نمبر 18)

3-ترجمہ:''یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا''(مراد اس سے اہل اسلام ہیں) سورۃ فاطر، آیت نمبر 32)

احادیث مبارکہ:

1- **حدیث:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''مسلمان فقراء مسلمان مالداروں سے پہلے جنت میں جائیں گے''۔ (ترمذی)

2- **حدیث:** حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت کرنا، اور چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا'' -(بخاری)

3- **حدیث:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:''جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور صلہ رحمی کرے، رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے اور اس کو چاہیے کہ بھلائی کی بات کرے ورنہ خاموش رہے''۔(بخاری)

5) اخلاص نیت:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

1- ترجمہ:''جو شخص دنیا میں اپنے عمل کا بدلہ چاہے گا ہم اس کو دنیا میں اس کے عمل کا بدلہ دے دیں گے۔ اور جو شخص آخرت میں اپنے عمل کا بدلہ چاہے گا ہم اسے آخرت میں ثواب عطا کریں گے۔ اور دنیا میں بھی دیں گے اور ہم بہت جلد شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے''۔(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 145)

یعنی ان لوگوں کو بدلہ بہت جلد دیں گے جو آخرت کے ثواب کی نیت سے عمل کرتے ہیں۔

2-ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کے پاس نہ تو ان کی قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی ان کا خون بلکہ ان کے پاس تو بندے کی پرہیزگاری پہنچتی ہے"۔(سورہ حج، آیت نمبر 37)

یعنی ان کے ہاں تو تمہارے دل کے جذبات دیکھے جاتے ہیں۔

احادیث مبارکہ:-

1- حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں''۔ (مسلم)

2- حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(قیامت کے دن) لوگوں کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا یعنی ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق معاملہ ہوگا''۔ (ابن ماجہ)

3- حدیث: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لئے ہو اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو''۔ (نسائی)

6) دعوت وتبلیغ:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

1- ترجمہ: '' اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر (یعنی جنت) کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ جسے چاہتے ہیں سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔'' (سورہ یونس، آیت نمبر 25)

2- ترجمہ: ''آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت دیجئے''۔ (سورۃ نحل، آیت نمبر 125)

3- ترجمہ'' اور سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دیتا ہے''۔ (سورۃ الذاریت، آیت نمبر 55)

4- ترجمہ: ''اے میرے بیٹے نماز پڑھا کرو، اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو۔ برے کاموں سے منع کیا کرو اور جو مصیبت تم پر آئے اس کو برداشت کیا کرو۔ بے شک یہ ہمت والے کام ہیں" ۔ (سورۃ لقمان، آیت نمبر 17)

5- ترجمہ: '' (اے رسول) آپ فرما دیجئے میرا راستہ تو یہی ہے کہ میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں وہ بھی (اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں)''۔ (سورۃ یوسف، آیت نمبر 108)

احادیث مبارکہ:

1- حدیث: حضرت زینب بنت جحشؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! کیا ہم لوگ ایسی حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں جب برائی عام ہو جائے''۔ (بخاری)

2- حدیث: حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے شکایت کی کہ میں گھوڑے کی سواری اچھی طرح نہیں کر پاتا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر دعا دی ''اے اللہ! اسے اچھا گھڑسوار بنا دے اور خود سیدھے راستے پر چلتے ہوئے دوسروں کو بھی سیدھا راستہ بتانے والا بنا دے"۔ (بخاری)

3- حدیث: حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا بیوی، مال، اولاد اور پڑوسی کے متعلق احکامات کے پورا کرنے کے سلسلے میں جو کوتاہیاں اور گناہ ہو جاتے ہیں نماز، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا کفارہ بن جاتے ہیں''۔ (بخاری)

4- حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرو۔ اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کرو خوشخبریاں سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ''۔ (بخاری)

5- حدیث: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ہماری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹو پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، نیکی کا حکم نہ کرے اور برائی سے منع نہ کرے''۔ (بخاری)

****

سیرت اور صورت

اس دنیا میں ہر مخفی حقیقت کیلئے کسی پیکر کا ہونا ضروری ہے۔اس دنیا کے حالات اور اس کی اشیاء پر جہاں تک ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز یہاں مرکب ہے۔ایک حصہ اس میں نمایاں ہے جس کو ہم جسم یا صورت کہہ دیں اور ایک حصہ مخفی ہے جس کو ہم روح یا جان کہہ دیں۔غرض یہاں کی ہر چیز روح اور جسم سے مرکب ہے اس جہاں میں نہ جسم محض ہے نہ روح محض ہے۔جسم محض ہو تو اس کا انجام گلنا، پھولنا، پھٹنا، سڑنا ہے وہ بغیر روح کے باقی نہیں رہ سکتا اور روح محض بلا جسم کے نمایاں نہیں ہو سکتی وہ مخفی کی مخفی رہ جائے گی۔اس لیے دنیا میں جب بھی کوئی چیز آئے گی تو وہ اپنا کوئی پیکر یا ہیت لے کر آئے گی۔

حقیقت کے مناسب صورت: انسان کو حق تعالیٰ شانہ نے حقیقت کا جامعہ بنایا ہے۔جس میں سارے ظاہری اور باطنی کمالات رکھے ہیں۔ ہر صورت چاہتی ہے کہ میرے مناسب اس میں حقیقت ڈالی جائے۔اللہ کے ہاں کوئی بے جوڑ قصہ نہیں ہے کہ حقیقت کوئی سی ہو اور شکل کوئی ہو۔ ہر صورت کے مناسب حقیقت اور ہر حقیقت کے مناسب صورت ہے ایک قول ہے کہ ''خوبصورت چہروں میں خیر تلاش کرو'' یعنی اگر چہرہ مہرہ اچھا ہے تو اندر بھی خیر ہی ہوگی۔ چہرہ مہرہ خراب ہو تو خیر اس درجے کی نہیں ہوگی یہ ایک عام قاعدہ ہے۔ویسے تو حق تعالیٰ شانہ قادر مطلق ہیں وہ پابند نہیں ہے۔وہ چاہے تو بہتر سے بہتر صورت میں بری حقیقت ڈال دیں اور بری سے بری صورت میں بہترین حقیقت ڈال دیں۔ یہ درحقیقت ان کے قبضہ قدرت کی بات ہے۔لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ جیسا پیکر ہوگا ویسی حقیقت ظاہر ہوگی۔

بدنما صورت میں پاکیزہ حقیقت: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ''میں نے اپنے دور میں عطاء ابن ابی رباحؒ سے بہتر عالم نہیں پایا۔علم زہد، تقویٰ اور کمالات ظاہرو باطن کے لحاظ سے میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں پایا۔آپ اندازہ کیجئے کہ امام ابوحنیفہؒ جس شخص کے علم وکمال کی تعریف کریں۔اس کا کس درجہ کا کمال اور علم وفضل ہوگا؟ تو علم وفضل کا یہ حال کہ ابوحنیفہؒ، مداح اور صورت انتہائی بدنما، کالی کلوٹی دیکھ کر لوگ بھاگیں مگر اس کالی صورت میں حقیقت اتنی پاکیزہ بھری ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ بھی اس کے سامنے گردن جھکا رہے ہیں یعنی ویسے تو عام قاعدہ یہ ہے کہ جیسا چہرہ ویسی خیر لیکن اللہ تعالیٰ مالک کُل ہیں وہ چاہیں تو بُری سے بُری صورت میں بہترین حقیقت ڈال دیں۔

صورت ہے ترجمان حقیقت: تو یہ حق تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اچھی صورت میں بُری حقیقت اور بُری صورت میں اچھی حقیقت ڈال دیں۔مگر سنت اللہ یہی ہے کہ اچھی صورتیں ہوں گی تو اچھی حقیقتیں ہوں گی اور بری صورت ہوگی تو حقیقت بھی اسی درجے کی ہوگی۔اس لیے بزرگوں کا قول ہے کہ ''اچھی حقیقتوں کو پاکیزہ چہروں میں تلاش کرو''۔

اس قسم کی تکوینی چیزیں اکثر ہی ہوتی ہیں کلیہ نہیں ہوتیں۔کوئی نہ کوئی جز ان سے نکلتا رہتا ہے۔عام سنت اللہ یہی ہے کہ جیسی صورت ویسی حقیقت۔غرض ہر حقیقت کے مناسب صورت اور ہر صورت کے مناسب حقیقت دی جاتی ہے۔صورت کا کام درحقیقت تعارف کرانا ہے یعنی حقیقت چھپی ہوئی ہے اسے پہچان نہیں سکتے۔ جب تک کوئی صورت سامنے نہ ہو کیونکہ صورت حقیقت کی ترجمان ہوتی ہیں صورت دیکھتے ہی آدمی کہتا ہے کہ یہ فلاں چیز ہے گلاب کی پتی دیکھ کر ہم فوراً پہچان لیں گے کہ اس میں گلاب کی خوشبو ہے۔آم کی شکل دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہ یہ اس ذائقے کا پھل ہے اس میں آپ خربوزے کا ذائقہ محسوس نہیں کریں گے۔تو اس دنیا میں کوئی حقیقت بغیر شکل کے نہیں پہچانی جاتی۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر حقیقت کو ایک صورت عطا فرمائی ہے۔اگر ایسا ہو کہ بغیر صورت کے حقیقت کو پہچان لیں تو شکل وصورت کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ محض اس لیے رکھی گئی ہے کہ تعارف حاصل ہو جائے۔

حقیقت بیت اللہ الکریم: ہم حج کرنے کے لیے جاتے ہیں یا یہاں بیٹھ کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں یہ بیت اللہ کچھ نہیں ہے۔ بیت اللہ معبود نہیں ہے وہ جو ایک چار دیواری کا کوٹھا سیاہ لباس پہنے ایک محبوب کی مانند کھڑا ہے وہ مسجود نہیں ہے کہ آپ اسے سجدہ کریں۔ بلکہ کعبہ درحقیقت وہ تجلی کی جگہ محل مبارک ہے جس کے اوپر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے اور وہ محل بھی فی الحقیقت کعبہ نہیں اس محل پر تجلی خداوندی اتری ہوئی ہے اس تجلی کو ہم سجدہ کرتے ہیں وہ مسجود ہے تو اس تجلی کیلئے محل کی ضرورت تھی تو اللہ نے بقعہ مبارک معین فرما دیا۔اس محل کو پہچان والے کی ضرورت تھی تو کعبے کی چار دیواری پر محنت کی گئی اور اسے بنایا گیا غرض کعبہ ایک علامتی نشان ہے حقیقت کعبہ وہ تجلی ہے جسے ہم سجدہ کرتے ہیں۔، وہی فی الحقیقت مسجود ہے۔اللہ کی ذات بالاتر ہے وہ کسی چیز میں نہیں سما سکتی کیونکہ لامحدود ہے۔محدود چیزوں کے اندر ذات نہیں سما سکتی۔البتہ تجلی ایسی چیز ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز میں آسکتی ہے۔اس لیے کہ تجلی کے معنی عکس کے ہیں۔

جیسے مثلاً آفتاب بڑی چیز ہے اور سائنس دان کہتے ہیں کہ آفتاب زمین سے ساڑھے تین سو گنا بڑا ہے لیکن زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جسے آئینہ کہتے ہیں اس میں

آفتاب کی پوری تصویر آتی ہے وہ آفتاب کا عکس ہے، عین آفتاب نہیں ہے ممکن نہیں کہ عین آفتاب آئینے میں سما جائے۔ لیکن اس عکس کو دیکھ کر ہم یہی کہا کرتے ہیں کہ ہم نے آئینہ میں سورج دیکھا۔ اس میں سورج کے سارے خدوخال موجود ہیں۔ وہی رنگ وہی نقشہ بلکہ آئینے کا آفتاب کام بھی وہی کرتا ہے جو اصل کا کام ہے۔

اصل کا کام گرمی اور روشنی پہنچانا ہے۔ اس آئینے کے ذریعے سے بھی ہم گرمی پہنچالیں گے اور آئینہ کے مقابلے پر آئینے رکھتے چلے جائیں۔ ہر آئینے میں ایک سورج آتا چلا جائے گا اور ان کے واسطے سے اندھیرے کنویں میں بھی روشنی ہو جائے گی تو جو اصل کا کام ہے "تنویر اور حرارت" یعنی روشنی پہنچانا اور گرمی پہنچانا وہی کام عکس بھی کرتا ہے۔ اس لیے عکس کو دیکھتے ہی کہا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو دیکھا۔ ہم کسی کا فوٹو لے لیں گے گو نا جائز ہی سہی لیکن فوٹو دیکھتے ہی ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں صاحب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر اور اصل صورت میں علاقہ ہوتا ہے۔ غیریت نہیں ہوتی۔ اگر غیریت ہوتی تو عکس کو دیکھ کے اصل کو ہم کبھی نہ پہچان سکتے تو عکس دیکھنا بعینہ اصل کا دیکھنا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کی ذات لامحدود ہے وہ کسی غیر میں (مخلوق) میں نہیں سما سکتی۔ وہ بالاتر ہے لیکن مخلوق کو پہچان دلانے کے لیے بیچ میں اللہ تعالیٰ نے تجلی کا راستہ رکھا تو اس فضا میں یا آئینہ بیت اللہ کے اندر اپنا عکس ڈال دیا اور عکس بڑی سے بڑی چیز کا چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بھی آ سکتا ہے تو درحقیقت **مسجود وہ تجلی اور عکس خداوندی ہے جو بیت اللہ** کے اندر اترا ہوتا ہے یہ بیت اللہ کی عمارت اس کا ایک علامتی نشان ہے اگر یہ نہ ہو تو تب بھی سجدہ ادھر ہی ہوگا کیونکہ مقیم موجود ہے جس کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب انہوں نے کعبے کی عمارت نئی بنائی تو پرانی عمارت نہیں تھی وہ منہدم کر دی گئی تھی لیکن طواف بھی جاری رہا اور نمازیں بھی جاری رہیں حالانکہ عمارت موجود نہیں تھی **تو کعبہ اس تجلی مبارک کا نام ہے جس کا علامتی نشان کعبہ ہے۔**

صورت کعبہ کا احترام: مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ علامتی نشان ہونے کی وجہ سے یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ وہ کوئی ناقابل التفات چیز ہے اس کی عظمت، اس کا احترام، اس کا ادب اتنا ہی واجب ہوگا جیسے عین تجلی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس لیے کہ اسے تجلی سے ایک نسبت ہے اور وہ اس سے ملحق ہے۔ نسبت کا اثر آئے گا تو اس کی اینٹ اینٹ معظم اور محترم بن جائے گی۔ اس کا ادب بھی واجب ہوگا اور نہ صرف بیت اللہ کا بلکہ ہم بیت اللہ کے اوپر غلاف ڈال دیں تو وہ غلاف بنایا تو ہم ہی نے ہے مگر جب اس پر چڑھ گیا اس کے ساتھ نسبت قائم ہوگئی۔ اس نسبت کی وجہ سے بنانے والے کو بھی اس کے سامنے جھکنا پڑے گا تو تجلی کی وجہ سے عظمت بقعہ مبارک کی قائم ہوئی۔ اس بقعہ کی وجہ سے بیت اللہ کی چار دیواری کی عظمت قائم ہوئی اور مسجد حرام کی وجہ سے پورے مکہ کی قائم ہوئی۔ حتیٰ کہ حجاز بھی مقدس بن گیا درجہ بدرجہ وہ تعظیم و تقدس اور تکریم سب میں آتی رہی **تو اصل تعظیم اس تجلی مبارک کی ہے۔**

پھر درجہ بدرجہ نسبتیں پا کر سب اشیاء مقدس اور باعظمت بنتی گئیں حتیٰ کہ اگر لوگ حج کر کے آئیں ہم ان کے بھی ہاتھ چومتے ہیں اس میں کیا نئی بات ہوئی؟ عبادت تھی تو وہ یہاں بھی کرتا تھا۔ نماز بھی پڑھتا تھا، بس یہ کہ اسے بیت اللہ سے نسبت پیدا ہوگئی کہ اس کی آنکھوں نے بیت اللہ کا جلوہ دیکھا ہے اس نسبت کی وجہ سے وہ حاجی واجب الاحترام بن جاتا ہے تو دنیا میں ساری عظمتیں نسبت سے قائم ہوتی ہیں اور نسبت صورت اور حقیقت کی مطابقت کی وجہ سے قائم ہوتی ہے کہ یہ حقیقت اس صورت میں پائی جائے لہٰذا یہ صورت بھی قابل احترام ہے۔

ظہور حقیقت کی علامات: تو درحقیقت واجب التعظیم وہ حقیقت ہوتی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن اس کی پہچان پانے کے لیے حق تعالیٰ اک شکل بنا دیتے ہیں جو ذریعہ تعارف بھی ہوتی ہے اور واجب الاحترام بھی ہوتی ہے تو سنت اللہ یہی ہے کہ جب کوئی حقیقت نمایاں ہونے کے قابل ہوتی ہے اسے کوئی شکل دے دی جاتی ہے۔ ایک بچہ ہے وہ بلوغ کے قریب پہنچ جائے تو وہ تھوڑا ہی اعلان کرتا پھرتا ہے کہ میں بالغ ہو گیا ہوں مجھے بالغ سمجھو اور بلوغ کے احکام جاری کرو البتہ اس کی شکل ایسی بن جاتی ہے کہ دیکھتے ہی پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ بالغ ہو گیا ہے۔ چہرہ بھی چوڑا ہو جاتا ہے، جان آنے لگتی ہے، سب سمجھتے ہیں کہ اب یہ نکاح کے قابل ہے۔ اس کا اب کہیں رشتہ ڈھونڈو، اب یہ بچہ نہیں رہا یہ درحقیقت جوانی ہے جو روپ اختیار کرتی ہے اس روپ کی وجہ سے پہچان لیا جاتا ہے اس میں بلوغ کی حقیقت آ گئی ہے اور وہ بلوغ کی حد کو پہنچ گیا اب یہ اس درجے پر آ گیا ہے کہ اگر اس کا نکاح کر دیا جائے تو اس کی نسل آگے چل سکتی ہے۔

قرآنی حقائق کی اخروی شکلیں: اس واسطے حضرات صوفیاء کے ہاں صوفی کا لقب نامراد ہے یہ ایسا وحشت ناک لقب رکھتے ہیں کہ وہ مبنی برحقیقت تو ہوتا ہے مگر لفظ ڈراؤنا ہوتا ہے یعنی جسے ہم بامراد سمجھتے ہیں کہ یہ کامل و مکمل ہے یہ ان کا نام نامراد رکھتے ہیں۔ **اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب طریقت کبھی مراد کو پہنچتا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ کے مراتب کمال لامحدود ہیں جس حد تک پہنچے گا محدود پہنچے گا۔ معلوم ہوگا آگے ابھی باقی ہیں وہ کبھی مراد کی انتہا کو پہنچے گا ہی نہیں جب رہے گا بیچ میں ہی رہے گا اس لیے انہوں**

نے **لقب ہی نامراد رکھ دیا۔** بے انتہا درگاہ ہے چلتے جاؤ، کوئی حدود مقرر نہیں حتیٰ کہ جنت میں بھی ہم پہنچ جائیں گے اور ان شاء اللہ ضرور پہنچیں گے وہاں بھی ہم بڑھتے ہی رہیں گے یہ نہیں کہ کسی حد پر رک جائیں گے اس لیے کہ **جنت ظاہری وباطنی کمالات ربانی کے مقامات کے کھلنے کا نام ہے۔**

جیسا کہ ظاہری نعمتیں وہاں بے شمار ملیں گی۔ باطنی نعمتوں کی بھی وہاں کوئی حد نہیں ہوگی، آدمی کا علم بڑھتا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حافظ قرآن کو فرمایا جائے گا ''تلاوت کرتا جا، ترقی کرتا جا'' یعنی جتنی آیتیں ہیں اتنے ہی قرآن کے مقامات ہیں اور ان مقامات کی اتنی لامحدود کیفیات ہیں جس مقام پر پہنچو گے لامحدود نعمتیں اور کیفیات محسوس ہوں گی اور معلوم ہوگا اب تک کچھ ملا ہی نہیں تھا تو آگے لے لو۔ کبھی بھی حد کو نہیں پہنچو گے۔ حافظ کو فرمادیا جائے گا ''جہاں تک تیری قوت ہے تلاوت کر اور ترقی کرتا جا''۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی جتنی آیتیں ہیں اتنے ہی جنت کے درجات ہیں جیسے دنیا میں ایک آیت لاکھوں علوم پر مشتمل ہے کہ جتنا اس کے سمندر میں غوطہ لگاؤ تہہ نہیں ملتی علوم در علوم نکلتے چلے آتے ہیں۔ جتنا کریدیں گے علم کے نیچے علم ہے تہہ بہ تہہ علوم ہیں۔ آخر اللہ کا کلام ہے، معجزہ ہے، اسی طرح جب ایک آیت کے حقائق کھل کر وہاں کیفیات کی صورت میں نمایاں ہوں گے وہ بھی تہہ بہ تہہ ہوں گے ان کی بھی کوئی حد نہیں ہوگی گویا ایک ہی آیت کے علوم وکیفیات پاتے پاتے ہزاروں برس گزر جائیں گے اسی کی لذت سے فارغ نہیں ہوگا آگے کا مرتبہ جب آئے گا اس سے فراغت نہ ہوگی غرض بے انتہا درجات ومراتب ہیں۔

اس لیے جنت میں جا کے مقامات انتہا کو نہیں پہنچیں گے روز ترقی رہے گی اور یہی چیزیں جو ہم نے اللہ کی آیتیں پڑھی ہیں انہی کے حقائق متمثل ہوں گے شکل بدل بدل کر باغ وبہار کی صورت میں نعمت بن بن کر سامنے آئیں گے۔ ''دنیا میں جو عمل کیا کرتے تھے مختلف روپ اختیار کریں گے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''سخاوت جنت میں ایک درخت کی صورت میں نمایاں ہوگی'' ظاہر میں ہم نے فقیر کے سر پر سایہ کیا، اس کی بھوک کو رفع کیا، اس کی پریشانی کو دور کیا۔ اس کی سرپرستی کی، گویا فقیر کو ہم نے اپنے زیر سایہ لے لیا وہ بے چارہ مطمئن ہو گیا اس عمل نے جنت میں جا کر ایک درخت کی شکل اختیار کی تو درخت کے سائے میں ہم آ گئے جیسے ایک فقیر کو ہم نے سایہ دیا تھا۔ اللہ نے ہمیں سایہ دیا۔ اسے ہم نے پھل کھلایا تھا جس سے وہ بے چارہ بچ گیا۔ وہ درخت ہمیں پھل دے گا جس سے ہماری زندگی بھی ترقی کرے گی اس لیے ہمارا عمل درخت کی صورت میں ظاہر ہوگا تو جیسے درخت سایہ دیتا ہے۔ پھل بھی دیتا ہے۔ فرحت بھی پیدا کرتا ہے یہی منافع سخی کو حاصل ہوگا۔

کمال علمی کی علامات: حاصل ساری بات کا یہ نکلا کہ جس طرح جوانی کچھ علامتوں سے پہچانی جاتی ہے اسی طرح انسان کے روحانی مقامات اور اس کے حد کمال کو پہنچنا بھی کچھ علامت سے پہچانا جاتا ہے جب وہ علمی طور پر بالغ ہوگا اساتذہ شہادت دیں گے کہ یہ بالغ ہو گیا۔

ظاہری وضع کا باطن پر اثر: یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ظاہری روپ، ظاہری وضع قطع، اس کی تہذیب پر توجہ دلائی ہے کہ جیسی تم ظاہری وضع اختیار کرو گے، باطن بھی تمہارا ویسا ہی بن جائے گا۔ فرض کریں کوئی شخص پہلوانوں کا سا لباس پہننے لگے، لنگوٹ باندھ کر میدان میں آ جائے۔ طبعاً اس کا دل چاہے گا کہ پنجہ کشی کرے، ڈنڈ پیلے، مقابلے ہوں اور کشتی ہو۔ طبعاً ادھر جذبات مائل ہو جائیں گے وہ اس وضع کا اثر ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص زنانہ لباس پہن لے۔ چوڑیاں پہن لے، رنگین کپڑے پہن لے، چند دن کے بعد جذبات میں نسوانیت آ جائے گی، اس کا جی چاہے گا کہ بولے بھی عورتوں کی طرح اور لب ولہجہ بھی وہی اختیار کرے وہ اس وضع کا اثر ہوگا۔

اگر ایک شخص علماء کی وضع اختیار کرے طبعی طور پر ورع وتقویٰ کی طرف توجہ ہوگی چاہے ظاہر داری میں ہو کہ میاں مولویانہ لباس پہن رکھا ہے اس میں اگر کوئی بری حرکت کی لوگ کیا کہیں گے؟ اس لباس میں رہ کر یہ حرکت؟ تو خواہ مخواہ طبیعت مائل ہوتی ہے کہ کوئی متقیانہ افعال سرزد ہوں۔ یا اہل اللہ اور درویشوں جیسا لباس پہن لے تو قدرۃً اس میں زہد وقناعت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ غرض ہر وضع قطع باطن پر موثر ہوتی ہے جیسی ہیئت بنالیں گے ویسی حقیقت بن جاتی ہے۔ اس لیے شریعت نے زور دیا ہیئت بناؤ تو اہل اللہ جیسی بناؤ، انبیاء علیہم السلام کی ہیئت بناؤ، صحابہ کرام ؓ اور علماء کرام ربانی کی ہیئت بناؤ، اللہ تعالیٰ اس ہیت میں اچھی حقیقت ڈال دیتے ہیں۔ چاہے ظاہر داری کیلئے بناؤ۔ مگر بیکار نہیں ثابت ہوتی۔ غرض ظاہری قول، ظاہری ہیئت ایسی مت اختیار کرو کہ ہمارا باطن بگڑ جائے۔

قول وفعل کا اثر: مثلاً زمانہ جاہلیت میں یہ رسم پڑی ہوئی تھی کہ اس طرح سے اگر کسی نے انگلی دکھلا دی تو تلواریں نکل جاتی تھیں۔ جیسے ہمارے آپ کے ملک میں کہتے ہیں کسی کو ٹھینگا دکھا دینا۔ کسی کو انگوٹھا دکھا دیا وہ لڑ پڑے گا یہ چڑانے کی علامت ہے زمانہ جاہلیت میں چڑانے کی یہ علامت تھی اس طرح انگلی دکھائی اور تلواریں نکلیں۔ اسی لیے اس انگلی کا نام ''سابہ'' یعنی ''گالم گلوچ'' کی انگلی تھا۔ جہاں اٹھی اور لڑائی شروع ہوئی۔

شریعت اسلام نے اس کی ہیت کو بدلا۔ اس کے محل کو بدلا کہ انگلی اٹھائی جائے مگر کہاں؟ شہادت اور توحید کے واسطے التحیات کے اندر اٹھائی جائے اور اس کا نام ''ساحبہ'' یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے والی انگلی'' فرمایا سابہ مت کہو، ورنہ وہی لغوی معنی یاد آئیں گے جو زمانہ جاہلیت کے تھے ''ساحبہ کہو'' جب لفظ اچھا بولو گے حقیقت بھی

اندر اچھی آجائے گی۔ تجارت کرنے والے کو قرآن کریم نے تاجر کہا ہے اور زمانہ جاہلیت میں خنسار کہتے تھے تو ارشاد فرمایا گیا کہ ''خنسار مت کہو، تاجر کہو'' یہ امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ لا تقولوا خنسارًا و قولو تاجرًا ''خنسار مت کہو، جاہلیت کی لغت ہے'' جب وہ بولیں گے تو تمہاری طبیعت خواہ مخواہ جاہلیت کی طرف جائے گی۔ اس لیے وہی لفظ بولو، جو اللہ نے اختیار کیا ہے۔ تاکہ ذہن جائے تو قرآن کی طرف اور حقائق الہیہ کی طرف جائے۔ غرض ہر چیز میں ہیئت ہو لفظ یا قول ہو اچھی صورت اختیار کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں تاثیر نہ ہو، ہر چیز میں اللہ نے اثر دیا ہے کھانے کی چیزوں میں اثر ہے۔ جیسا دانہ کھائیں گے ویسا اثر ظاہر ہوگا۔ جیسا پھل کھائیں ویسا اثر ظاہر ہوگا ہر چیز میں تاثیر ہے اور فقط اشیاء ہی میں تاثیر نہیں ہمارے بدن میں بھی تاثیر ہے۔ ہماری ہر ہیئت میں تاثیر ہے ہم اگر کسی کو منہ اچھا کر کے دکھلائیں ممنون ہوگا اور کسی کو بری ہیئت دکھلائیں جبھی لڑائی ہو جائے گی۔

معلوم ہوتا ہے ہیئت میں ممنون کرنے کا اثر بھی ہے اور غیض وغضب میں لانے کا بھی۔ اسی طرح آپ کی آنکھ بھی موثر ہے اگر ہم نیچی نگاہ کر کے بات کریں محبت پیدا ہوگی اور اگر آنکھ اٹھا کے گھور کے گفتگو کریں تو غیض وغضب پیدا ہوگا معلوم ہوتا ہے آنکھیں خاموش ہیں مگر خاموشی کے ساتھ بولتی ہیں بعض دفعہ غیض اور بعض دفعہ محبت پیدا کر دیتی ہیں۔

ایمان کا اثر: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں وہ کیا مسلمان ہے کہ گالم گلوچ کرتا آرہا ہے دوسرے کا دل دکھاتا ہوا آرہا ہے، چاہے ہم اسے اسلام سے خارج نہ کریں۔ مگر حقیقی معنی میں کوئی کمال تھوڑا ہی ہے؟ بڑا مسلم حقیقت میں وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ترجمہ ''مومن وہ ہے کہ لوگ اس سے اپنی جانوں، اموال اور آبرو کے بارے میں مطمئن ہو جائے''۔ (صحیح ابن حبان، رقم 197) لاکھوں روپے چھوڑ کر چلے جائیں کہ یہ مومن ہے خیانت نہیں کر سکتا۔ بہو بیٹی کو چھوڑ کر اطمینان ہو کہ یہ مومن ہے۔ جو اس کا یونیفارم ہوتا ہے اس سے شناخت ہوتی ہے اگر کوئی اپنا سپاہی دشمن کی وردی پہن کے آجائے یقیناً اسے گولی ماردیں گے بعد میں چاہے افسوس کریں کہ بھئی یہ تو اپنی فوج کا تھا۔ معلوم ہوا سارا دارومدار یونیفارم اور وردی پر ہوتا ہے۔ ہم سب اللہ کی فوج کے سپاہی ہیں اگر دشمن کی ہیت میں آئیں گے تو ڈر ہے کہیں گولی نہ ماردی جائے۔ اپنی ہیئت میں آنا چاہیے تاکہ اپنی فوج کا سپاہی سمجھا جائے تو ہیئتوں کی اصلاح، ظاہر کی تہذیب اس کی طرف شریعت نے بہت توجہ فرمائی۔

علم کے اثرات: اور ظاہری بات ہے کہ علم ایک ایسی چیز ہے کہ ساری دنیا اس کی قدر کرتی ہے کوئی بڑا ہی جاہل ہوگا جو علم کی قدر نہ کرے اس لیے کہ علم نہ ہندی ہے نہ سندھی، نہ افریقی ہے نہ امریکی، نہ ایشیائی نہ یورپین، بلکہ سارے انسانوں کی ایک متاع مشترک ہے اس لیے ہر انسان علم کی طرف جھکتا ہے۔ علم میں رنگ ونسل اور باطن کا تعصب نہیں آتا۔ وہ سب کے لیے یکساں ہے اسی لیے طلباء کے تبادلے ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہوتے ہیں علم سیکھنے کیلئے یورپ والے ہمارے یہاں آرہے ہیں اور ہمارے طلبا یورپ جارہے ہیں۔

طریق منزل مقصود: مگر اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی میں کہیں تکبر نہ پیدا ہو جائے۔ اس لیے اس کا حاصل عبدیت ہے کہ علم کیساتھ جب تک عبدیت جمع نہیں ہوگی تو تکبر اور نخوت اس سے الگ نہیں ہوسکتا اور عبدیت یہ ہے کہ کسی مرد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے تو عالم اگر اپنے اخلاق کی اصلاح نہ کرائے گا تو علم اس کے لئے اور زیادہ تباہی اور وبال کا ذریعہ بنے گا اس لیے وہ تکبر ونخوت پیدا کرے گا۔ لڑائی جھگڑے پیدا کرے گا۔ جو عالم تربیت یافتہ نہیں ہوگا۔ اخلاق صحیح نہیں ہوں گے۔ عموماً فسادات اور جھگڑے کا باعث بنے گا جب تک اپنے اخلاق کو بلند نہ کرے۔ حرص کی بجائے قناعت نہ ہو۔ کبر کی بجائے تواضع نہ ہو، بخل کی بجائے سخاوت نہ ہو، غرض جب تک اخلاق فاضلہ جمع نہ ہوں علم کی قدر نہیں کھل سکتی نہ یہ علم کام دے سکتا ہے جب تک اخلاق صحیح نہ ہوں۔

تو محض علم سے آدمی منزل مقصود پر نہیں پہنچتا۔ اس لیے مدارس میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تعلیم کی جس سے علم پہنچے اور ایک تربیت کی جس سے اخلاق درست ہوں۔ اگر تعلیم محض رہ گئی علم آجائے گا، اخلاق نہیں آئیں گے وہ وبال جان بن جائے گا۔ اگر اخلاق درست ہو گئے علم نہ آیا تو جاہلانہ افعال سرزد ہوں گے اس سے منکرات وبدعات سرزد ہونگی، دونوں صورتیں تباہی کی ہیں۔ تو علم اور اخلاق جب تک جمع نہ ہوں کام چلنے والا نہیں ہے۔ وہ عالم دنیا میں فساد کبیر ہے جو دوسروں کی ہتک چاہے کبر ونخوت میں بھرا ہو دوسروں کی تحقیر وتذلیل کے درپے ہو وہ عالم میں عظیم فساد ہے اور اس سے بھی زیادہ فساد ہے اس عابد میں جو جہالت کے ساتھ عبادت کر رہا ہے وہ رات دن بدعات ومنکرات میں مبتلا ہوگا۔

گویا امت کے فساد کے دو دھڑے ہیں ''ایک جاہل مولوی، ایک جاہل صوفی''۔ ایک وہ عابد کہ عبادت ہے مگر علم نہیں دونوں چیزیں جمع ہوں جب ہی وہ مصلح

ثابت ہوگا۔ یہ دونوں قسم کے لوگ دنیا کے لیے فتنہ ہیں جو بھی دین کے بارے میں ان سے منسلک ہوگا وہ فتنہ میں گرفتار ہوگا۔

وہ عالم ربّانی جس کا علم بھی صحیح، اخلاق بھی صحیح، سیرت بھی پاکیزہ ہو، وہ اصلاح کا ذریعہ بنے گا تو وہ صحیح راستہ دکھلائے گا اسی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔تو ہمارے بچوں کے لیے اس میں اس کی ضرورت ہے کہ ان میں دونوں وصف آجائیں۔علم بھی صحیح ہوا اور اخلاق بھی ان کے درست ہوں۔دوران تعلیم ہی اخلاق کی درستگی کی تمرین ہو۔تواضع، انکسار، خدمت، ایثار اور جذبہ خدمت خلق اللہ، یہ جذبات ان کے اندر پیدا کئے جائیں، ابھارے جائیں، ان سے ان کی نشوونما صحیح ہوگی۔اور اگر اس وقت اس میں کوئی کمی رہ گئی تو بعد میں اس کی کمی کو پورا کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔لہٰذا صرف صورت ہی اچھی نہ ہو سیرت بھی بہترین ہو۔صورت تو اللہ تعالیٰ نے بنادی ہے۔ساری توانائیاں، ساری کوششیں، تعمیر سیرت پر صرف کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

مقام ابراہیم

ہم دن میں پانچ مرتبہ "خانہ کعبہ" کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں-لیکن کیا کبھی ہم نے سوچا کہ ہم "خانہ کعبہ" کے کس رخ کی طرف سجدہ کر رہے ہیں؟؟؟

قرآن پاک سورہ بقرہ، آیت نمبر 125 میں فرمان الٰہی ہے:

وَ اِذ جَعَلنَا البیتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمنًاؕ وَ اتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ وَ عَهِدنَاۤ اِلٰۤى اِبرٰهٖمَ وَ اِسمٰعِیلَ اَن طَهِّرَا بَیتِیَ لِلطَّآىٕفِینَ وَ العٰكِفِینَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُودِ

ترجمہ:"اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) **ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنالو،** اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیھما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کردو "۔

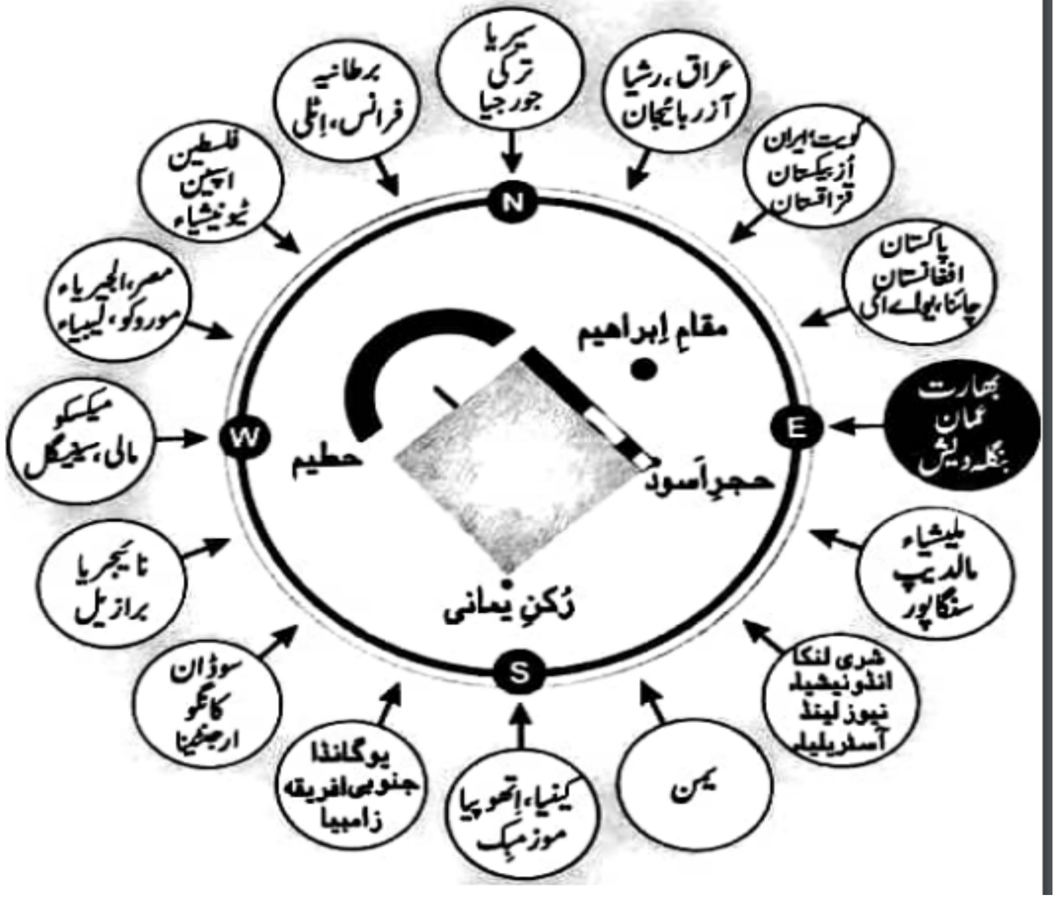

مصیبت زدہ اور غم زدہ کا علاج نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورہ بقرہ۔ آیت 155:157 میں فرمایا:

ترجمہ: ''اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان لوگوں کو خوشخبری دے دیجئے'' جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ (اناللہ وانا الیہ راجعون) ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اوراس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی خاص رحمتیں اور عام رحمت ہے اور یہی لوگ درحقیقت ہدایت یافتہ ہیں''۔

مسند میں نبی کریم خاتم النبیین علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ کہے کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف جانا ہے۔ اے اللہ میری مصیبت میں مجھے پناہ دے اور مجھے اس کے بعد اس سے بہتر دے'' تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت میں اسے پناہ دے گا اور اس کے بعد اس مصیبت کے بدلے اسے نیکی عطا کرے گا۔ (امام احمد۔ صحیح مسلم)

اِنّاللہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجعُونْ مصیبت زدہ کا اعلیٰ ترین علاج ہے۔ جو اس کے لئے فوری اور آئندہ دنوں کے موقعوں پر نفع بخش ہے۔ اس لیے کہ یہ جملہ دو عظیم بنیادوں پر مشتمل ہے۔ جب بندے کو ان دونوں کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے تو اس کی مصیبت ہلکی ہوجاتی ہے۔ پہلی بنیاد یہ ہے کہ بندہ، اس کے اہل وعیال اور اس کا مال ساری چیزیں ہی درحقیقت اللہ کی ملکیت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں عارضی طور پر بندے کو دی ہیں۔ اب اگر اس نے ان چیزوں کو لے لیا ہے تو اس کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ ادھار دینے والا کسی وقت بھی اپنا سامان واپس لے نیز اس بندے نے اس کو عدم سے وجود نہیں بخشا کہ وہ درحقیقت اس کی ملکیت ہوتی اور نہ اس کے وجود کی وہ تمام آفتوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور نہ اس کے اوپر اس کے وجود کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری ہے اس لیے اس کی اس میں کوئی تاثیر نہیں اور نہ ہی یہ اس کی مِلک حقیقی ہے۔ اس میں جو اسے تھوڑا بہت حق تصرف حاصل ہے تو وہ آقا کے حکم سے ہے۔ اس نے ایک حد تک پابندی لگا کر اجازت دے دی ہے۔ مالکانہ تصرف اسے حاصل نہیں ہیں۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ بندہ کی ساری تگ ودو اپنے مولائے حقیقی ہی تک ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا میں اپنے پیچھے اپنا نائب چھوڑ کر اپنے رب کے پاس تن تنہا آئے۔ جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار تنہا پیدا کیا تھا۔ اس کے پاس اس وقت اہل وعیال، خاندان اور مال نہ تھا۔ جب انسان کی ابتداء یوں ہے اور اس کی انتہا یہ ہے تو اسے کسی موجود چیز سے مسرت اور گم شدہ سامان پر ناامیدی کیوں ہوتی ہے؟ اور مایوسی کیسی؟ اس کو یقینی علم ہونا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ مصیبت اس کو کسی گناہ کی پاداش میں آئی۔ چنانچہ سورہ حدید آیت نمبر 22-23 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: ''کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ تمہاری خاص جانوں میں مگر وہ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ دی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر جو تم سے فوت ہوگئی رنجیدہ نہ ہوجاؤ اور جو چیز تم کو عطا کی ہے اس پر اترانے نہ لگو۔ اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا''۔

اگر پوری دنیا کی تفتیش کریں تو ہر طرف مبتلائے درد والم نظر آئیں گے یہ درد والم مصیبت کہیں کسی محبوب کی جدائی کی وجہ سے ہوگا یا کسی مشکل سے دوچار ہوگا۔ دنیا ڈھلتے سائے کی مانند ہے اگر کبھی ہنس پڑیں تو عرصہ تک روتے رہے، اگر ایک دن کی خوشی ملی تو عرصہ تک رنج وغم، اگر تھوڑی پونجی ہاتھ آتی تو زمانے تک محرومی رہی۔ کسی گھر کے لوگ پھولتے پھلتے نظر آتے ہیں تو کچھ دنوں کے بعد وہی گھر اجڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''ہر مسرت کی آغوش میں ایک غم ہے''۔ ابن سیرینؒ نے فرمایا ''تمہاری ہر خوشی میں گریہ وزاری مضمر ہے''۔ ہند بنت نعمانؒ نے کہا ''ہم نے بچشم خود دیکھا ہے کہ ہم لوگوں میں سب سے معتبر اور بڑے طاقتور بادشاہ تھے۔ مگر ابھی سورج پورے طور پر غروب بھی نہیں ہوا تھا کہ (یعنی بہت کم عرصہ کے بعد) ہم نے اپنے آپ کو سب سے کم تر درجے کا پایا اور اللہ کو اس کا پورا حق ہے جس گھر میں دولت اور خوشیوں کی ریل پیل رہتی ہے اسے برباد کر کے عبرت کا مقام بنادے''۔ ایک شخص نے ہند بنت نعمانؒ سے یہ سن کر کہا اپنی داستان سناؤ تو اس نے جواب دیا کہ ابھی صبح کی بات ہے کہ پورا عرب ہمارا دست نگر تھا۔ پھر شام اس طرح آئی کہ عرب کا ہر شخص ہم پر دست کرم رکھے ہوئے تھا۔ ایک دن ہند کی بہن حرقہ بن نعمانؒ رو پڑیں۔ حالانکہ یہ بڑی شان وشوکت کی مالک تھیں۔ کسی نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا؟ انہوں نے کہا کہ ''بات یہ ہے کہ میں نے اپنے گھر میں دولت کی ریل پیل دیکھی اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسا گھر دیکھنے میں نہیں آیا جہاں مسرت کی لہر دوڑ رہی ہو کہ اچانک غم کی آندھی نہ چلی ہو''۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے: ''بے شک دنیا ایک گنجان درخت ہے۔ جس کا ایک حصہ شاداب رہتا ہے تو دوسرا حصہ خشک ہوجاتا ہے۔''

اسحٰق بن طلحہؒ نے بیان کیا کہ ایک دن میں حرقہ بنت نعمانؒ کے پاس حاضر ہوا اور اس سے کہا "تم نے بادشاہوں کی رفتار زندگی کیسی دیکھی"؟۔ اس نے جواب دیا "ہم آج اس

خیر سے آشنا نہیں جس سے کل تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فارغ البال گھرانہ چند ہی سالوں کے بعد نمونہ عبرت بن جاتا ہے"۔ پھر اس کے بعد دو شعر پڑھے:
ترجمہ: ''ابھی ہم لوگ لوگوں پر حکمرانی کرتے تھے اور ہمارے اوپر کسی کی بالادستی نہ تھی کہ اچانک ہم میں تبدیلی آگئی ہم ماتحت ہوگئے اور انصاف کے بھکاری بن گئے۔ برا ہو دنیا کا کہ اس کی نعمت پائیدار نہیں۔ رہ رہ کر تبدیلیاں اور رہ رہ کر انقلابات رونماء ہوتے ہیں''۔

مصیبت آنے کا ایک علاج یہ ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ اسے یہ مصیبت کیوں پہنچی؟۔ اللہ نے اس جیسے بہت سوں کو باقی رکھا۔ اگر اس نے اس مصیبت پر صبر و رضا سے کام لیا تو اس کے لیے وہ پونجی جمع کر دی جائے گی جو اس مصیبت کی پریشانی سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اپنی آتش مصیبت کو اہل مصائب پر ہمدردی کر کے ٹھنڈی کر لے اور جان لے کہ ہر طرف مصیبت ہی مصیبت ہے اور یہ کہ آہ بکا سے غم دوگنا ہو جاتا ہے۔ اور نالہ گریہ زاری سے دشمن خوش ہوتا ہے۔ دوست ناراض ہوتا ہے۔ اور اس مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ بعض سلف نے بیان کیا ہے کہ اگر دنیا کے مصائب و آلام نہ ہوتے تو ہم قیامت میں مفلس بن کر حاضر ہوتے۔ اس لیے مصیبت زدہ کو چاہیے کہ اپنے دل کو اللہ کی طرف سے پہنچنے والی راحت سے تسکین دے جو کہ مصائب کے بعد انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔

مصیبت کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ مصیبت زدہ یہ یقین رکھے کہ اگرچہ نالہ و فریاد کسی آخری منزل پر پہنچ جائے مگر پھر بھی صبر ہی کرنا پڑے گا۔ آہ بکا و نالہ، فریاد ناپسندیدہ بھی ہے اور بلا مقصد بھی۔ اس لیے کہ اس سے مصیبت کا ثواب ختم ہو جائے گا (مصیبت پر صبر کرنے کا) بعض دانشوروں کا یہ قول ہے ''**دانش مند شخص ابتدائے مصیبت ہی میں وہ کام کر گزرتا ہے جسے بیوقوف بہت دنوں کے بعد کرتا ہے۔ اور جس نے شریفوں کی طرح صبر سے کام نہ لیا وہ چوپایوں کی طرح بے غم ہوگا (یعنی کوئی ثواب نہیں ہوگا)۔**"

صحیح بخاری میں مرفوعاً روایت ہے کہ   اَلصَّبرُ عِندَ صَدَمَۃِ الاُولیٰ ط   ترجمہ: "صبر تو پہلی چوٹ کے وقت ہے"۔

اشعث بن قیسؓ نے بیان کیا "اگر تو نے ایمان واحتساب کے طور پر صبر کیا تو بہتر ورنہ چوپایوں کی طرح تم بھی فراموش کر دیئے جاؤ گے"۔

اس کا طریقہ علاج یہ بھی ہے کہ مصیبت زدہ جان لے کہ اس کے لیے سب سے نفع بخش دوا، اس کے رب کی رضا ہے۔ اور ہمیشہ سے محبت کی یہ ریت چلی آ رہی ہے کہ ہر بات میں محبوب کی رضا حاصل رہے۔ جس کسی سے محبت کرنے کا دعویٰ کیا۔ پھر محبوب کے پسندیدہ امر (کام) کو ناپسند کیا۔ اور ایسا کام کیا جس سے محبوب ناراض ہو جائے تو اس نے خود اپنے آپ کو جھوٹ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور محبوب کے نزدیک وہ ناپسندیدہ شمار کیا جائے گا۔

حضرت ابودرداؓ نے بیان کیا کہ ''اللہ جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ جس کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ اس پر راضی ہو جائے اور ہمیشہ راضی بہ رضا رہے'' عمران بن حصینؓ نے اس کا سبب بیان کیا ہے کہ "مجھے سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے لیکن یہ دواء شافی صرف عشاق لوگوں کے لیے ہے۔ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اس طریقہ علاج کو اختیار کرے۔"

اس کا علاج موثر یہ بھی ہے کہ مصیبت زدہ اس (بات پر) امر پر یقین رکھے کہ جس ذات نے اس کو اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے وہ ''احکم الحکمین اور ارحم الراحمین ہے'' اور وہ کسی پر ہلاکت کی غرض سے مصیبت نازل نہیں کرتا اور نہ ہی اس لیے کہ وہ اس مصیبت کے ذریعے اس کو عذاب دے اور نہ ہی وہ اس کے ذریعے اس کی بربادی کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ مصیبت میں مبتلا کیا گیا تا کہ اس کے صبر و ایمان اور رضائے الٰہی کو آزمائے اور اس کی آہ بکا، گریہ زاری اور عاجزی کو سنے۔ وہ اسے اپنے دروازے پر گرا ہوا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ وہ اسے اپنے دربار میں پناہ گزین بنانا چاہتا ہے۔ اور اپنے سامنے اسے شکستہ دل دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی شکایت و درد کی اپیل سننا چاہتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ''اے میرے بیٹے مصیبت تم کو برباد کرنے کے لئے تم پر نہیں آتی بلکہ تمہارے صبر اور ایمان کی آزمائش کے لئے آتی ہے۔ اے میرے بیٹے تقدیر ایک درندہ ہے اور درندہ مردہ نہیں کھاتا''

خلاصہ یہ کہ مصیبت بندے کے لئے ایک بھٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں وہ اپنی زندگی کو تپا کر سرخ سونا نکالے یا زنگ آلود چیز۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

''ہم نے اسے خالص چاندی سمجھتے ہوئے پگھلایا لیکن بھٹی نے اسے زنگ آلود لوہا ظاہر کیا''۔

اگر دنیا میں یہ بھٹی اسے فائدہ نہ دے تو اس سے بھی بڑی بھٹی سامنے ہے۔ اگر بندے نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دنیا کی بھٹی اور کسوٹی آخرت کی بھٹی (میں سے) دونوں میں سے کسی بھٹی کی نذر ہونا پڑے گا۔ تا کہ اپنے اوپر نعمت خداوندی کی قدر و اہمیت کر لے تو موجودہ دنیا کی بھٹی میں اپنے آپ کو پگھلا دے اور مصائب کو شکر گزاری سے برداشت کرے۔ ایک علاج یہ بھی ہے کہ بندہ یہ سمجھ لے کہ اگر دنیاوی مصائب والام نہ ہوتے تو بندہ دوسری بڑی بیماریوں مثلاً تکبر، خود پسندی، سنگدلی میں مبتلا ہو جاتا۔ جو اس کی دنیاوی اور اخروی ہلاکت کا سبب بنتی اور پھر یہ رحمت خداوندی ہوئی کہ اس نے مصائب کی مختلف دواؤں کے ذریعے بندے کے مرض کی خبر گیری کی اور ہلاک کر دینے

والے اعمال سے اسے پاک رکھا۔ وہ ذات انتہائی پاک اور مقدس ہے جو اپنی آزمائش کے ذریعے رحم کی راہیں ہموار کرتا ہے اور اپنی نعمتوں کے ذریعے آزماتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: "اللہ تعالیٰ مصیبت کے ذریعے انعام کرتا ہے، اگرچہ وہ بڑی ہو اور کبھی بعض لوگوں کو اللہ نعمتوں کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا علاج مصائب ومصیبتوں کی دواؤں سے نہ کرتا تو وہ سرکش ہو جاتے۔ بغاوت کر بیٹھتے اور اکڑ جاتے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے مصیبت و (ابتلائے) آزمائش کی دوا پلا کر اس کے مناسب حال علاج کرتا ہے اور مہلک بیماریوں سے اسے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح اس کو مہذب بنا دیتا ہے اور پورے طور پر اس کا تزکیہ اور تصفیہ فرما دیتا ہے۔ تو اسے دنیاوی مراتب میں اعلیٰ ترین منصب کے لائق بنا دیتا ہے۔ اور یہی منصب عبودیت الٰہی ہے۔ پھر اسے ثواب آخرت کا سب سے بلند حصہ عطا کرتا ہے جسے رویت الٰہی اور قرب خداوندی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''

مصائب کو برداشت کرنے کا ایک طریقہ علاج یہ بھی ہے کہ ہر بندہ سمجھ لے کہ دنیا کی تلخی ہی آخرت کی شیرینی ہے۔ اور باری تعالیٰ اپنی قدرت سے تلخی کو شرینی میں تبدیل کر دیتا ہے اور دنیا کی شرینی دراصل آخرت کی تلخی ہے۔ اس لیے تھوڑی دیر کی تلخی اگر دائمی حلاوت میں تبدیل ہو کر ٹل جائے تو اس کے لئے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے برعکس معاملہ ہو۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جنت ناپسندیدہ چیزوں سے گھیر دی گئی ہے اور جہنم لذیذ اور شہوات سے گھیر دی گئی ہے''۔ (امام مسلم)

اسی مقام پر پہنچ کر مخلوق کی عقلوں کا اختلاف نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور انسانیت کے حقائق سامنے آجاتے ہیں۔

اکثر لوگ چند روزہ رہنے والی حلاوت کو دائمی حلاوت پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کتنی بڑی جہالت اور کتنی بڑی بیوقوفی ہے کہ انہوں نے چند ساعت کی تلخی کو دوامی (ہمیشہ رہنے والی) حلاوت کے مقابل برداشت نہ کیا اور ذرا سی دیر کی بے آبروئی دائمی آبرو کے حصول کے لیے قبول نہ کی اور تھوڑی سی تکلیف دائمی عیش وعشرت کے لئے برداشت نہ کی۔ اس لیے کہ اس کے سامنے جو کچھ ہے وہ ہی سب کچھ ہے اور جس کا انتظار ہے وہ آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اس کا ایمان انتہائی کمزور اور اس پر اس کی شہوت کا بادشاہ حاکم ہے اور یہی دنیا کو ترجیح دینے اور آخرت کو ترک کرنے کا سبب ہے اور یہی حال ظاہر بینوں کا ہے جو صرف ظاہرا امور پر نگاہ رکھتے ہیں لیکن وہ گہری نگاہ جو دنیاوی پردوں کو چاک کر کے اس کی آخری حد اور نتائج تک پہنچ جاتی ہے اس کی کچھ اور ہی شان ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو جب کوئی بڑا معاملہ پیش آتا تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّومُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ　　　ترجمہ: "اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے تیری رحمت کے ذریعے مدد چاہتا ہوں"۔

حضرت اسمابنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کیا تمہیں چند ایسے کلمے نہ سکھا دوں کہ جنہیں تو مصیبت کے موقع پر وردِ زبان رکھے"؟　"اَللّٰہُ رَبِّی لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئاً"　ترجمہ: "اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی"۔

سُنَنِ ابوداوٗدؒ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جس نے استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو اللہ اسے ہر رنج سے رہائی اور ہر تنگی سے کشادگی عطا فرمائے گا اور ایسے ذریعے سے اسے روزی پہنچائے گا جسے وہ تصور نہیں کر سکتا''۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نماز کی طرف پناہ لیتے (یعنی نوافل پڑھتے اور دعا کرتے) (مسند امام احمد)

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: (سورہ بقرہ، آیت نمبر 45) وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ　　ترجمہ: "اور نماز اور صبر کے ذریعے مدد طلب کرو"۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا": تم پر جہاد فرض ہے۔ اس لئے کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کے رنج وغم کو دور فرماتا ہے"۔ (صحیح حدیث، طبرانیؒ، احمدؒ، حاکمؒ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" **جو بہت سے آلام ومصائب کا شکار ہو اسے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ بکثرت کہنا چاہیے**" یعنی اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے۔ صحیح بخاری ومسلم سے یہ ثابت ہے کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور ترمذی میں مذکور ہے کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ''بیماری نعمت ہے'' ایک مرتبہ وہ اپنے طلبا کو درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو بیمار تھا حاضر خدمت ہوا اور سلام عرض کرنے کے بعد بڑے ادب سے گزارش کی۔ ''جناب میں بیمار ہوں آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیں''۔ اب تمام طلباء متوجہ ہو گئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے استاد مصیبت کو انعام اور بیماری کو نعمت کہتے ہیں۔ انہوں نے تمام تر توجہ استاد محترم کے جواب کی طرف لگا دی۔ بزرگ نے اپنے تمام طلباء سے ہاتھ بلند کرنے کے لئے فرمایا پھر دعا

فرمائی۔ ''یاالٰہی بیماری بھی نعمت ہے اور شفاء بھی نعمت ہے۔ ہر شخص ہر طرح کی نعمت کو برداشت نہیں کرسکتا۔ باری تعالیٰ تو اس شخص کی بیماری کی نعمت کو شفا کی نعمت میں تبدیل کر دے (امین)'' چنانچہ ہمیں اپنے آپ کو اس نعمت کے حصول کے لئے آمادہ رکھنا چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور اطاعت گزار لوگوں کے لئے دائمی عیش کے نام سے تیار کررکھ ہے۔ اور ابدی سعادت اور عظیم کامرانی کو ہمارے حصہ میں لکھ دیا ہے۔ اور ایسی رسوائی سزا اور دائم حسرت سے بچالیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے غافلوں اور بے کار لوگوں کے لیے تیار کررکھا ہے۔ اب یہ ہمارے اختیار کی چیز ہے کہ ان دونوں قسموں میں سے کونسی ہمارے لیے مناسب ہے؟

ہم میں سے ہر ایک اپنے انداز پر کام کرتا ہے اور ہر ایک اپنے مناسب حال تگ ودو کرتا ہے۔ جسے وہ بہتر جانتا ہے۔ یہ علاج زیادہ طویل نہیں چونکہ یہ دوائیں پندرہ قسم کی دواؤں پر مشتمل ہیں۔ اگر ان کے ذریعے بھی رنج وغم اور حزن (پریشانی) کی بیماری ختم نہ ہو تو سمجھ لو کہ بیماری بہت پرانی اور جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ اور اس کے اسباب گہرے ہیں۔ اس کے لئے مکمل سوچ بچار کی ضرورت ہے۔

پہلی دوا: توحید اور ربوبیت کا یقین۔ **دوسری دوا:** اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے میں توحید و یکتائی کا اقرار۔

تیسری دوا: توحید علمی واعتقادی۔ **چوتھی دوا:** اللہ تعالیٰ کو اس بات سے مبرا اور پاک سمجھنا کہ وہ بندے پر ظلم کرتا ہے یا بلا سبب بندے سے مواخذہ کرتا ہے۔

پانچویں دوا: اپنے آپ کو ظالم سمجھنے کا اعتراف کرنا۔ (آیت کریمہ)

چھٹی دوا: اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین چیز کے ذریعے وسیلہ کرنا، جو اس کے اسماء وصفات ہیں اور ان اسماء وصفات میں سے سب سے مکمل طور پر معنی کا جامع اسم ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ'' ہے۔ اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔

ساتویں دوا: صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا۔ **آٹھویں دوا:** بندے کا پر امید انداز میں اس کا اقرار کرنا۔

نویں دوا: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اسی کے سپرد تمام معاملات اور اس بات کا اعتراف کہ اسکی پیشانی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے جس سمت چاہے پھیر دے اور یہ کہ حکم الٰہی اس پر جاری ہے اور قضائے الٰہی سراپا عدل وانصاف ہے۔

دسویں دوا: اپنے دل کو قرآن پاک کے باغات میں چرنے دے اور قرآن پاک کو اپنے دل کے لئے ایسی بہار سمجھے جیسی بہار جانوروں کے لیے خوشگوار ہوتی ہے۔

اور قرآن پاک کے ذریعے شبہات اور خواہشات نفسانی کی تاریکیوں کو روشن کرے اور اس کے ذریعے ہر فوت شدہ چیز سے تسلی حاصل کرے اور ہر مصیبت کا مداوا قرآن پاک کو سمجھے اور سینے کی تمام بیماریوں سے شفاء قرآن پاک کے ذریعہ حاصل کرے تو اس سے غم جاتا رہے گا۔ رنج وغم سے رہائی نصیب ہوگی۔

گیارہویں دوا: استغفار۔ **بارہویں دوا:** توبہ وندامت۔ **تیرہویں دوا:** خدا کی راہ میں سرفروشی۔

چودہویں دوا: نماز کی پابندی اوقات کے ساتھ ادائیگی۔

پندرہویں دوا: طاقت اور قوت سے برات (بیزاری) اور ان دونوں کو اس ذات کے سپرد کرنا جس کے قبضہ قدرت میں یہ دونوں ہیں۔

ان امراض میں مذکورہ دواؤں کی افادیت کی توجیہہ: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اور اس کے تمام اعضاء کو پیدا فرمایا اور ہر عضو کو ایک کمال سے نوازا۔ اگر وہ عضو ضائع ہو جائے تو انسان کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ان اعضاء کا بادشاہ دل ہے۔ دل کو بھی کمال سے نوازا جب اس کا یہ کمال ضائع ہوجاتا ہے تو اسے مختلف بیماریوں، مصائب وآلام، رنج وغم اور افسردگی گھیر لیتی ہے۔ جب آنکھ بصارت کھو بیٹھے جس کے لیے اسے بنایا گیا اور کان سماعت ضائع کردے اور زبان قوت گویائی سے بے بہرہ ہوجائے جو اس کے بنانے کا حقیقی مقصد ہے تو پھر ان کے کمالات ضائع ہوگئے۔

اللہ نے دل کو اپنی معرفت ومحبت اور اپنی توحید کا اقرار کرانے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے پیدا کیا۔ تاکہ اس کی محبت اور رضامندی میں شاداں رہے اسی پر بھروسہ کرے۔ اسی کے لئے کس سے دوستی اور کس سے دشمنی رکھے۔ ہمہ وقت ذکر واذکار کو جاری رکھے۔ تمام دنیا سے زیادہ لگاؤ اسی رب جلال سے رکھے اور اس سے ہر قسم کی امید رکھے اور ان باتوں کے علاوہ اللہ کے سوا کوئی اور بات اس دل میں ہوگی تو اس دل کی موت ہے۔ پھر اسے کوئی نعمت ولذت اور فرحت ومسرت حاصل نہیں اور ظاہر ہے کہ زندگی انہی چیزوں سے برقرار رہتی ہے۔ اور یہی چیزیں دل کے لئے غذا، صحت وتندرستی اور زندگی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب غذا اور صحت نہ ملے اور زندگی اجیرن ہوجائے تو پھر رنج وغم اور افسردگی ہر جانب سے دل کو گھیر لیتی ہے۔

دل کی سب سے بڑی بیماری، شرک، گناہ اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں اور محبوب چیزوں سے غفلت ولاپرواہی ہے۔ اس کے علاوہ تمام معاملات کو سپرد خدا

کرنے سے گریز اور اس پر اعتماد کی کمی اور اللہ کے سوا دوسروں کی طرف میلان، تقدیر پر غصہ و ناراضگی کا اظہار اور اس کے وعدہ وعید میں شک شبہ ہے۔

جب ہم دل کی بیماریوں پر غور کریں گے تو ہم جان لیں گے کہ دل کے ان امراض کو اس کی مقابل دواؤں سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ توحید الٰہی سے بندہ کے لئے بھلائی، لذت، مسرت و فرحت اور شادمانی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور توبہ کے ذریعے ان تمام فاسد امور کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس سے دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

چنانچہ توحید سے سعادت و بھلائی کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور توبہ و استغفار سے برائیوں کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں بعض آئمہ فن طب نے یہ بات لکھی ہے ''جو جسم کی عافیت چاہتا ہو تو اسے کم کھانا چاہیے اور جو دل کی حفاظت کا خواہاں ہو اسے گناہوں سے باز آ جانا چاہیے، نعمتوں کا شکر اور مصیبتوں پر صبر کرنا چاہئے''۔

ثابت بن قرہؒ نے فرمایا ''جسم کا سکون کم کھانے میں ہے اور روح کی راحت کم گناہوں میں اور زبان کی حفاظت کم گفتاری میں''۔

گناہ دل کے لیے زہر کا کام کرتا ہیں۔ اگر ہلاک نہیں کرتا تو کم از کم کمزور تو کر ہی دیتا ہے اور دل کی قوت جب کمزور پڑ جائے گی تو مذکورہ امراض کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ امراض قلب کے ماہر طبیب عبداللہ بن مبارکؒ نے کیا خوب فرمایا ہے،

ترجمہ: ''میری نگاہ میں گناہ دلوں کو مردہ کر دیتا ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے سے ذلت اور پستی ملتی ہے اور گناہوں کا چھوڑنا دلوں کی زندگی ہے اور تمہارے نفس کے لئے بہتر ہے کہ تم اس نفس کی نافرمانی کرو''۔ (مصیبت اور بلاؤں پر شکر کرنا بھی نفس کی نافرمانی ہے کیونکہ نفس مصیبت میں اللہ سے گلا کرتا رہتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے)

خواہشات نفسانی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ اور اس کی مخالفت بہترین علاج ہے۔ نفس درحقیقت فطری طور پر ناواقف اور ظلم و زیادتی پر رکھا گیا ہے۔ اتباع نفس میں ہلاکت اور بربادی ہوتی ہے۔ اور اپنی اس بے راہ فطرت کی وجہ سے خیر خواہ معالج کی بات نہیں مانتا۔ بلکہ بیماری کو دوا سمجھ کر اسی پر بھروسہ کر لیتا ہے اور دوا کو بیماری سمجھ کر اس سے پرہیز کرنے لگتا ہے۔ اور سب سے بڑی خام خیالی یہ ہے کہ وہ اسے تقدیر الٰہی سمجھنے لگتا ہے اور خود کو اس سے بری سمجھ کر زبان حال سے پروردگار کو ہمہ وقت ملامت کرتا ہے۔ جب کوئی بیمار اس حد تک گر جائے تو اسے صحت یاب ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہیے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ رحمت خداوندی بڑھ کر خود ہی اس کا تدارک کر دے اور اسے نئی زندگی عطا کر دے۔ اور کوئی عمدہ راستہ ہموار کر دے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں مصیبت زدہ کے لئے جو دعا بتائی گئی ہے وہ توحید الوہیت، توحید ربوبیت دونوں کو شامل ہے اور آپ کا یہ قول　　　يَاحَيُّ يَاقَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيثُ

تاثیر کے اعتبار سے اس آیت کو بیماری دور کرنے میں ایک اچھوتی مناسبت ہے۔ جو دعا بھی اس اسم اعظم ''یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ'' کے ساتھ کی جائے گی ضرور قبول ہو گی۔ اور جس چیز کا سوال کیا جائے گا وہ ضرور ملے گی۔ اور اس سے آگے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کہ قرآن پاک کو ہمارے دلوں کے لیے ایسی لہلہاتی شاداب بہار بنا دے جس میں جانور بلا روک ٹوک چرتے ہیں۔ اور اس طرح قرآن مجید دلوں کے لئے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید رنج و غم کے لئے ایسے مداوے کا مقام رکھتا ہے جو بیماری کو جڑ سے ختم کر دے۔ جو طبیعتوں اور دماغ وغیرہ کو نور بخشتا ہے۔ پھر اس علاج کی خوبی کا کیا کہنا کہ خود مریض پکار اٹھے کہ اس دوا کے استعمال (قرآن پاک سے) اس کی بیماری جاتی رہی اور بعد ازاں شفائے کلی حاصل ہوئی۔ اور صحت اور عافیت نصیب ہوئی اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اس طرح حضرت یونسؑ کی دعا میں کمالِ توحید باری تعالیٰ پایا جاتا ہے کہ بندہ اپنے ظلم و زیادتی اور گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ جو رنج و غم اور بلاؤں کے دور کرنے کے لئے موثر دوا ہے اور حاجت روائی کے لئے اللہ تک رسائی کا بہترین ذریعہ ہے۔　　　لَا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

ترجمہ: ''(پروردگار!) تیرے علاوہ کوئی (اللہ) نہیں ہے تو پاک و بے نیاز ہے اور میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے تھا''۔

غرض حدیث میں ہر شر سے پناہ طلب کی گئی ہے اور رنج و غم، اور تنگی کے خاتمہ کے لیے استغفار کی تاثیر کو ہر امت کے عقلا نے تسلیم کیا ہے۔ جب دلوں پر گناہوں کی تاثیر راسخ ہو جائے تو پھر توبہ اور استغفار کے سوا کوئی علاج نہیں رہ جاتا۔　　　أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِی لَاإِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّومُ وَأَتُوبُ إِلَیْهِ

ترجمہ: ''میں اس خدا سے مغفرت چاہتا ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ و قائم ہے اسی کے حضور توبہ کرتا ہوں''۔

نماز کی شان دل کو فرحت اور شگفتگی بخشنے اور اسے تقویت پہنچانے اور اسے کشادہ و شاداب کرنے اور اس کو لذت پہنچانے میں عجیب و غریب ہے۔ نماز سے دل اور روح دونوں اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور اس ذات کا قرب نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کے ذکر کے حصول سے دل کھل جاتا ہے۔ اس کے ساتھ مناجات کرنے سے مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور۔ اور اس کی عبودیت میں اپنے تمام بدن اور اعضاء اور تمام قوتوں کو استعمال کرنے میں ہر عضو کو بندگی کا پورا پورا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ مخلوق کے تعلق، باہم میل جول اور ملنے جلنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی ساری قوتیں اور اس کے سارے اعضاء اپنے رب کی

طرف کھنچ جاتے ہیں۔اور بحالت نماز وہ اپنے دشمن سے بے پرواہ ہو کر آرام پا جاتا ہے اور نماز اس لیے سب سے بڑا علاج بن جاتی ہے۔

مفرحات قلب (تقویت دل) میں سب سے زیادہ نماز ہی کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اور اسے ایک ایسی غذا میسر آجاتی ہے جو صحت مند قلوب کے لئے زیادہ مفید ہے۔لیکن بیماریوں کا معاملہ ان بیمار اجسام جیسا ہوتا ہے جن کے لئے صرف عمدہ غذائیں نفع بخش ہوتی ہیں۔اس لئے نماز دنیا اور آخرت کے مصالح کے حصول اور دنیا و آخرت کے مقاصد کو رفع کرنے میں سب سے عمدہ معاون مددگار ہے۔نماز گناہ سے روکتی ہے اور قلوب کے امراض کو رفع کرتی ہے اور جسم سے بیماری کو دور کر دیتی ہے۔دل کو روشن، چہرے کو تابندہ کرتی ہے، نفس اور اعضاء کو نشاط بخشتی ہے، روزی کو کھینچتی ہے۔ظالم کو دور کرتی ہے۔مظلوم کی مدد کرتی ہے۔خواہشات نفسانی کے داخلے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔نعمت کی محافظ، عذاب کو دور کرنے والی اور رحمت کے نزول کا باعث ہے۔غم اور بے چینی کو دور کرتی ہے اور شکم کی بہت سی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں حدیث مجاہد کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا" مجھے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا میں سویا ہوا تھا اور درد شکم سے بے قرار تھا"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اے ابوہریرہؓ تجھے درد شکم ہے کیا"؟ میں نے کہاں"ہاں اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اٹھو نماز ادا کرو اس لیے کہ نماز میں شفا ہے"-(ابن ماجہ)

اگر زندیق اطباء کا دل اس طریقہ علاج سے مطمئن نہ ہو تو انہیں صنعت طب سے سمجھنا چاہیے کہ نماز نفس اور بدن دونوں کے لئے ریاضت ہے۔اس لیے کہ اس میں قیام وقعود، سجدہ ورکوع اور قعدہ کے مختلف حرکات ہوتی ہیں اور آدمی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور جسم کے سارے جوڑ جنبش کرتے رہتے ہیں اور اسی کے ساتھ اکثر باطنی اعضاء، معدہ، آنتیں، آلات تنفس اور غذا کے ہضم کرنے کا عمل ان سب میں حرکات کی وجہ سے تغیر آجاتا ہے۔پھر ایسی صورت میں کونسی بات مانع ہے کہ ان حرکات سے بعض اعضاء توانا اور بعض مواد غیر ضروریہ تحلیل نہ ہو جائیں گے۔خاص طور پر جبکہ نماز میں قوت نفس اور انشراح میں اضافہ ہو۔جس سے طبیعت قوی ہو کر غم کا پورے طور پر دفاع کر لیتی ہے۔

رنج وغم میں جہاد کرنے کی قوت اور تاثیر وجدانی طور پر معلوم ہو چکی ہے۔اس لیے کہ نفس جب باطن کے غلبہ اور قبضہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے تو اسے شدید رنج وغم پہنچتا ہے۔اور اس کی بے قراری اور خوف میں ایک غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد پر آمادہ ہو جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس رنج وغم کو فرحت و مسرت اور نشاط وقوت میں بدل دیتا ہے جیسا کہ خود اس نے سورۃ توبہ میں فرمایا۔(سورۃ توبہ آیت 14-15)

ترجمہ:　''ان سے مقابلہ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں رسوا کرنا چاہتا ہے اور ان پر تمہیں مظفر اور منصور کرنا چاہتا ہے۔اور مومنوں کے سینوں کو بیماریوں سے پاک کرنا چاہتا ہے اور ان کے دلوں سے غصہ کو ختم کرنا چاہتا ہے''۔

چنانچہ دل کے درد والم، رنج وغم کو دور کرنے کے لئے جہاد سے بڑھ کر کوئی مفید دوا نہیں ہے۔یاد رکھیں ہر وہ کوشش جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لئے کی جائے جہاد ہے-لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی تاثیر مصیبت رنج والم کی بیماری کے دفاع میں اس لئے ہے کہ اس میں اعلیٰ ترین سپردگی کا اظہار اور ہر طرح کی قوت اور طاقت سے عاجزی کا اعتراف ہے اور اس کا اثبات ایک ہی ذات کے لئے ہے اور پورے طور پر اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا ہے اور کسی بھی معاملے میں اس کی مخالفت نہ کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ میری حالت کے سنورنے اور اس میں طاقت آنے کا ذریعہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے اس کلمہ سے بڑھ کر کوئی اور کلمہ ہو ہی نہیں سکتا۔بعض آثار میں ہے کہ کسی فرشتے کا آسمان سے زمین پر نزول اور پھر زمین سے آسمان پر صعود لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی علمی طاقت ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔اس لئے انسان کا ایک حالت سے دوسرے حال پر جانا خواہ وہ عالم علوی میں ہو یا عالم سفلی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے اسے تسلیم نہ کرنا اور یہ اقرار کرنا کہ اس تحویل کی ساری طاقت واختیار صرف اور صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔اس لیے شیطان کو بھگا دینے میں اس کلمہ کے اندر ایک غیر معمولی تاثیر پائی جاتی ہے۔

درود نجات وبا

اس درود شریف کو کثرت سے پڑھا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر موذی مرض سے محفوظ رکھتا ہے-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ دَاۤءٍ وَّ دَوَاۤءٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّم

ترجمہ:"اے اللہ! درود بھیج ہمارے سرکار محمد (خاتم النبیین ﷺ) مطابق تمام بیماریوں کی دوا کے---برکتیں اور سلام کے ساتھ"- (شفاء القلوب، ص:223، ط: مکتبہ نبویہ۔ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ، درود نمبر 144۔روح البیان۔7/234، ط: دار الکتب العلمیہ)

توحید وتوکل

توکل کی فضیلت:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 23) ترجمہ: ''اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو کہ تم ایمان والے ہو''۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (سورۃ ابراھیم، آیت نمبر 12) ترجمہ: ''اور اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے، بھروسہ کرنے والے کو''۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط (سورۃ الطلاق، آیت نمبر 3) ترجمہ: ''اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو اللہ اس کے لیے کافی ہے''۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (سورۃ العمران، آیت نمبر 159) ترجمہ: ''بیشک اللہ چاہتا ہے توکل کرنے والوں کو''۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ''جس کو یہ اچھا معلوم ہو کہ سب لوگوں میں غنی ہو جائے تو وہ اس پر راضی ہو جاوے جو اللہ نے اس قسمت میں لکھا ہے"۔ (مشکوۃ المصابیح)

ایک اکابر کو کسی نے خواب میں یہ جملہ کہا ''جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اس نے اپنا رزق جمع کر لیا''

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں "جب آدمی کے پاس بے طلب رزق آتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کو بھی حکم ہے کہ آدمی کو تلاش کرے"۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں "میں نے ایک راہب سے پوچھا" کہاں سے کھاتا ہے"؟ اس نے کہا" یہ بات میرے جاننے کی نہیں ہے میرے پروردگار سے پوچھ کہاں سے کھلاتا ہے"؟ ہرم بن حبانؒ نے حضرت اویس قرنیؒ سے پوچھا" میں کہاں رہوں"؟، انہوں نے شام کی طرف اشارہ کیا پھر ہرم نے پوچھا" بسر اوقات کی صورت کیا ہوتی ہے"؟ حضرت اویسؒ نے فرمایا کہ ''تف ہے ان دلوں پر جن میں شک ملا ہوا ہے ان کو نصیحت سے کیا فائدہ ہوگا''؟۔

توحید کی فضیلت:- توحید اللہ تعالیٰ کی ذات کو یکتا اور کافی جان لینے کا نام ہے۔ توحید کے چار مراتب ہیں:

(1) مغز (2) مغز کا مغز، (3) پوست (4) پوست کے اوپر کا پوست

اب ایک مثال فرض کر لیتے ہیں کہ توحید کو مثل اخروٹ کے اپنے اوپر کے چھلکے میں سمجھنا چاہیے اس کے دو چھلکے ہوتے ہیں ایک مغز ہوتا ہے پھر مغز کے اندر تیل ہوتا ہے۔ پس مرتبہ اول توحید کا یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہے مگر غافل یا منکر نہ ہو مثل توحید منافقوں کے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ معنی اس لفظ کے اس کا دل بھی سچ جانتا ہو جیسے عام مسلمان اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ توحید عوام کی ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بذریعہ نور حق کے یہ معنی کشف کے طور پر مشاہدہ ہو جائیں اور اس کا حال اس طرح سے ہے کہ باوجود اشیاء کی کثرت کے اس کو اللہ کی ذات سے ہی صادر سمجھتا ہے۔ یہ مقربین کا توحید ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وجود میں سوائے ذات واحد یکتا کے اور کسی کو نہ دیکھے اور یہ صدیقوں کا توحید ہے۔

اب دیکھیئے کہ اوپر کے چھلکے سے کوئی فائدہ نہیں اگر کھائیں تو تلخ ہے اگر اس کا باطن دیکھا جائے تو بُری صورت اگر جلایئے تو آگ بجھائے اور دھواں ہی دھواں کر دے غرض کسی قابل نہیں بجز اس کے کہ چند روز اخروٹ کی حفاظت اس سے رہے اور مغز نکال لیا جائے تو پھینک دیا جائے۔ یہ توحید زبانی کا حال ہے۔ جس میں دل کی تصدیق نہ ہو ایسی توحید سے کچھ فائدہ نہیں نقصان بہت ہے، ظاہر اور باطن میں بُری ہے، چند روز کا فائدہ یہ ہے کہ نیچے کے چھلکے یعنی دل اور بدن کے بچاؤ کیلئے موت کے وقت تک کام آتی ہے اور موت کے وقت یہ توحید ان کے بدن سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس سے کچھ کام نہ چلے گا۔ اور اس کے نیچے کا چھلکا بہ نسبت اوپر کے چھلکے کے ظاہر میں مفید ہے یعنی اس سے مغز کی حفاظت ہوتی ہے اور رکھ چھوڑنے سے بگڑنے نہیں دیتا اور اگر جدا کر لیا جائے تو ایندھن کے کام کا بھی ہے۔ مگر بحر حال مغز کی نسبت کم ہے اسی طرح صرف اعتقاد کشف کے بغیر زبانی قول کی نسبت بہت مفید ہے مگر کشف اور مشاہدہ کی بہ نسبت جو سینے کی کشادگی اور نور حق سے حاصل ہوتا ہے اس کی قدر کم ہے۔ کیونکہ یہی کشادگی اس آیت شریفہ سے مراد ہے۔ (سورہ الانعام، آیت نمبر 125)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جس کے سینے کو چاہتا ہے اسلام کے لیے کھول دیتا ہے (شرح صدر کر دیتا ہے)"

اور جس طرح کہ مغز بذات خود پوست کی نسبت نفیس ہے گو مقصود وہی ہے، مگر پھر بھی تیل نکالنے پر کچھ کھل وغیرہ آمیزش سے خالی نہیں اسی طرح (توحید فعل) یعنی فاعل کا ایک جاننا بھی سالکوں کے حق میں بڑا مقصد عالی ہے مگر اسی میں کچھ نہ کچھ التفات غیر کی طرف پایا جاتا ہے اور اس شخص کو نسبت جو ایک کے سوا دوسرے کو دیکھتا ہی نہیں ایسے شخص کا لحاظ کثرت کی طرف ہے پس اگر یہ کہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی ایک ذات کے سوا کسی کو نہ دیکھے؟ حالانکہ آسمان و زمین اور تمام اجسام محسوسہ کو دیکھتا ہے اور یہ

چیزیں بہت ہیں تو بہت سی چیزیں ایک کیسے ہوں گی؟ اگر انسان کو اس کی روح، جسم، ہاتھ، پاؤں، رگوں، ہڈیوں اور پٹھوں اور آنتوں کے لحاظ سے دیکھو تو بہت ہیں اگر دوسرے اعتبار سے مشاہدہ کرو تو ایک ہے، گو یا انسانیت کے لحاظ سے دیکھیں تو ایک ہے، پس جب آدمی کی حالت استغراق واحد کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ واحد میں فرق اور جدائی نہیں دیکھتا اور جب عین کثرت کی طرف خیال کرتا ہے تو سب کچھ الگ الگ خیال کرتا ہے۔

حسین بن منصور حلاجؒ نے حضرت ابراہیم خواصؒ کو سفر کرتے دیکھا تو پوچھا "تم کس فکر میں ہو"؟ انہوں نے فرمایا "میں سفر میں ہوتا ہوں تا کہ توکل میں میں اپنا حال درست کرلوں"۔ حسین بن منصورؒ نے فرمایا "تم نے اپنی تمام عمر ضائع کی، فنا در توحید کہاں گئی؟ اس کو کیوں نہیں اختیار کرتے"؟، گو یا حضرت خواصؒ توحید میں تیسرے مقام کی درستی کرتے تھے اور حسین منصورؒ نے ان کو چوتھے مقام پر ترغیب دی۔

اب جاننا چاہیے کہ توحید سے آدمی کو شیطان ایسی جگہ میں روک دیتا ہے جہاں اسکو یہ معلوم ہو کہ انسان کے دل پر کچھ داؤ شرک کا چل جائے گا۔ اس کی دو صورتیں ہیں اول حیوانات پر توجہ، دوئم جمادیات پر نظر۔ جمادیات کی طرف سے شرک ایسے کرواتا ہے کہ آدمی کھیتی کے نکلنے پر بارش پر اعتماد کرے، مینہ کے برسنے کے لیے ابر پر اور ابر کے اکٹھا ہونے کے واسطے سردی پر اعتماد اور کشتی کے برابر رہنے اور چلنے میں ہوا پر اعتماد کرے تو یہ سب باتیں توحید کے باب میں شرک ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اگر ہوا موافق نہ ہوتی تو نہ پہنچتے، اب ہوا اپنے آپ سے نہیں موافق ہو جاتی اس کو چلانے والا اور موافق کرنے والا کوئی ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہوگئی جیسے کوئی شخص گردن مارنے کے لیے بادشاہ کے حضور حاضر کیا جائے اور بادشاہ اس کی معافی لکھ دے اب بادشاہ کا احسان مند ہونے کے بجائے قلم اور سیاہی کا احسان مند ہو جائے۔ پس آفتاب، چاند، تارے، بارش، ہوا سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں اس طرح مسخر ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم۔

پس جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے خدا تعالیٰ کے نور سے نہیں کھلا اس کی بصیرت آسمان وزمین کے جبار کے دیکھنے سے قاصر ہے وہ دیکھ نہیں سکتا کہ وہ واحد اور یکتا سب کے اوپر غالب ہے۔ اسی لیے کاتب ہی پر اثنائے راہ میں ٹھہر گیا اور یہ سب جہالت ہے۔ ارباب قلوب اور مشاہدات کا حال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسمان وزمین کے ذرے کو اپنی قدرت کاملہ سے گویا کر دیا یہاں تک کہ وہ لوگ ان ذرات کی تسبیح وتقدیس خدا تعالیٰ کے لیے سنتے ہیں۔ اب جن کے کان ہی نہیں وہ البتہ ان کو نہیں سنتے۔

ہماری غرض یہ کان نہیں جو آواز کی چیزوں کے سوا نہیں سن سکتے، ایسے کان تو گدھوں کے بھی ہوتے ہیں اور نہ ایسی چیزوں کی کچھ قدر ہے جس میں جانور شریک ہوں، بلکہ ان کانوں سے یہ مراد ہے جن سے وہ کلام سمجھے جائیں جس میں نہ حروف ہوں، نہ آواز، نہ عربی، نہ عجمی پس اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک تعجب کی بات ہے عقل اس کو قبول نہیں کرتی، بولنے کی کیفیت کو بیان کرنا چاہیے کہ وہ کیسے بولتی ہے اور کیا کہتی ہے۔؟ تسبیح اور تقدیس خدا تعالیٰ کی کس طرح کرتی ہے؟ اور اپنے نفسوں کے عاجز ہونے کی شہادت کیسے دیتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے ہر ذرے کو قلوب کے ساتھ باطن میں ایک مناجات ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لیے کہ وہ کلمات اللہ تعالیٰ کے کلام کے سمندر سے جس کی کچھ حد نہیں مدد پاتے ہیں، سورۃ الکھف، آیت نمبر 109 میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

ترجمہ: تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کر لکھیں میرے رب کی باتیں بے شک دریا نبڑ جائیں پھر بھی نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں اگر چہ دوسرا لائیں اس کی مدد کو'۔

حدیث شریف میں ہے "موت اور حیات کے دو فرشتوں نے آپس میں مناظرہ کیا ملک الموت نے کہا "میں زندہ کو مردہ کرتا ہوں اور حیات کے فرشتے نے کہا میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر وحی بھیجی "تم دونوں جس کام پر مقرر ہو بس وہ کیے جاؤ اور زندہ کرنے والا میں ہوں، میرے علاوہ کوئی اور مار اور زندہ نہیں کرسکتا"

توکل ایمان کی اقسام میں سے ہے اور اس کی سب اقسام علم، حال اور عمل سے بنتی ہیں، پس توکل انہی چیزوں سے حاصل ہوتا ہے اول علم جو اصل ہے پھر عمل جو ثمر ہے، تیسرا حال جو توکل کے لفظ سے مراد ہے۔

توکل کے اعمال:- توکل کا حال: توکل کا مقام علم، حال اور عمل سے بنتا ہے، علم کے بارے میں بتا دیا گیا ہے اور حال واقع میں توکل اِسی کا نام ہے۔ علم اس کی اصل اور عمل اس کا ثمر ہے۔

حضرت سہل تستریؒ کے قول میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا "ادنیٰ درجہ توکل کا کیا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا "آرزوں کا ترک کرنا"، سائل نے پوچھا، "اوسط کیا ہے"؟، انہوں نے کہا "اختیار کا ترک کرنا"، یہ اشارہ دوسرے درجے کی طرف ہے فرمایا "اور اعلیٰ درجے کو جو پوچھا تو اس کو کچھ بیان نہ کیا اور فرمایا اس کو وہی جانتا ہے جو اوسط درجے پر پہنچ جاتا ہے"۔ تیسرا درجہ توکل جو سب سے اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متوکل اپنی حرکات وسکنات میں خدا تعالیٰ کے سامنے ایسا ہے جیسا مردہ نہلانے

والے کے سامنے ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:(سورۃ آل عمران،آیت نمبر 159)

ان اللہ یحب المتوکلین ترجمہ:''اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے روزی دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے،صبح خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر جاتے ہیں"۔(جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗدؑ کو وحی کی کہ''اے داوٗد اگر بندہ میری مخلوق کے بجائے صرف میرا ہی آسرا کرتا ہے تو اگر زمین اور آسمان بھی اس کے خلاف تدابیر کریں تو بھی میں اس کے نکلنے کی راہ پیدا کر دیتا ہوں''۔

ایک عالم کے قول میں لکھا ہے کہ''جس روزی کی ضمانت تمہیں دے دی گئی ہے اس سے غافل ہو کہ فرض عمل سے غافل نہ ہونا ورنہ اپنی آخرت برباد کرلو گے اور دنیا تو تمہیں اتنی ہی ملے گی جتنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی''۔حضرت یحیٰی بنؒ معاذ نے فرمایا''بغیر طلب کے بندے کو روزی ملنے میں یہ ثابت ہے کہ روزی کو حکم ہے کہ بندے کو تلاش کرے''۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ایک راہب سے پوچھا" کہاں سے کھاتے ہو"؟اس نے کہا"رب سے پوچھ"۔

توکل اور مشائخ:-ابوموسیٰ وبالیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابویزید بسطامیؒ سے پوچھا" توکل کیا چیز ہے"؟انہوں نے کہا" تمہارا قول کیا ہے"؟ میں نے کہا" ہمارے ساتھی تو یوں کہتے ہیں"اگر بالفرض سانپ اور بچھو آدمی کو دائیں بائیں گھیر لیں تو اِس سے باطن میں کچھ جنبش نہ ہو"۔انہوں نے فرمایا کہ''ہاں اس کے قریب ہے''۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا" توکل کیا ہے"؟آپؒ نے فرمایا''ارباب سے علیحدہ ہونا اور اسباب سے قطع ہونا''پھر لوگوں نے ان سے کہا" اور زیادہ فرمایئے"،آپؒ نے کہا''نفس کو عبودیت میں ڈالنا اور ربوبیت سے نکالنا''حمدون گازرؒ سے جو حال توکل کا پوچھا تو فرمایا کہ''اگر آدمی کے پاس دس ہزار درہم ہوں اور ایک لاکھ قرض ہو تو اس بات سے نڈر نہ ہو کہ مرجاؤں گا اور قرض گردن پر رہ جائے گا اور دس ہزار درہم قرضہ ہو اور اس کو ادا کرنے کے لیے کچھ ترکہ پاس نہ ہو تو خدا تعالیٰ سے اس کے ادا کرنے پر ناامید نہ ہو"۔

روایت ہے"ایک زاہد شہروں سے جدا ہو کر کسی پہاڑ تلے سات روز رہا اور کہا" کسی سے کچھ نہ مانگوں گا جب تک خدا تعالیٰ میرا رزق مجھ کو نہ پہنچائے"۔مرنے کے قریب ہوا مگر رزق نہ آیا۔دعا کی"الٰہی میری قسمت کا رزق مجھ کو عنایت کر دے ورنہ میری روح قبض کرلے"حکم ہو"قسم ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی تجھے رزق نہ دوں گا جب تک تو جا کر شہر میں نہ بیٹھے گا"۔وہ شہر میں جا کر بیٹھا اس کے پاس کوئی کھانا لایا کوئی پانی،کھا پی کر دل میں وسواس کچھ لایا،اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ''تو چاہتا ہے کہ دنیا میں زہد کرنے سے میری حکمت کو ضائع کر دے تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اپنے بندوں کو دوسروں کے ہاتھوں سے رزق پہنچاتا ہوں اور یہ اس سے بہتر جانتا ہوں کہ خود اپنی قدرت سے دوں''۔بعض اکابر فرماتے ہیں"اللہ تعالیٰ سب بندوں کو رزق دیتا ہے مگر بعض ذلت کے ساتھ کھاتے ہیں مثلاً بھیک مانگ کر اور بعض مشقت اور محنت سے کماتے ہیں جیسے تاجر بعض جان کھپا کر کماتے ہیں جیسے کاریگر مزدور اور بعض عزت سے کھاتے ہیں جیسے علم والے"۔

جب تک ایمان اس بات میں پکا نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی فاعل ہے نہ کوئی رازق اور وہ جو کچھ بندے پر مقدر کرتا ہے خواہ فقر ہو یا غنا،موت ہو یا جینا اس کے حق میں وہی بہتر ہے بہ نسبت اس بات کے کہ جس کی بندہ تمنا کرے تب تک حال توکل میں کامل نہ ہو گا۔

ابو یعقوب قطع بصریؒ کہتے ہیں"میں ایک بار حرم شریف میں دس روز بھوکا رہا،کچھ ضعف معلوم ہوا دل میں آیا باہر چل جنگل کی طرف نکل گیا میں نے دیکھا کہ ایک شلجم زمین پر پڑا ہے،اس کو میں نے اٹھا لیا لیکن میرا دل گھبرا گیا،ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے کہا ہو تو دس روز سے اس سڑے ہوئے شلجم کے لیے بھوکا تھا میں نے اس کو پھینکا اور پھر حرم میں واپس آ گیا اور بیٹھ گیا،دیکھتا کیا ہوں کہ ایک عجم کا آدمی چلا آتا ہے وہ آ کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور ایک خلتا میرے سامنے رکھ دیا اور کہا"یہ آپ کے لیے ہے"میں نے پوچھا"مجھ کو تو نے کیسے خاص کیا"؟اس نے کہا"اصل یہ ہے کہ ہم دس روز سے سمندر میں تھے اور کشتی ڈوبنے کو ہو رہی تھی میں نے نذر کی کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو بچا لے گا تو میں خلتا مجاورین میں سے اس کو دوں گا جس پر میری پہلی نظر پڑے گی۔اب تم ہی کو میں نے اول دیکھا ہے یہی وجہ خصوصیت کی ہے"۔میں نے اسے کہا" کھولو"اس نے کھولا تو اس میں مصر کا میدہ،چھلے ہوئے بادام اور برفیاں تھیں۔میں نے ہر ایک میں سے ایک ایک مٹھی لے لی اور اس کو کہا"باقی کو تم اپنے ساتھیوں کو میری طرف سے ہدیہ دینا میں نے تمہاری نذر قبول کی"۔پھر اپنے دل میں کہا"تیرا رزق تو دس منزل سے چل کر تیرے پاس آتا ہے اور تو اس کو جنگل میں ڈھونڈتا ہے''۔

کہتے ہیں زمانہ گزشتہ میں ایک شخص سفر کو چلا اس کے پاس صرف ایک روٹی اور ایک کتا تھا،سفر میں وہ روٹی کو دیکھتا اور کہتا کہ اگر اس کو کھا لوں گا تو بقایا سفر کیسے

کاٹوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیا اور تاکید کی کہ ''اگر یہ شخص روٹی کھائے تو اسے رزق پہنچا دینا اور اگر نہ کھائے تو ہم اس کے سوا اس کو اور کچھ نہ دیں گے''۔ وہ شخص روٹی کو ساتھ لیے رہا حتیٰ کہ مر گیا اور روٹی نہ کھائی۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے دروازے پر پڑا رہتا تھا، اس کو ایک دن آواز آئی کہ ''اے شخص تو نے ہجرت عمرؓ کے لیے کی تھی یا اللہ کے لیے؟۔ جا اور کلام اللہ سیکھ وہ تجھ کو عمرؓ کے دروازے سے بے پرواہ کر دے گا"؟۔ وہ شخص اٹھ کر چلا گیا اور اس کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تلاش کروایا، معلوم ہوا کہ اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور عبادت میں لگ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پاس گئے اور فرمایا" ہمارا دل تم کو دیکھنے کو بہت چاہ رہا تھا کیا وجہ ہوئی کہ تم ہم سے نہیں ملتے"؟ اس نے جواب دیا ''میں نے قرآن پڑھا اور اس نے مجھ کو عمرؓ اور آل عمرؓ سے بے پرواہ کر دیا"۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ ''تم نے کلام مجید میں کیا دیکھا"؟ اس نے کہا" میں نے یہ دیکھا وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ''اور آسمان میں ہے روزی تمہاری جو وعدہ کیا'' (سورہ الذاریات آیت نمبر 22) تب میں نے سوچا کہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اس کو زمین پر ڈھونڈتا ہوں۔ حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا" تم سچ کہتے ہو"۔ پھر آپ کا دستور تھا کہ اس کے پاس آ کر بیٹھا کرتے۔

<u>متوکلین کے احوال جو اسباب کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اُن کی مثال:</u>۔ واضح ہو کہ خلق کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک جماعت سائلوں کی بادشاہ کے محل کے دروازے کے سامنے میدان میں کھڑی ہو جائے اور وہ سب کھانے کی حاجت رکھتی ہو اور وہ بادشاہ بہت سے غلاموں کو روٹیاں دے کر بھیجے اور ان کو حکم ہو کہ بعضوں کو دو دینا اور بعضوں کو ایک اور اس بات کی کوشش کرنا کہ کوئی رہ نہ جائے۔ پھر ایک منادی کو حکم کرے کہ ان لوگوں کو پکار کر سنا دو کہ ٹھہرے رہو اور میرے غلاموں کو جب وہ تمہارے پاس آئیں مت لپٹو بلکہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ اطمینان سے رہے، غلام حکم کے تابع ہیں۔ پس جو کوئی غلاموں سے لپٹے گا ان کو ستائے گا اور دروازے کھلنے پر دو روٹیاں لے کر چلا جائے گا میں اس کے پیچھے ایک غلام بھیجوں گا وہ اس پر مقرر رہے گا یہاں تک کہ اس کو اس روز سزا دوں گا جو میں نے اپنے عندیے میں ٹھہرا لیا ہے مگر میں اس کو کہتا نہیں ہوں کہ کب سزا دوں گا اور جو غلاموں کو نہ ستائے گا اور ایک روٹی پر قناعت کرے گا اور جو غلام کے ہاتھ سے اس کو ملے گا خاموش رہے گا اس کو اسی روز جس میں دوسرے کو سزا دوں گا ایک بھاری خلعت پہناؤں گا اور جو اپنی جگہ ہی ٹھہرا رہے گا اور دو روٹیاں پائے گا اس کو نہ سزا ہو گی نہ خلعت اور جس شخص کو میرے غلام کچھ نہ دیں اور وہ رات کو بھوکا سو رہے اور میرے غلاموں پر خفا نہ ہو اور نہ یہ کلمہ منہ سے نکالے ''کاش مجھ کو بھی ایک روٹی مل جاتی'' تو ایسے شخص کو میں اپنا وزیر بناؤں گا اور کارخانہ سلطنت اس کے سپرد کر دوں گا۔

پس اس ندا کے بعد سائلوں کی چار قسمیں ہو گئیں۔ ایک تو وہ جن پر غلبہ شکم ہوا اور وہ غلاموں پر چڑھ گئے اور زبردستی ان کو ستا کر دو روٹیاں لے لیں، دوسرے وہ کہ غلاموں سے سزا کے خوف کے باعث نہیں لپٹے مگر روٹیاں دو لیں یعنی سزا سے محفوظ رہے اور خلعت بھی نہ ملا۔ تیسرے وہ کہ انہوں نے کہا کہ ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے کہ غلاموں کے سامنے رہیں تا کہ وہ ہمیں چھوڑ نہ جائیں، مگر دو روٹی دیں تو ایک ہی لیں گے اور اسی پر قناعت کریں گے شاید ہمیں خلعت مل جائے۔ چوتھی قسم وہ لوگ ہیں جو صحن کے کونوں میں جا چھپے اور ایک دوسرے سے کہا کہ اگر غلام ڈھونڈ لیں تو ایک روٹی لینی ہے اور اگر ہم چھپے رہے تو بھوکے پیاسے رات بسر کر لیں گے۔ شاید پھر رات کو اگر غلاموں پر خفگی بھی نہ آئے تو رتبہ وزارت اور قرب بادشاہ کا حاصل ہو جائے۔ مگر ان کا منصوبہ نہ چلا اور غلاموں نے ہر گوشہ میں تجسس کر کے ایک ایک روٹی پہنچا دی اور اسی طرح ہر روز معاملہ ہوا۔ چند روز بعد اتفاقاً تین آدمی ایک کونے میں چھپ گئے اور غلاموں نے ان کو نہ سمجھا اور وہ تینوں سخت بھوک میں سوئے پھر دو نے سخت بھوک سے کہا کہ ''اچھا ہوتا ہم غلاموں کے سامنے ہو جاتے ہم سے صبر نہیں ہوتا'' تیسرا آدمی چپ رہا، صبح تک ویسے ہی گزار دیا، اسی کو درجہ قرب و وزارت مل گیا۔

اس مثال میں میدان زندگی دنیاوی ہے اور اس کا دروازہ موت اور معیاد نا معلوم سزا کا ہونا اور روز قیامت ہے اور وزارت کے وعدے سے غرض وعدہ شہادت ہے جو متوکل کے لیے ہے بشرطیکہ بھوک میں راضی وفات پائے اور اس وعدے کے وفا کے بعد تاخیر قیامت تک نہ ہو گی۔ کیونکہ شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ رہتے ہیں اور ان کو رزق ملتا رہتا ہے۔ اور غلام مطیع فرمان بادشاہی سے مراد اسباب ہیں اور غلاموں سے لپٹنے والے وہ ہیں جو اسباب میں حد سے زیادہ بڑھتے ہیں اور جو لوگ صحن کے بیچ میں غلاموں کی نگاہ میں رہ کر بیٹھے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو شہروں کی خانقاہوں اور مسجدوں میں ساکن بیٹھے رہتے ہیں اور گوشوں میں چھپنے والے وہ ہیں جو توکل کی ہیبت پر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور اسباب ان کے پیچھے پھرتے ہیں اور رزق مل جاتا ہے۔ مگر شاذ و نادر کبھی نہیں بھی ملتا۔ پس اگر کوئی ان میں سے بھوکا خدا سے راضی ہو کر مرتا ہے تو اس کو شہادت اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور خلق میں جو یہ تقسیم ہے تو شاید سو میں سے نوے آدمی تو ایسے ہیں جن کا تعلق اسباب سے ہے اور سات ایسے ہیں جو شہروں میں مقیم ہیں اور اپنے سامنے ہونے اور مشہور ہونے کی سبب گزارا کر لیتے ہیں اور تین ایسے ہیں جو جنگلوں میں پھرتے ہیں۔ ان تین میں سے دو اسباب پر خفا ہیں اور صرف ایک

مرتبہ قرب پر پہنچا۔اور شاید زمانہ گزشتہ میں یہ نسبت ہواب تو دس ہزار میں سے ایک ایسا نہ ہوگا جو اسباب کا تارک ہو۔

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر میں غنی ہو جاؤں یا فقیر مجھ کو کچھ پرواہ نہیں اس لیے کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں حالتوں میں سے میرے لیے کون سی بہتر ہے؟ تو اسی طرح متوکل کو بھی چاہیے کہ اس کا اسباب چوری ہو جائے یا باقی رہے کچھ پرواہ نہ کرے اس لیے کہ اسے کیا معلوم کہ کونسا حال اس کے لیے دنیا اور آخرت میں مفید ہے"؟ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے حال میں لکھا ہے کہ انہوں نے دعا مانگی "الٰہی دوا اور شفاء کس کے ہاتھ میں ہے"؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" میرے پاس ہے" آپ نے عرض کیا" پھر طبیب کیا کرتے ہیں"؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اپنا رزق کھاتے ہیں اور بندوں کا دل خوش کرتے ہیں''۔

حضرت سہل تستریؒ سے کسی نے پوچھا "قوت کیا چیز ہے"؟ آپؒ نے فرمایا' یا حی یا قیوم' (اللہ کا ذکر) ''ذکر قوت ہے' سائل نے عرض کیا" میری عرض قوت انسانی سے ہے" آپ نے فرمایا" قوت علم ہے"۔اس نے کہا" میں غذا کو پوچھتا ہوں"؟ آپ نے فرمایا" ذکر غذا ہے" اس نے کہا" میں جسم ظاہر کا کھانا پوچھتا ہوں"؟۔آپ نے فرمایا" جسم ظاہر سے تجھے کیا کام پڑ گیا ہے؟ اس کو اسی پر چھوڑ دے جس نے اس سے پہلے بھی اس کی کفایت کی ہے۔وہی اس کی کفایت آگے بھی کرے گا اور جب اِس میں روگ آجائے تو اِسے اُس کے بنانے والے کے سپرد کر دینا۔کیا تو دیکھتا نہیں کہ جب کسی چیز میں عیب ہو جاتا ہے تو کاریگر کو دے دیتے ہیں کہ اس کو ٹھیک کر دے''۔

حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ بے حد مصیبت میں ہے دعا کی کہ ''الٰہی اس پر رحم فرما''۔ارشاد ہوا کہ ''اس پر رحم ہی تو کر رہا ہوں'' ''یعنی اس مصیبت کے باعث اس کے گناہ دور کروں گا اور اس کے درجات بڑھاؤں گا''۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ مرض ایک نعمت ہے اور نعمت کا شکر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں" جب مریض اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کے بعد اپنا درد بیان کرتا ہے تو یہ بیان داخل شکایت نہیں رہتا"۔

ایک شخص نے دعا کی ''الٰہی مجھ کو بلا پر صبر عنایت فرما'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم نے اللہ تعالیٰ سے بلا کا سوال کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے تندرستی کی دعا مانگا کرو''۔(ترمذی)

پس اب سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخص کا نفس کمزور اور دل قوی ہو اور باطن میں ضعف نامرادی نہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے انتظام پر اعتقاد مضبوط ہو وہ ہمیشہ مطمئن اور خدائے تعالیٰ پر اعتماد رکھنے والا رہے گا۔ پس ایسے شخص کو توکل چھوڑنا اور رزق کا اہتمام کرنا ضعف اور نقصان کی بات ہے۔دینداروں کو اہتمام رزق کرنا برا ہے اور علماء کو اور بھی برا کیونکہ علماء کو قناعت شرط ہے اور عالم قانع کے رزق کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگوں کا رزق آتا ہے، ہاں اگر کسی کو یہ منظور ہو کہ لوگوں کے ہاتھوں سے نہ لوں اور اپنی کمائی سے کھاؤں تو البتہ یہ وجہ اس عالم کی شان کے شایاں ہے جو ظاہر علم وعمل پر چلتا ہے اور سیر باطن اس کو نہیں کیونکہ فکر معیشت باطن کی سیر سے مانع ہوتی ہے تو ایسے شخص کو سلوک میں مشغول رہنا اور ان لوگوں سے کچھ لینا جو اپنی خواہش سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں، بہتر ہے اس واسطے کہ اس صورت میں فکر معیشت سے فراغت رہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہو رہے گا اور دینے والے کو ثواب ملنے پر معین اور مددگار رہو گا اور جو شخص خدائے تعالیٰ کی عادات جاری پر نظر کرے وہ جان لے کہ رزق مقدر سامان کے نہیں ہوا کرتا اور اسی واسطے **بعض بادشاہان فارس نے کسی حکیم سے سوال کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ بعض احمق رزق دیئے جاتے ہیں اور عاقل محروم رکھے جاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ صانع نے یہ چاہا کہ لوگ مجھ کو پہچانیں اس لیے کہ اگر عاقل کو رزق ملتا اور احمق محروم رہتا تو لوگوں کو یہی گمان ہوتا کہ عاقل کو عقل نے رزق دیا ہے جب کہ معاملہ اس کے برعکس نظر آیا تو دل نے کہا کہ رزاق کوئی اور ہے۔**

بعض عابد بیمار ہوتے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتے کوئی ان کے پاس نہ جاتا حتیٰ کہ اچھے ہوتے تو خود ہی لوگوں میں نکلتے۔یہی حال فضیل بن عیاضؒ، وہب بن وردؒ اور بشر بن الحارثؒ کا تھا اور حضرت فضیلؒ فرمایا کرتے تھے ''میں چاہتا ہوں کہ بیمار رہوں۔لیکن عیادت کرنے والے نہ ہوں میں بیماری سے نہیں گھبراتا لوگوں سے گھبراتا ہوں''۔پس اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ موسوم ناموں میں سب سے بلند درجہ متوکل کا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ مدد کے لیے کافی ہو اس کا کیا ہی بلند مقام ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روح سے تعلق

اسرار کائنات میں روح سب سے بڑا راز ہے۔جس کے ادراک سے انسانی عقل ہمیشہ قاصر رہی۔انبیاء کرام بھی صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے''روح امر الٰہی'' ہے۔یہ حقیقت اب تسلیم کی جاچکی ہے کہ ہمارے اس جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے۔اندر والے جسم کے لیے اوپر والا جسم ایک باکس کی حیثیت رکھتا ہے۔اندروالا جسم بخارات آبی سے زیادہ لطیف ہے۔حقیقی انسان وہی ہے۔یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی۔جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارا اندروالا جسم لطیف اس خاکی جسم سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے چلا جاتا ہے یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی حادثے یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ورنہ نیند کے بعد یہ جسم لطیف، جسم خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔

صوفیا کرام کا خیال ہے کہ انسان کے جسم سے مختلف رنگ کی شعائیں نکلتی ہیں جو جسم کے اردگرد ایک ہالہ سا بنالیتی ہیں یہ شعاعیں ہر آدمی خارج کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔فرق یہ ہے کہ نیک و بد کی شعاعوں کا رنگ حسب کردار مختلف ہوتا ہے۔موت سے پہلے یہ رنگ کا ہالہ سیاہی مائل نیلگوں ہو جاتا ہے۔ایک نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے مطابق ایک ماحول یا ایک Atmosphere اپنے اردگرد بنالیتا ہے۔بدکرداروں کا ماحول دیوار کی طرح سخت ہوتا ہے جس میں سے کوئی فریاد یا دعا باہر نہیں جاسکتی اور نہ ہی کاسمیٹک ورلڈ یا ایتھر یا اثیر کے عمدہ اثرات اندر آسکتے ہیں۔ایسا آدمی خفیہ طاقتوں کی امداد سے محروم رہتا ہے ممکن ہے کہ قرآن پاک کے حجاب، غِشاوہ (پردہ)، سد (دیوار) اور غلف (غلاف) سے مراد یہی ماحول ہو۔یہ شاعیں جو انسان کے جسم سے نکلتی ہیں ان کی یہی خاصیت ہوتی ہے کہ یہ یا تو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں یا پرے دھکیلتی ہیں۔اس قسم کی شعاعوں سے انکار ناممکن ہے۔کیونکہ بعض افراد کی طرف کھنچنا اور بعض سے دور بھاگنا ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے۔

کاسمک ورلڈ یا طبقات اثیر: اس سے مراد ایتھر یا اثیر ہے، اثیر میں متعدد طبقات موجود ہوتے ہیں۔روحیں اسی دنیا سے آتی اور واپس جاتی ہیں، اسلامی صوفیا نے اس کے چار طبقات بتائے ہیں۔عام طور پر اس کے تین طبقے بتائے جاتے ہیں۔نچلے طبقے میں گناہ گار اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے ہیں، دوسرے درجے میں متوسط طبقے کے اچھے لوگ آباد ہیں، تیسرے طبقے میں انبیاء، اولیا، صالحین اور بلند مرتبہ فلاسفر وغیرہ ہیں۔

فلسفہ دعا و عبادت: دعا و عبادت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے دو چیزوں کی تشریح ضروری ہے۔ماہرین روحانیت کے ہاں ہر حرف کا ایک خاص رنگ اور اس کی ایک خاص طاقت ہوتی ہے۔غیب بینوں نے جب ان حروف کو لکھ کر تیسری آنکھ سے دیکھا تو انہیں ''الف'' کا رنگ سرخ، ''ب'' کا رنگ نیلا، ''د'' کا رنگ سبز اور ''س'' کا رنگ زرد نظر آیا۔پھر ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا تو بعض الفاظ کے پڑھنے سے بیماریاں جاتی رہیں، بعض سے بچھو کے ڈنگ کی تکلیف غائب ہو گئی اور بعض سے سانپ تک پکڑ لیے گئے۔انبیاءؑ اور اولیاؒ کی روحانی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات میں حیرت انگیز طاقت ہوتی ہے۔کلام الٰہی کا ہر لفظ قوت کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ الہامی الفاظ Higlyengered (احاطہ کرنے والے) ہوتے ہیں۔تعویذ کی طاقت کا راز بھی یہی ہے۔اسمائے الٰہی اور الہامی الفاظ میں اتنی طاقت ہے کہ ان کے ورد سے ہماری پریشانیاں اور بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی نام، مثلاً رحمٰن، رحیم، کریم، غفور، شکور، وغیرہ موجود ہیں جنہیں جب حاجت پکارا جاسکتا ہے یہ سہولت دیگر کسی مذہب میں موجود نہیں ہے۔ان حروف میں سے اگر کسی لفظ کا ترجمہ کر دیا جائے تو وہ بات نہیں رہتی اور اثر بدل جاتا ہے، مثلاً جو طاقت ''یا رحیم'' میں ہے وہ ''یا مہربان'' میں ہو ہی نہیں سکتی، یہی وجہ ہے کہ نماز کو اردو میں پڑھنے سے قوت کا وہ خزانہ جو الہامی الفاظ میں ہوتا ہے ختم ہو جائے گا۔ہم جب کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد آہ و زاری میں ڈوب کر اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ہماری اندرونی جذبات کی قوت Emotional Energy (ایموشنل انرجی) کاسمیٹک ورلڈ میں زبردست لہر پیدا کرتی ہے اور جب یہ لہریں فیض رساں طاقتوں سے ٹکراتی ہیں تو انہیں بے چین کر دیتی ہیں، وہ یا تو خود ہماری مدد کو دوڑتی ہیں اور راستے کی رکاوٹ کو ہٹا دیتی ہیں یا خیال کی کوئی لہر وہاں سے چھوڑتی ہیں جو ہمارے دماغ سے ٹکرا کا ایک ایسی تجویز کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ہماری تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

یہ یاد رہے کہ بعض امراض و مصائب ہماری بدکاری کا نتیجہ ہوتے ہیں جن سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے ہم گناہ کو چھوڑ دیں اور اس کے بعد مخفی طاقتوں کو آواز دیں۔یہ طاقتیں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر حرکت میں نہیں آتیں، گناہ اللہ سے بغاوت ہے اور باغی کو جب تک کہ وہ باغی ہے اللہ تعالیٰ سے رحم کی

امید نہیں رکھنی چاہیے۔قبولیت دعا کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ اگر تکلیف، گناہ کا نتیجہ ہو تو اعتراف گناہ اور توبہ 2۔ نیاز گداز اور اضطراب

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس دعا کو قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے جس کے ساتھ اضطراب شامل ہو۔(سورہ نمل آیت نمبر 62)

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ترجمہ:''ہمارے سوا اور کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے''۔

کاسمیٹک ورلڈ یا اثیر میں خیر وشر ہر دو کی طاقتیں موجود ہیں اللہ کے سامنے جھکنے والوں کا رشتہ قوائے خیر سے جڑ جاتا ہے اور بدی شیطان سے منسلک کر دیتی ہے۔یہ طاقتیں اپنے اثرات لہروں کی صورت میں ہم تک پہنچاتی ہیں۔شیاطین کی بھیجی ہوئی لہریں بری خواہشات، برے افکار اور تباہ کن تجاویز کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور دوسری قسم کی لہریں نیک ارادوں، عمدہ تجاویز کی صورت میں آتی ہیں۔اگر صاحب تجویز اللہ کا نیک بندہ ہو تو تجویز کا منبع کوئی فرشتہ ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ عمدہ ہوتا ہے۔اگر تجویز شیطان کی طرف سے ہو تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

کاسمک ورلڈ میں شیاطین اور ملائکہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے سدا مصروف عمل رہتے ہیں، جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا ہے تو شیاطین زیادہ طاقت ور لہریں چھوڑتے ہیں جن سے اس آدمی کا شوق عبادت کم ہو جاتا ہے اس پر فرشتوں کی صف میں ایک بے چینی سی پھیل جاتی ہے۔چنانچہ وہ اپنی لہروں میں اور زیادہ توانائی بھر دیتے ہیں جس سے اس آدمی کے شوق کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھتی ہے اور یہ سلسلہ زندگی بھر جاری رہتا ہے۔**ایمان ایک زبردست طاقت ہے جب ہم اس طاقت کو کاسمک ورلڈ میں چھوڑتے ہیں تو تمام فیض رساں طاقتیں ہماری مدد کرتی ہیں اور ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ہر نیک دل اور پاکیزہ کردار انسان کے اردگرد قوائے خیر یعنی فرشتوں کے پہرے لگا دیئے جاتے ہیں جو ہر مصیبت سے اسے بچاتے ہیں اور ہر الجھن میں اسے راہ دکھاتے ہیں۔**

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ''سورہ رعد آیت نمبر 11''میں فرماتا ہے۔

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے انسان کے آگے اور پیچھے چند نگران مقرر کر رکھے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''

نیک لوگوں کو تباہی کی کسی طاقت سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا نہ دشمن سے، نہ رہزن سے، نہ آگ سے، نہ سانپ سے، کیونکہ دکھ گناہ کا نتیجہ ہے اور جہاں گناہ کا وجود ہی نہ ہو وہاں دکھ کا کیا کام؟ جونہی گناہ انسان کی زندگی میں داخل ہوتا ہے وہ خفیہ پہرے دار واپس بلا لیے جاتے ہیں اور انسان بے شمار مصائب کا شکار ہو جاتا ہے۔گو کاسمک ورلڈ یا اثیر نظر نہیں آتا لیکن یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ یہ مکاں سے لامکاں تک پھیلا ہوا ہے جب کوئی جملہ ہمارے منہ سے نکلتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اثیر میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔جب ہمیں کوئی چیز بھول جاتی ہے تو پھر از خود یاد بھی آ جاتی ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ چیز کہاں سے آتی ہے؟ علمائے نفسیات کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دیکھی اور سنی ہوئی چیز ہمارے تحت شعور میں محفوظ رہی ہے اور وہاں سے نکل کر شعور میں آ جاتی ہے۔ایک نظریہ یہ ہے کہ ہر شے اثیر میں موجود ہے جب ہم کسی شے کا نام یا کسی شعر کا کوئی مصرع بھول جاتے ہیں تو کچھ بے چین سے ہو جاتے ہیں۔اس بے چینی سے کاسمک ورلڈ میں لہریں اٹھتی ہیں جو اثیری طاقتوں سے جا ٹکراتی ہیں وہ طاقتیں کتاب اثیر سے اس چیز کو تلاش کرنے کے بعد اپنا پیغام لہروں میں بھر دیتی ہیں پھر یہ لہریں ہمارے دماغ تک پہنچتی ہیں جو اس بھولے ہوئے نام یا مصرعے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

اسلامی صوفیا نے اثیر میں متعدد طبقات بتائے ہیں۔مثلاً عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت وغیرہ۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بدکار کے منہ پر سیاہی گرد اور ذلت کی ایک تہہ جم جاتی ہے۔اس کے چہرے کے خطوط بھیانک، ہڈیاں بے ترتیب ابھری ہوئیں اور آنکھیں بے نور، پیشانی پچکی ہوئی، ناک ٹیڑھی اور گالوں میں جھریاں اور گڑھے ہوتے ہیں۔دوسری طرف ایک نیک سیرت، عبادت گزار کے خدوخال میں بلا کی چمک اور دل کشی ہوتی ہے کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ **نیکی وہ پانی ہے جو جسم لطیف کے شجر کو خوشنما اور بار آور بنا دیتا ہے اور گناہ وہ باد سموم ہے جس سے خیابان روح کا ہر پودا سوکھ جاتا ہے** اور جو تازگی، لچک اور چمک ہری شاخ میں ہوتی ہے وہ خشک ٹہنی میں نہیں ہوتی۔بات یہ ہے کہ دور حاضر میں اکثر ارباب طریقت منزل اور راہ منزل ہر دو سے ناواقف اور ناآشنا ہیں۔ان میں سے بعض تسبیح و تہلیل پر زور دیتے ہیں لیکن اپنے مرید کی عملی زندگی کو قابل توجہ نہیں سمجھتے۔حالانکہ عبادت اظہار عبودیت ہے اور عبودیت اللہ تعالیٰ کی مرضی میں ڈھل جانے کو کہتے ہیں۔اس کے لیے دو قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔

1۔ ترک گناہ (کیونکہ گناہ شیطان کی غلامی اور اللہ سے بغاوت ہے) 2۔ اللہ کے ہر حکم اور ہر اشارے کی تعمیل۔

جب کوئی شخص گناہوں کو ترک کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر لیتا ہے تو یہ تعلق ایک نوری شعاع کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسے ایک نوری واسطہ کہہ سکتے ہیں جو بندے کی دعائیں اللہ تعالیٰ تک اور وہاں سے ہدایات و قبولیت کی خوشخبری بندے تک پہنچاتا ہے۔ انسان کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

1۔ ایک وہ جن کے دل ہوس سے بھرے ہوتے ہیں۔ 2۔ وہ جو صاحب نظر ہیں اور ایک جہاں ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

جب تک کوئی شخص گناہوں کو نہیں چھوڑتا روح کو بالیدگی حاصل ہو ہی نہیں سکتی اور جب گناہوں کو چھوڑ کر توبہ و استغفار کا سہارا لیتا ہوا فرائض کی بجا آوری کے ساتھ نفلی عبادات اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو روح میں تازگی شروع ہو جاتی ہے۔ **اصل عظمت روح کی عظمت ہے۔ جسے حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی خواہش میں ڈھل جائیں، عبادت، پاکیزگی اور تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیں۔** جلن، حسد، کینہ، بغض، کدورت، حرص اور دیگر سفلی جذبات کو جھٹک دیں اور دل میں نیاز و گداز اور عشق و محبت کی دنیا بسا لیں اور ہماری بصارت و سماعت کا یہ عالم ہو جائے کہ ہر ذرے میں جلوہ طور نظر آنے لگے۔

جسم کی پرواز گھر تک ہے اور روح کی پرواز عرش تک، جسمانی سماع، بصر کا دائرہ بہت محدود ہے لیکن روح کی آنکھ سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں اور اس کی طاقتور آواز تحت الثریٰ تک ایک گونج پیدا کر دیتی ہے۔ تمام جذبات عالیہ مثلاً رحم، محبت، فیاضی وغیرہ کا منبع روح ہے۔ نیاز و گداز کے چشمے یہیں سے ابلتے ہیں، وجدان کی وہ آنکھ جس کی زد سے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی باہر نہیں یہیں کھلتی ہے وہ نور جس سے شاہراہ حیات جگمگا اٹھتی ہے یہیں سے جنم لیتا ہے اور روح ہی میں وہ توانائی موجود ہے جو فطرت کی مخفی طاقتوں کو رام کرتی، اپنا بناتی اور کائنات کو تعاون پر مجبور کر دیتی ہے۔ روح میں بالیدگی پیدا کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کے ہاں ایک ہی طریقہ ہے یعنی تمام فکری، ذہنی، اور عملی آلائشوں سے پاک ہونا اور اس کے بعد عبادت یعنی محویت ہے، ایمان کی یہ کیفیت شب خیزی سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں سورہ الزمر آیت نمبر 9 فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ "کیا وہ شخص جو رات کو قیام اور سجود کی حالت میں اللہ کو بلاتا ہے اپنے اعمال سے ڈرتا ہے اور رحمت الٰہی کی امید رکھتا ہے اور وہ شخص جو ان صفات سے محروم ہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اے رسول خاتم النبیین ﷺ انہیں کہہ دو کہ ارباب علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ باتیں دانش مندوں کے لیے بیان ہوئی ہیں۔"

اب دیکھئے مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کو علم کہہ دیا ہے اور یہ درست ہے۔ **چونکہ علم ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کو مسخر کر سکتی ہے اور عبادت وہ توانائی ہے جو حدود زمان و مکاں کو توڑ کر ہمیں رب کائنات کے قرب میں پہنچا دیتی ہے**، پھر یہ تعلق ایک نورانی شعاع کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس سے دل مسخر ہوتے ہیں۔ اسرار غیب نظر آتے ہیں اور کائنات کی وسعتیں سمٹ جاتی ہیں۔ **علم سے دماغ کو اور عبادت سے روح کو نور ملتا ہے فرشتوں پر انسان کی فوقیت علم کی وجہ سے ہے اور انسانوں پر انسان کی برتری عبادت کی وجہ سے ہے۔** اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (سورۃ الحجرات:13)

ترجمہ: "بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"

پھر سورۃ النحل آیت نمبر 97 میں فرمایا: "جو ایمان دار مرد یا عورت نیک کام کرے ہم اسے ایک عمدہ زندگی بسر کرنے کے لیے آسانیاں فراہم کریں گے اور اس کے اچھے اعمال کا بہترین اجر دیں گے"۔

کردار پاکیزہ ہو تو صاحب کردار میں ایک مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے جو دوسروں کو کھینچتی ہے۔ یہ کشش عبادت سے بڑھ جاتی ہے۔ پانچ چیزوں سے چہرے پر چمک آتی ہے۔

(1) بچپن (2) جوانی (3) عمدہ غذا اور ورزش وغیرہ (4) علم (5) نور عبادت

بچپن کی چمک دو برس رہتی ہے، جوانی اور ورزش کا نور تیس برس تک ساتھ دیتا ہے، علم کی چمک 45 برس کے بعد شاذ و نادر ہی باقی رہتی ہے، **کائنات میں صرف اور صرف ایک ایسی چمک ہے جو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور وہ ہے نور عبادت۔** جسمانی لذتوں سے تو ہم سب واقف ہیں، کھانا، پینا، عمدہ لباس، موٹر، کوٹھی، یہ سب جسمانی لذتیں ہیں، ناپائیدار، سطحی اور کھوکھلی۔ جن سے انسان جلد اکتا جاتا ہے۔ جن کا انجام عموماً غم ہوتا ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسی لذتیں ہیں جن کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے، مسکین کو کھانا کھلانے سے، نادار طالب علم کی مالی امداد کرنے سے روح جھوم جاتی ہے۔ یہ خوشی عبادت اور ریاضت سے بہت بڑھ جاتی ہے، پھر کیوں نہ ان چیزوں کا ثمرہ دیدار الٰہی ہو اور تمام لذتوں، تمام مسرتوں میں بلند ترین لذت و مسرت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ تجربے اور مشاہدے کے بعد یہ چیز ہمارے سامنے آئی ہے کہ کچھ مخفی اثرات ہماری زندگی کو متاثر کرتے ہیں، جن سے ہم کسی صورت بچ نہیں سکتے۔ ان میں سے بعض اچھے اثرات ہیں جن کا منبع اللہ تعالیٰ اور ملائکہ ہیں

اور بعض برے اثرات ہیں جن کا منبع ابلیس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور ابلیس ایک زبردست حقیقت ہیں۔ جن کی خارج کردہ لہریں خیالات، افکار اور تجاویز کی صورت میں ڈھل جاتی ہیں۔ محبت، رحم، حیا، مروت، انصاف اور تسلیم ورضا کے حسین جذبات، خدائی لہروں سے پیدا ہوتے ہیں۔ نفرت، کینہ، حسد، بغض، ظلم، بے حیائی، بدکاری، بددیانتی اور شرانگیزی کی تمنا شیطان کی تخلیق ہیں۔

اول الذکر کا نتیجہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہے۔ یہ جذبات روح کا فرنیچر ہیں اور روح ہی کی طرح غیر فانی۔ مرنے کے بعد روح ان جذبات کے ساتھ اثیر میں جا پہنچے گی اور وہاں پر اچھے جذبات پھولوں اور باغیچوں کی شکل اختیار کر لیں گے اور برے آگ اور کانٹوں کی۔ انسانیت کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہماری توجہ دونوں عالم کی طرف ہو، ہمارا ظاہر مظہر جلال ہو اور ہمارا باطن مظہر جمال۔ جو سینہ آسمانی تصورات، کیفیات اور واردات سے بے خبر ہو اور جو نگاہ افق سے پرے نہ دیکھ سکے وہ بیکار محض ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی ذات سے عشق ممکن ہے جو نہ صرف آنکھوں سے پوشیدہ ہے بلکہ قوت متخیلہ بھی اس کی کوئی تصویر نہیں کھینچ سکتی؟ ہاں ممکن ہے۔ کیا ہم تاج محل کو دیکھ کر اس کے معمار کی تعریف نہیں کرتے؟ یا ہم ایک عمدہ غزل پڑھ کر شاعر کو داد نہیں دیتے؟ کیا ہم ایک دلکش ریکارڈ سن کر مغنی پر تحسین نہیں برساتے، کیا غالب، رومی، حافظ، خیام، سینا اور رازی جیسے باکمال افراد سے ہم بن دیکھے محبت نہیں کرتے؟ کیا ہم شام صحرا کے سکوت میں غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر بے اختیار نہیں پکارتے واہ، واہ سبحان اللہ اس کا نام تسبیح ہے تسبیح میں گہرائی آجائے تو عبادت بن جاتی ہے اور عبادت بالآخر عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جسم کو دو آنکھیں دی ہیں اور روح کو ایک آنکھ۔ روح کی اس ایک آنکھ کا نام وجدان ہے۔ یہی وہ آلہ بصارت ہے جس کی زد میں لامکاں بھی ہے اور صاحب لامکاں بھی۔ اس کے لیے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ

دل بینا تو کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اسلام میں عقلیت کے خلاف پہلی جنگ غزالی نے کی اور جرمنی میں کانت نے۔ دونوں میں یہ فرق ہے کہ کانت تو یہ کہہ کر رک گیا کہ اللہ کو عقل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، مگر غزالیؒ نے کہا کہ اللہ کو وجدان کی آنکھ سے دیکھا بھی جا سکتا ہے اور اس طرح امام غزالیؒ نے ایمان کے لیے ایک نئی اساس کی تلاش کر لی۔

زمین کی تمام تر رونق انسان سے ہے اور انسانیت انسان کی عقل سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ عقل کہاں سے آتی ہے؟ کیا پہاڑوں سے نکلی؟ یا پانی سے پیدا ہوئی؟ یا فضاؤں سے برسی؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ جہان مخفی (اثیر) سے آئی۔ انسان کے دیگر جذبات غم و مروت بھی اسی دنیا سے آئے ہیں۔ پھولوں میں ایک مخفی ہاتھ رنگ و بو بھر رہا ہے۔ کوئی ایسی بھٹی لازماً موجود ہے۔ جس میں دیودار کے سینکڑوں فٹ طویل شہتیر ڈھل رہے ہیں۔ آم، آڑو اور سیب ذائقہ اور لذت میں فرق کیوں ہیں؟ جب کہ تمام درخت ایک ہی طرح کا پانی وصول کرتے ہیں، روشنی اور دھوپ بھی یکساں ہے، پھر یہ راز بھی آج تک نہ کھل سکا کہ چند کتابیں پڑھنے کے بعد بصیرت میں جلا (روشنی) کہاں سے آجاتی ہے؟ آدمی عقلمند کیسے بن جاتا ہے؟ تجویز کہاں سے آتی ہے؟ نئی خواہش کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ اگر ایک درخت پر صرف ایک مخفی کارکن بھی ہو تو ان کارکنوں کی تعداد کا حساب لگائیں؟ اور پھر اگر ایک پھول میں صرف ایک کارکن رنگ و بو بھر رہا ہو تو ان ہاتھوں کو گنیں۔ معاً ہمیں یقین ہو جائے گا کہ اس کائنات کے کتنے فیصد پہلو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے وہ دس فیصد بھی نہیں ہے۔ جب ہم کائنات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق ہر فعل اور ہر قدم ہمارے فائدے کے لیے ہے۔ یہ بادل ہمارے کھیتوں کے لیے ہیں، یہ درخت ہمارے لیے پھل، سبزیاں، جانور، دھوپ، روشنی، ہوا، پانی، آگ، پھر یہ خزاں، بہار، یہ زمین و آسمان، یہ چاند سورج، سب کے سب ہمارے لیے اور ہماری خدمت کے لیے لگا دیئے گئے ہیں۔ ہماری جسمانی ضرورت کے ساتھ ساتھ اس نے ہماری روحانی تقاضوں کی تسکین کا بھی انتظام کیا ہوا ہے؟ اس نے سینکڑوں کتابیں اتاریں، لاکھوں انبیاء بھیجے، علماء اور اولیاء کا ایک تانتا باندھ دیا، اس نے اپنی ہر تخلیق ہمارے فائدے کے لیے بنائی۔ اسی بنا پر ہم اسے رب العالمین، رحیم، کریم کہتے ہیں، تو پھر یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ فیض رساں، لطیف اور جمیل رب کو انہی لوگوں سے پیار ہو سکتا ہے۔ جن میں رحم، محبت، فیاضی، خدمت اور مروت کی خدائی صفات اور اوصاف موجود ہوں۔ فیاض رب بے فیض لوگوں کو کیسے پسند کر سکتا ہے؟۔ ساری کائنات سے محبت کرنے والا، ظالم سنگدل اور جفا کار کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ پاکیزہ، لطیف اور جمیل اللہ تعالیٰ کی دوستی ناپاک، غلیظ اور بدکار افراد سے کیسے ہو سکتی ہے؟ **اعلیٰ اور ارفع اعمال ہی وہ رشتہ ہے جو ہمیں رب کائنات سے منسلک کر سکتا ہے۔** یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد جہاں مخفی کی تمام اچھی طاقتیں (ملائکہ اور ارواح) ہماری معاون بن جاتی ہیں۔ ہر معاملے میں ہماری مدد کرتی ہیں۔ اُم موسیٰؑ کا دریا میں بہایا ہوا صندوق ساحل پر لگاتی اور موسیٰؑ اور شعیبؑ کی ملاقات کا

انتظام کرتی ہیں۔ جومخفی ہاتھ گلہائے چمن میں رنگ بھر رہا ہے وہ ہماری زندگی کو بھی رنگین بنا سکتا ہے۔ وہ ملاح جو آسمان کی نیلگوں جھیل میں گھٹاؤں کے سفینے چلا رہا ہے وہ ہماری جیون کی کشتی کو بھی ساحل آشنا کرسکتا ہے۔ اور وہ حنا کی انگلیاں جو کلی کو گدگدا کر پھول بنا رہی ہیں۔ وہ ہماری غنچہ آرزو کو بھی کھلا سکتی ہیں۔لیکن شرط یہ ہے کہ ہم کوئی ایسی حرکت نہ کریں جن سے ان مخفی طاقتوں کا مزاج برہم ہوجائے۔ جن لوگوں نے اس مخفی دنیا سے رابطہ قائم کیا۔ یعنی انبیاء اور اولیا وغیرہ ان کا تجربہ یہ ہے کہ یہ طاقتیں نیکی سے خوش ہوتی ہیں اور گناہ سے ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔

اس کائنات میں اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ہر واقعہ ایک سکیم اور پلان کے تحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''نافرمانوں پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت ہمیشہ ٹوٹتی رہتی ہے''۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 62)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، گناہ سے بچتا اور اچھی باتوں کو پسند کرتا ہے ہم اس کے لیے آسانیاں (فراخی، رزق، سکون) بہم پہنچائیں گے۔ دوسری طرف جو آدمی بخل کرتا ہے لوگوں کی تکلیف سے بے نیاز رہتا ہے اور اچھی باتوں کو جھٹلاتا ہے ہم اسے دکھ اور تنگی رزق میں مبتلا کر دیتے ہیں''۔ (سورۃ اللیل آیت نمبر 10-5)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ **زندگی کا سفر اللہ سے شروع ہو کر اللہ ہی پر ختم ہوتا ہے۔ گویا انسان کی آخری منزل اللہ ہے۔** قرآن پاک میں ہے

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی   (سورۃ النجم، آیت نمبر 42)   ترجمہ: ''بے شک تمہاری آخری منزل اللہ ہے''

کوئی مسافر منزل کے تصور سے غافل نہیں ہوسکتا۔ وہ پورا خیال رکھتا ہے کہ راہ سے بھٹک نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص کرم نوازی ہے کہ اس نے منزل کی تمام علامات ہمیں بتا دی ہیں۔ پگڈنڈیوں سے خبردار کر دیا ہے۔ غاروں اور گڑھوں کا پتہ بتا دیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ'' ہماری جبروت وعزت کے گن گانے والے اور راتوں کو ہمارے حضور میں گڑگڑانے والے نہ تو راہ سے بھٹکیں گے اور نہ ہی مصائب کا شکار ہوں گے۔ فرمان الٰہی ہے''۔ (سورۃ الحج آیت نمبر 77)

ترجمہ: ''اے ایمان والو اللہ کے آگے جھک جاؤ، سجدے کرو، صرف اسی کی عبادت کرو اور نیکی کی شاہراہ پر بڑھتے چلے جاؤ۔ تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو''

جس طرح انسانی تعلقات کے کئی درجے ہوتے ہیں مثلاً شناسائی پھر دوستی، پھر محبت پھر گہری محبت اور آخیر میں عشق اسی طرح اللہ تعالیٰ سے تعلقات کے بھی کئی کئی مراحل ہیں۔ پہلے ترک گناہ، پھر توبہ، پھر عبادت، پھر بلند اعمالی، پھر شب بیداری اور آخیر میں فنافی الذات۔ **اس لیے اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان گناہ چھوڑ دے۔** جھوٹ، غیبت، فریب، ظلم، کینہ، حسد، بد دیانتی، بے رحمی، رعونت، لالچ، حرص اور تمام رذائل ترک کرنے کے بعد دوسرا قدم اٹھائے کہ اعمال اور خیالات میں بلندی و پاکیزگی پیدا کرے ان اقدام کا یہ فائدہ ہوگا کہ دماغ خوف وخطر سے آزاد ہوجائے گا۔ نہ دنیا میں کسی محاسبے کا ڈر ہوگا نہ آخرت میں۔

انسانی دماغ پر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ جو اچھا نغمہ سن کر پیدا ہوتی ہے۔ ایک وہ جو عمدہ شعر سے طاری ہوتی ہے اور ایک وہ ہے جو مشاہدہ جمال وتماشہ حسن سے پیدا ہوتی ہے اور ایک وہ جو ذکر الٰہی سے جنم لیتی ہے۔ اس کیفیت کا رنگ ہی جدا ہے یہ تمام دیگر کیفیات سے عمیق اور دیرپا ہے۔ **ذکر الٰہی بظاہر اسمائے الٰہی یا کلام الٰہی کی تکرار ہے لیکن درحقیقت یہ روح کا سفر ہے۔** روح میں یقین اور ایمان کی حرارت پیدا ہوتی ہے اور کائنات کے جسم میں ایک روح عظیم رواں دواں نظر آنے لگتی ہے۔ اس کے بعد پہاڑوں کے ان بلند و پست سلسلوں میں اور ستاروں کی بکھری ہوئی محفل میں چشم وجدان ایک ایسا رشتہ دیکھ لیتی ہے۔ جو زماں و مکاں کی تمام تفریقات کو مٹا دیتا ہے۔ اس وجدان کے مقابلے میں عقل ایک ادنیٰ اور سطحی چیز ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینے کے بعد دل میں آسمانی سکون پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو اپنی غیر معمولی طاقتوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔ بہارستان کائنات کی ہر روش پر کسی کے لطیف قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ کثرت میں وحدت نظر آنے لگتی ہے اور خفیہ طاقتیں ہمارے پاکیزہ ارادوں کی تکمیل میں ہماری معاون بن جاتی ہیں۔

****

روح کا عِلم

حضرت علی کا سلسلہ کچھ اِس طرح سے ہَے۔

1۔حضرت علیؓ

2۔حضرت امام حسنؓ

3۔حضرت امام حسینؓ

4۔حضرت زین العابدینؒ بن حسین

5۔حضرت امام باقرؒ بن زین العابدین

6۔حضرت امام جعفرؒ صادق بن امام باقر

7۔امام موسی کاظم ؒ بن جعفر صادق

8۔امام علی رضا بن موسی کاظم ؒ

امام جعفر صادقؒ جو حضرت امام محمد باقرؒ کے فرزند تھے۔اسلامی دنیا کے مفکر اعظم ہَیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقرؒ کی درس گاہ میں تدریس کے فرائض ادا کرتے رہے۔اِس درس گاہ میں ہر شخص کو علم سیکھنے کی اجازت تھی۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کے شاگردوں میں بڑے بڑے محقق،مفکر اور سائنٹسٹ پیدا ہوئے ہَیں۔

ہر انسان جانتا ہے کہ زندگی آہستہ آہستہ فنا کی طرف جاتی رہتی ہے اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جس دن وہ نابود ہو جائے گا۔اور اس عمل سے خواہ کوئی امیر ہو۔غریب ہو یا بادشاہ ہر ایک کو گزرنا ہے۔

انسان فطری طور پر موت سے گھبراتا ہے۔اِس لیے کہ مرنے کے بعد کی زندگی پر اس کا یقین شک سے آزاد نہیں ہے۔انسان کی ساری دلچسپیاں دنیا کی لذت کے تابع ہیں۔اگر انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اِس دنیا کی زندگی کے بعد کی زندگی بھی اِس دنیا کی طرح ہے تو موت کا خوف اُس کے ذہن سے نکل جائے انسان کو اس بات کی پریشان کرتی رہتی ہے کہ عمر محدود ہَے۔اگر یہ ختم ہوگئی تو دنیا کی تمام لذتیں اور آسائش بھی ختم ہو جائیں گی۔

کتاب "سُپر برین ان اسلام" میں حضرت امام جعفر صادقؒ اور حضرت جابرؒ کا ایک مکالمہ درج ہَے۔

حضرت جابرؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے سوال کیا کہ:

حضرت جابرؒ" کیا دین اسلام میں پاداش (سزا) کی بنیاد موت سے ڈرنے پر رکھی گئی ہے"۔

حضرت جعفر صادق ؒ:۔"موت سے ڈرنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ موت کے بعد پاداش سے خوف کی بنیاد پر۔مومن مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔بلکہ اُسے موت کے بعد سزا کا ڈر ہوتا ہے۔وہ موت کے بعد سزا سے بچنے کے لیئے ساری عمر جن باتوں سے منع کیا جاتا ہے اُن سے پرہیز کرتا ہَے۔ایک مومن مسلمان جو ساری عمر گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔میں کہہ سکتا ہوں کہ جب وہ موت کی دعوت کو لبیک کہتا ہے تو اُس کی روح آسانی سے جسم سے پرواز کر جاتی ہَے"۔

حضرت جابرؒ:۔"خداوند تعالی جو انسان کو تخلیق کرتا ہَے۔اسے کیوں مارتا ہَے"؟

امام جعفرؒ:۔"اے جابر!میں نے کہا ہَے کہ جس طرح عام لوگ تصور کرتے ہیں۔موت اُس طرح نہیں ہَے۔بلکہ یہ ایک حالت کی تبدیلی ہے۔میں اِس بات کو دہراتا ہوں کہ ایک مومن مسلمان اگر عالم ہَے تو وہ حالت کی تبدیلی سے نہیں ڈرتا کیونکہ اُسے علم ہے کہ وہ اس موت کے بعد زندہ ہو جائے گا۔پھر فرمایا اے جابر!تو اپنی ماں کے پیٹ میں زندہ تھا یا نہیں"؟

حضرت جابرؒ"ہاں میں زندہ تھا"۔

حضرت امام جعفر صادق ؒ:۔"تو ماں کے پیٹ میں کھاتا تھا یا نہیں؟"

حضرت جابرؒ:۔"ہاں کھاتا تھا"-

امام جعفر صادقؑ:" کیا تو ماں کے پیٹ میں ایک مکمل چھوٹا انسان شمار ہوتا تھا یا نہیں"؟

حضرت جابرؓ:۔"میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میں ایک مکمل انسان تھا"۔

حضرت جعفر صادقؑ:" کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے ماں کے پیٹ میں موت کے بارے میں فکر کی تھی یا نہیں"؟

حضرت جابرؓ:۔" مجھے یاد نہیں کہ میں ماں کے پیٹ میں موت کے بارے میں غور وفکر کرتا تھا یا نہیں"؟

حضرت جعفر صادقؑ:۔"اچھا یہ بتاؤ کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری غذائیں کیا کیا تھیں"؟

حضرت جابرؓ:۔"ماں کے پیٹ میں زندگی کی حالت کے بارے میں مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے"۔

حضرت جعفر صادقؑ:۔" کیا اپنی زندگی کو اِس جہان میں اچھا سمجھتے ہو یا ماں کے پیٹ کی زندگی اچھی تھی"؟

حضرت جابرؓ:۔"ماں کے پیٹ میں میری زندگی بہت مختصر صرف نو ماہ تھی -"

حضرت جعفر صادقؑ:۔"وہ نو ماہ کی مدت جو تم نے ماں کے پیٹ میں گزاری ہے۔شاید وہ نو ماہ کی مدت میں اِس دنیا کی اسّی یا نوے سال کی عمر سے جو تم اس دنیا میں گزادو گے۔تمہیں زیادہ نظر آئے گی۔ کیونکہ زمانہ، ہر قسم کے حالات، تمام لوگوں کے کے لیئے ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کبھی چند گھنٹے تم نے ایسے گزارے ہوں گے کہ تم نے سمجھا ہوگا ایک گھنٹہ گزر رہا ہے۔اور کبھی تمہارے لیے ایک گھنٹہ اس قدر لمبا ہوگا کہ تمہارا خیال ہوگا کہ تم نے چند گھنٹے گزارے ہیں۔اس لیے ہی کہتا ہوں کہ جو نو ماہ کی مدت تم نے ماں کے پیٹ میں گزاری ہے شاید وہ تمہیں اِس موجودہ دنیا کی عمر سے بھی طویل محسوس ہوئی ہوگی"۔

اے جابر تو ماں کے پیٹ میں ایک مکمل اور زندہ انسان شمار ہوتا تھا۔اور باشعور بھی تھا۔ باشعور ہونے کی نسبت سے شاید تمہاری کچھ آرزوئیں بھی ہونگی اور اَب جب کے تم اِس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہو۔تمہیں ماں کے پیٹ کے زمانے کی کوئی معمولی سی بات بھی یاد نہیں ہے۔کیا تم جو ایک فاضل انسان ہو یہ گمان نہیں کرنے کہ تمہارا ماں کے پیٹ سے باہر نکلنا اور اِس دنیا میں داخل ہونا شاید اسی طرح کی موت تھی؟ کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تو تم چاہتے تھے کہ وہیں رہو اور وہاں سے ہرگز باہر نہ نکلو؟

تمہارا خیال تھا کہ ماں کے پیٹ سے بہتر اور کوئی آرام وہ جہاں موجود نہیں ہے۔اور پھر جب تم ماں کے پیٹ سے نکالے گئے (جس کے بارے میں میں نے کہا ہے کہ وہ موت کی ہی (ایک قسم ہے) اور اِس جہاں میں پہنچے تو تم نے رونا دھونا شروع کر دیا۔لیکن کیا آج تم اِس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ جس دنیا میں تم یہ زندگی گزار رہے ہو وہ ماں کے پیٹ کی دنیا (کی زندگی) سے کہیں بہتر ہے"؟

جابرؓ نے کہا:۔"اس کے باوجود کے مجھے ماں کے پیٹ میں اپنی زندگی کی کیفیت کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔ میں اِس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میری موجودہ زندگی ماں کے پیٹ کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے"؟

امام جعفر صادقؑ:۔" کیا موضوع کا قرینہ نہیں بتاتا کہ موت کے بعد ہماری زندگی اِس دنیا کی زندگی سے بہتر ہوگی"۔

جابرؓ:"اگر اِس دنیا سے بدتر ہو تو پھر"؟

امام جعفر صادقؑ:۔"جو لوگ اِس دنیا میں اللہ تعالی کے احکامات پر عمل کرتے ہیں اُن کی دوسرے جہان کی زندگی اِس موجودہ جہان کی زندگی سے بہتر ہوگی۔اِس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالی نے اِس موضوع کے بارے میں اپنے بندوں سے واضح وعدہ کیا ہے۔لہٰذا عقلی لحاظ سے بھی یہی بات درست ہے۔علاوہ ازیں خداوند تعالی دانا، توانا اور عادل ہے۔وہ حاسد نہیں ہے کہ اپنے بندوں کو اچھے جہان سے بُرے جہان کی طرف لے جائے۔اگر ہم اِس بات کی قائل ہیں کہ انسان تخلیق کا مقصد اُسے کمال تک پہنچانا ہے تو ہمیں یہ بات قبول کرنی چاہیے کہ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اُس کے کمال میں اضافہ کرتا ہَے۔حتیٰ کے اگر اللہ تعالی نے صریحاً اور کسی ابہام کے بغیر اپنے بندے کو موت کے بعد ان کے اچھے اعمال کا اجر دینے کا وعدہ بھی نہ کیا ہوتا اور یہ نہ کہا ہوتا کہ وہ ابدی سعادت سے بہرہ مند ہوں گے پھر بھی ہماری عقل یہ سمجھتی۔

کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد اُسے کامل انسان بنانا ہَے۔لہٰذا اُس جہاں میں انسان کی زندگی کی حالت اِس زندگی کی حالت سے بہتر ہوگی-

پھر امام جعفر صادقؑ نے پوچھا"اے جابرؓ کیا تمہاری روح جو تم سے جدا ہوتی ہے وہ نقل مکانی کرتی ہے؟ کیا وہ غذا کھاتی ہے"؟

حضرت جابرؓ نے کہا:"ہاں"

امام جعفر صادقؒ نے پوچھا: "کیا پانی پیتی ہے"؟

حضرت جابرؒ نے کہا : "ہاں "

امام جعفر صادقؒ نے پوچھا: "کیا جس وقت تمہاری روح کھانے پینے میں مصروف ہوتی ہے تو کیا تمہارے منہ سے کھاتی ہے "۔

حضرت جابرؒ نے کہا: "نہیں "

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: "اِس کے باوجود کہ اس کا منہ نہیں ہے تم سوتے ہوئے خواب میں غذا کی لذت اور پانی کا مزہ محسوس کرتے ہو "؟

حضرت جابرؒ نے کہا: "ہاں"

حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: "جب تم خواب دیکھتے ہو تو تمہاری روح چلتی ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا پہنچتی ہے (مادی) آنکھ نہیں رکھتی لیکن دیکھتی ہے اس کے (مادی) کان نہیں ہوتے لیکن سنتی ہے۔ اِس کا (جسمانی) منہ نہیں ہوتا لیکن وہ غذا کھاتی ہے اور پانی پیتی ہے۔ لہذا تمہاری روح ایک آزاد زندگی کی حامل ہے اور خواب دیکھنے کے دوران تمہاری روح کو زندگی گزارنے کے لیے تمہاری جسم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی "۔

حضرت جابرؒ نے کہا : "اگر میرا جسم نہ ہو تو میں ہرگز خواب نہیں دیکھ سکتا"۔

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: "خواب نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہاری روح تمہارے جسم کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے۔ یاد رکھو میں نے کہا کہ میں فرض کر رہا ہوں کہ تم مسلمان نہیں ہو اور میں ایک ایسے شخص سے مخاطب ہوں جو اپنے آپ کو دوسری دنیا میں لے جاتا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ اگر تمھارا جسم نہ ہو تو تم خواب نہیں دیکھ سکو گے اور میں نے تمہارے قول کی تصدیق کی ہے۔ اَب تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا خواب دیکھنے کے دوران تمہاری روح ایک آزاد زندگی کی حامل ہو جاتی ہے اور جہاں جانا چاہتی ہے جاتی ہے اور جو کرنا چاہتی ہے کرتی ہے کیا وہ وجود رکھتی ہے یا نہیں"؟

حضرت جابرؒ نے کہا : "ہاں رکھتی ہے "۔

امام جعفر صادقؒ نے پوچھا: "کیا روح کے خواب دیکھنے کے دوران موجود ہونے اور اُس کی آزادانہ زندگی میں تمہیں کوئی شک ہے یا نہیں"؟

حضرت جابرؒ نے کہا: "کوئی شک نہیں"

حضرت قلندر بابا اولیاءؒ بھی حضرت علیؓ کے (سلسلے) اولاد میں سے تھے۔ آپؒ نے موجودہ سائنسی ذہن کے مطابق موت اور زندگی کی عقدہ کشائی کی ہے۔

حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کے ایک شاگرد نے پوچھا "سرکار روح اور مادی وجود کیا ہے "؟ آپ نے جواب دیا "جسمانی وجود روح کا لباس ہے۔ ہر انسان اس بات سے واقف ہے کہ وہ جسم کو چھپانے کے لیئے۔ اور جسم کو گرم وسرد سے محفوظ رکھنے کے لیے لباس پہنتا ہے یہ لباس۔ درختوں کی چھال کا ہو۔ کھال کا ہو۔ سوت کا ہو۔ اُون کا ہو یا نائلون کا ہو۔ لباس کی تعریف یہ ہے کہ وہ جسم کو اِس طرح ڈھانپ لے کہ جسم اس میں پوری طرح چھپ جائے اور لباس ظاہر ہو جائے۔ ایسی صورت میں لباس کی حرکت جسم کے تابع ہوگی۔ جسم میں حرکت ہوتی ہے تو لباس میں حرکت ہوتی ہے جسم میں حرکت نہیں ہوتی تو لباس میں بھی حرکت نہیں ہوگی"۔

شاگرد نے کہا "سرکار اِس کی مزید وضاحت کر دیجیے "۔ آپؒ نے جواب دیا "ایک آدمی ہے گوشت پوست اور اعضاء سے مکمل آدمی اُس آدمی نے لباس پہن لیا۔ جسم کے اوپر حصّے پر قمیض پہن لی اور باقی حصّے پر شلوار یا پتلون کچھ بھی۔ اگر اَب ہم اُس سے کہیں۔ کپڑے والی آستین کو ہلاؤ لیکن ہاتھ نہ ہلے۔ تو یہ نہیں کر سکتا۔ وہ بندہ اس سلسلے میں عاجز ہے۔ اِس لیئے کہ آستین کی حرکت جسمانی وجود کے تابع ہے جسمانی وجود، یعنی ہاتھ ہلے گا تو قمیض ہلے گی۔ ہاتھ نہیں ہلے گا تو قمیض نہیں ہلے گی"۔

اِس کو اِس طرح سمجھو یہ آسان مثال ہے: قمیض شلوار کو چارپائی پر اِس طرح لٹا دیا جائے کہ جس طرح یہ کوئی پہنتا ہے۔ اب اِس لباس سے کہا جائے کہ تو اٹھ کر بیٹھ جا تو لباس میں ہرگز کوئی حرکت نہیں ہو گی۔ یعنی جسم کے اوپر لباس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لباس جسم کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے اور اِس طرح جسم کے تابع ہے کہ جسم ہلے گا تو لباس ہلے گا۔ جسم میں حرکت ہوگی تو لباس میں حرکت ہو گی۔ جسم میں حرکت نہیں ہو گی تو لباس میں حرکت نہیں ہو گی"۔

آپؒ نے فرمایا "پس میں یہ کہہ رہا ہوں کہ روح اصل ہے۔ جسم قائم مقام ہے۔ یعنی مادی وجود جن عناصر کا مرکب ہے وہ جسم ہے۔ روح جب تک عناصر سے مرکب تخلیق یعنی مادی وجود کو اپنے اوپر لباس کی طرح لپیٹے رہتی ہے تو مادی وجود میں حرکت رہتی ہے "۔

شاگرد نے پوچھا "کیا عناصر سے تخلیق شدہ مادی وجود کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے "؟

آپؑ نے فرمایا "حیثیت ہے! لیکن حرکت میں ذاتی عمل دخل نہیں ہے۔اور اِس کی مثال ہمارے سامنے مردہ اجسام کی ہے۔کسی بھی مادی وجود سے جب روح اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو مادی وجود کے تمام اعضاء موجود ہونے کے باوجود اِن میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔مذہبی رسومات کے بعد اِس مردہ جسم کو قبر میں اتار دیا جائے، جلا دیا جائے یا کوؤں کو ڈال دیا جائے۔پوسٹ مارٹم کر کے عضو وعضوا لگ الگ کر دیا جائے۔مادی وجود میں کوئی حرکت واقع نہیں ہوتی۔لیکن اِس کے برعکس جب روح مادی وجود کو لباس کی طرح پہنے رکھتی ہے تو سوئی چبھنے کا درد بھی محسوس ہوتا ہے"۔

شاگرد نے پوچھا "حضرت جب مادی وجود کی حیثیت صرف لباس کی سی ہے اور روح اصل جسم ہے تو کیا مرنے کے بعد روح کھاتی پیتی۔سوتی جاگتی۔پہنتی اوڑھتی بولتی ہے اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتی ہے؟ اگر مصروف رہتی ہے تو پھر اس مادی وجود کی حیثیت کیا ہوئی"؟

آپؑ نے فرمایا "اِس کی مثال یہ ہے آدمی خواب دیکھتا ہے۔خواب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں کوئی کہتا ہے خواب محض خیالات ہوتے ہیں۔کوئی کہتا ہے خواب ناآسودہ خواہشات کا عکس ہے۔ہر شخص اپنی فکر اور اپنے علم کے مطابق خواب کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتا ہے۔لیکن اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح گوشت پوست کے جسم کے ساتھ روح حرکت کرتی ہے اِسی طرح گوشت پوست کے جسم کے بغیر روح متحرک رہتی ہے۔جب روح متحرک رہتی ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اِس دنیا کی طرح دوسری دنیا میں بھی۔خواہشات، جزئیات، احساسات اور تسکین کے عوامل موجود ہوتے ہیں۔ہر شخص ایک یا دو خواب ایسے ضرور دیکھتا ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد جب وہ بیدار ہوتا ہے تو خواب میں کئے ہوئے اعمال کا اثر اُس پر باقی رہتا ہے۔اس کی ایک بڑی واضح مثال خواب میں کئے گئے اعمال کے نتیجے میں غسل کا واجب ہونا ہے۔جس طرح کوئی شخص بیداری میں جنسی لذت حاصل کرنے کے بعد ناپاک ہو جاتا ہے اور مذہباً اِس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔اِسی طرح خواب میں کئے گئے اِس عمل کے بعد بھی اُس پر غسل واجب ہو جائے گا۔اور وہ اُس وقت تک نماز ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ غسل جنابت سے فارغ نہ ہو۔اِس مثال سے یہ واضح ہوا کہ روح مادی وجود کے بغیر بھی اگر حرکت کرے تب بھی مادی وجود پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔بشرطیکہ جسم پر پوری طرح موت وارد نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ ہمارا مذہب نیند کو آدھی موت قرار دیتا ہے"۔

حضرت جعفر صادقؒ کے ارشاد کے مطابق "اگر روحانی وجود کا علم حاصل کر لیا جائے تو مادی وجود کی ثانوی حیثیت مشاہدہ بن جاتی ہے"۔

رسول پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا": مرجاؤ مرنے سے پہلے " (مفہوم حدیث مشکوۃ شریف)

مرجاؤ مرنے سے پہلے کا مفہوم یہ ہے کہ اِسی زندگی میں رہتے ہوئے مرنے کے بعد کی زندگی کا علم حاصل کرلو۔انسان کو جب روح کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔تو اِس کے اوپر سے موت کا خوف نکل جاتا ہے۔

جیسا کہ امام جعفرؒ نے فرمایا "خداوند تعالیٰ دانا، توانا اور عادل ہے۔وہ حاسد نہیں ہے کہ اپنے بندوں کو اچھے جہان سے برے جہان کی طرف لے جائے"۔

جب ہم کسی بھی علم کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو اِس کے لیئے ہمیں ایسی فکر اور سوچ کی ضرورت ہوتی ہے جو گہرائی میں سفر کرے۔سطحی سوچ سے کسی بھی علم کی تہہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔دنیا کا کوئی بھی علم ایسا نہیں ہے جس کی بنیاد میں تحقیق، تجسس، تلاش اور گہرائی نہ ہو۔

خالق کائنات نے جب حضرت آدمؑ کو علم الاسماء عطا کر دیا اور اپنی تخلیقی صفات سے آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا تو آدم علیہ السلام کا یہ علم پوری نوع انسانی کا ورثہ بن گیا۔

تخلیق کا فارمولا یہ ہے کہ انسان کے اندر روح کام کر رہی ہے اگر انسان کے اندر یا آدم زاد کے اندر روح موجود نہیں ہے تو آدم زاد کا وجود نا قابل تذکرہ ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔جب خالق کائنات نے حضرت آدمؑ کے اندر اپنی روح پھونک دی تو اُس کے اندر حواس بیدار ہو گئے۔

روح کیا ہے؟

روح (خالق کائنات) اللہ تعالیٰ کا ایک امر ہے۔اللہ تعالیٰ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہوجا" اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔(کن فیکون)

بچے میں اگر روح نہ ہو تو بچہ مردہ کہلائے گا۔

روح جسم کی تشکیل اور پیدائش کے بعد جسم کو بڑھاتی ہے۔لیکن بڑھنے کے اِس عمل سے پہلا جسم غائب ہوتا رہتا ہے۔ہر پہلے منٹ کو فنا ہے اور ہر دوسرے منٹ کو بقا ہے ہر تیسرے منٹ کو فنا ہے اور ہر چوتھے منٹ کو بقا ہے۔فنا غیب ہے اور بقا شہود ہے۔(حاضر ہے)

ساری کائنات غیب اور شہود کی ایک بیلٹ پر چل رہی ہے۔جو چیز کبھی شہود ہوتی ہے۔وہ غیب میں چلی جاتی ہے۔غیب اور شہود دونوں ایک دوسرے سے اِس طرح چپکے

ہوئے ہیں کہ غیب کو شہود سے اور شہود کو غیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالی نے اِس کائناتی نظام کو غیب اور شہود پر متحرک رکھا ہوا ہے۔اس میں دن اور رات بھی شامل ہیں۔یہ تغیر وتبدل حیات وممات کو قائم رکھنے کے لیئے ضروری ہے۔ حیات اور ممات کو قائم رکھنے کے لیئے مخلوق کو ایک نظام کے تحت وسائل کا پابند اور محتاج رکھنا بھی ضروری ہے۔ہم سب ہَوا، پانی اور غذا کے محتاج ہیں۔اگر پانی یا ہوا نہ ہو تو زمین مردہ ہو جائے گی۔مخلوق ختم ہو جائے گی اس سارے سسٹم میں اصل حیثیت روح کی ہے۔کائنات میں جتنی بھی اشیا ہیں ہر شے میں روح ہے اور جو چیز ہمیں آنکھوں سے نظر آ رہی ہے وہ اِسی روح کا لباس ہے۔اگر روح اپنا رشتہ منقطع کرے تو یہ جسم منتشر ہو جاتا ہے۔

روح سے واقفیت حاصل کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ دنیا کی دلچسپیاں کم کر کے زیادہ وقت ذہن کو اللہ تعالی کی طرف متوجہ رکھا جائے۔**روحانیت میں ایک نقطے پر توجہ مرکوز کرنے کا نام مراقبہ ہے۔مراقبہ ایسے عمل کا نام ہے جس میں کوئی بندہ بیداری کی حالت میں رہ کر بھی اُس عالم میں سفر کر سکتا ہے جس کو ہم روحانی دنیا کہتے ہیں روحانی دنیا میں داخل ہونے کے بعد بندہ اُس خصوصی تعلق سے واقف ہوجاتا ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان بحثیت خالق ومخلوق ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔**

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان دو رخوں پر زندہ ہے ایک ظاہر رخ اور ایک باطن رخ جب انسان ظاہری رخ میں ہوتا ہے تو وہ باطنی رخ سے دور ہو جاتا ہے۔اور جب اسکے اوپر باطنی رخ کی دنیا روشن ہوتی ہے تو ظاہری رخ کی دنیا چھپ جاتی ہے۔

اِس طرح ہر انسان کا ظاہر اور باطن زندگی گزار رہا ہے۔اللہ تعالی نے جب کن کہا تو یہ عالم غیب میں تھا عالم ارواح میں تھا۔اور پھر عالم ارواح سے سفر کر کے عالم ناسوت میں آنا عالم ظاہر کا رخ ہے۔اللہ تعالی فرماتا ہے:(سورہ انعام آیت نمبر 2)

ترجمہ:''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (پھر مرنے کے لیئے) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اُس کے ہاں اور مقرر ہے۔پھر بھی تم شک کرتے ہو"۔

سورۃ المومنوں آیت نمبر 14-12 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: "ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا پھر اِس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا کر رکھ دیا۔پھر نطفہ کا لوتھڑا بنایا۔پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا۔پھر اِس کو نئی صورت دی۔ تو اللہ ہی سب سے بہتر بنانے والا بڑا ہی بابرکت ہے اللہ"۔

اِس دنیا میں جو بھی آتا ہے اور جو بھی یہاں سے جاتا ہے اُس کی زندگی کا دارومدار روح پر ہے۔جب تک جسم میں روح رہتی ہے جسم زندہ رہتا ہے اور جب روح جسم کو چھوڑ دیتی ہے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے۔اِس روح کے بارے میں سوہ الحجر، آیت نمبر 29-28 میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر بناتا ہوں۔جن میں اُس کو درست کرلوں اور پھر میں اُس میں اپنی روح پھونک دوں تو اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا"۔

اُس کا مفہوم یہ ہَوا کہ اللہ تعالی نے بشر میں (آدم میں) اپنی روح پھونکی ہے۔اَب ہم یوں کہیں گے کہ یہ ساری کائنات دراصل اللہ تعالی کی پھونک کا کرشمہ ہے۔پھونک ہی روح ہے۔پھونک ہے تو جہاں ہے۔پھونک ہے تو کائنات ہے اور پھونک ہے تو روح ہے۔روح ہے تو زندگی ہے۔

ہر ذی روح کی زندگی کا دارومدار سانس پر ہے۔سانس کے لیئے دو حرکتیں متعین ہیں۔سانس اندر جاتا ہے اور سانس باہر آتا ہے۔سانس کا اندر جانا اور سانس کا باہر نکلنا پھونک سے قریب تر ہے۔اور زندگی کے تمام حواس، زندگی کی تمام قدریں، زندگی کے تمام تقاضے سب اِس سانس پر قائم ہیں۔اِسی کے لیئے مثل مشہور ہے کہ جان ہے تو جہاں ہے۔

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین ﷺ مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین ﷺ مُحسنِ اِنسانیت	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مُختصرِتذکرۂ انبیاءکرامؑ، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرامؒ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)